مارچ 2020
شعاع
ڈائجسٹ
www.pklibrary.com

پہلی شعاع، رضیہ جمیل 8

حمد، عابد شاہجہاں پوری 9

نعت، نصیر احمد 9

نبیؐ کی باتیں، ادارہ 10

انٹرویو

بندھن، شگفتہ فرحت 20

دستک، شاہین رشید 27

جب تجھ سے ناتا، ر-ح 15

شادی مبارک ہو، نعیمہ ناز 30

ناول

شام کی حویلی میں، رخسانہ نگار عدنان 36

شہر تمنا، نعیمہ ناز 176

مکمل ناول

احساس، ثمینہ فرحان 102

ناولٹ

وہ نازنین، فرح بخاری 200

ان کہی، فائزہ ثمرین 76

افسانے

بات ہے دانائی کی، زرقا سکندر 60

دلدل، مدیحہ عارف 65

یار دل دار، افشین نعیم 169

پچھل پیری، زارا ہنجرا 99

انا نہیں ہوتی، شبانہ شوکت 226

نظمیں غزلیں

غزل، عدیم ہاشمی 234

غزل، صابر ظفر 234

نظم، احمد فراز 233

غزل، محسن نقوی 233

UUNOVELS.COM

UUNOVELS.COM

مستقل سلسلے

خط آپ کے	رضیہ جمیل	240	تاریخ کے جھروکے	امت الصبور	252
مسکراہٹیں	ادارہ	235	آئینہ خانے میں	واصفہ سہیل	254
باتوں سے خوشبو آئے	شگفتہ جاہ	237	موسم کے پیکاں	خالدہ جیلانی	256
کھلتا کسی پہ	خالدہ جیلانی	251	خوبصورت تتلیاں	ادارہ	258

رخسانہ نگار عدنان

شام کی چوکھٹ

کشف اپنے پرانے طرز کے گھر سے شدید بے زار ہے اور وہ اپنی آنی سے ہزار بار کہہ چکی ہے کہ وہ اس گھر سے جان چھڑالیں لیکن وہ ہر بار اس کی بات ہنس کر ٹال دیتی ہیں۔ کشف گلیوں سے گزرتے خوانچا فروشوں سے بھی سخت بے زار رہتی ہے اور انہیں حسب توفیق بددعاؤں سے نوازتی رہتی ہے۔

طاہرہ بیگم کا اپنے گھر پر کافی ہولڈ ہے۔ ان کی بہو سونیا اور بیٹا آزر دونوں ہی ان کے فرماں بردار ہیں۔ وہ چاہتی ہیں کہ ان کی پوتی کا رشتہ ان کی مرضی سے طے ہو۔

جبکہ ردا اپنے آفس میں کام کرنے والے جبران سے محبت کرتی ہے اور اسے کہتی ہے کہ وہ اس کا رشتہ لے کر آئے۔

دوسری جانب کشف کا پڑوسی اسے چھیڑتا ہے اور وہ اس کے پاؤں پر اینٹ دے مارتی ہے۔ بعد میں اسی لڑکے کی ماں سے بھی خوب جھگڑا کرتی ہے۔

زینب شاعری کرتی ہے اور ساتھ ہی ایک اسکول میں بھی پڑھاتی ہے وہ اپنا مسودہ حیدر کے پاس لے کر جاتی ہے تاکہ وہ سرفراز سے بات کر کے اسے چھپوا سکیں۔

آفس سے واپسی پر اس کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے اور وہیں تیز برستی بارش میں اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔

آڈیٹوریم لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہے جہاں ڈاکٹر موحد تین بڑی بیماریوں کو کنٹرول کرنے کے حوالے سے لیکچر

دے رہے ہیں۔ اور ہال میں تمام لوگ ساکت ہو کر سن رہے ہیں۔
کشف، ناہید کو دیکھ کر اس سے بے اختیار لپٹ جاتی ہے۔ ناہید کو زینب کی فکر ستاتی ہے اور وہ بارش سے بھی خوف زدہ ہیں۔ کشف انہیں کہتی ہے کہ زینب فون نہیں اٹھا رہی۔ ناہید اس سے بتول خالہ سے کیے گئے جھگڑے کے بارے میں پوچھتی ہیں اور اسے سمجھاتی ہیں۔
میر و خزاں کے موسم میں اپنی گاڑی میں موجود ہے اور کسی کی یاد ہے جو اسے گھیرے ہوئی ہے۔ وہ اس سے کہتی ہے کہ وہ اس سے اگر کبھی ناراض ہوئی تو میر و اسے منا لے۔ وہ ان سوچوں میں الجھا چلتا جاتا ہے۔
موحد راستے میں رش دیکھ کر اترتا ہے اور سامنے بے ہوش پڑی زینب کو دیکھ کر اسے ہاسپٹل لے جاتا ہے۔
آذر کو ایک فون کال آتی ہے اور وہ عجلت میں آفس سے باہر نکلتا ہے۔ زینب کے بارے میں کوئی بھی معلومات نہ پا کر کشف شدید پریشان ہو جاتی ہے۔ سہیل اپنے طور پر پتا کروا لیتا ہے اور اسکول بھی چکر لگا آتا ہے۔ لیکن وہ وہاں بھی موجود نہیں ہوتی۔ وہ حیدر کو فون کرتی ہے وہ بھی پریشان ہو جاتا ہے۔ کچھ دیر بعد اس کے فون پر موحد کی کال آتی ہے۔ اور وہ اسے زینب کے بارے میں بتاتا ہے۔
دوسری طرف زینب کو ہوش آتا ہے اور موحد اسے جانا پہچانا لگتا ہے۔ وہ اس کا شکریہ ادا کرتی ہے اور گھر جانے کا کہتی ہے۔ اور موحد سے اس کے باپ کا نام بھی پوچھ لیتی ہے۔ موحد اسے اس کے گھر چھوڑ کر آتا ہے۔ جہاں کشف کے ساتھ بلال بھی موجود ہوتا ہے۔ باتوں کے دوران بتول خالہ آجاتی ہیں اور ماں بیٹی کے کردار پر الزام تراشیاں کرتی بکتی جھکتی بلال کے ڈرانے پر گھر سے نکل جاتی ہیں۔
آذر، ردا کو لے کر گھر پہنچتا ہے جہاں پورا گھر ردا کی غیر حاضری کے باعث پریشان ہے۔ ردا اپنے کمرے میں جاتی ہے جہاں رمشا اس سے بات کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن وہ اسے ڈانٹ کر بھگا دیتی ہے۔ سونیا اس کے کمرے میں آتی ہیں اور اس سے پوچھتی ہے کہ کیا ہوا ہے اور کمرے کا دروازہ بند کر دیتی ہے۔ ردا حیران رہ جاتی ہے۔
میر و دیوار میں کیل ٹھونک رہا ہوتا ہے جب وہ عورت چیختے ہوئے آتی ہے اور اس سے جھگڑتی ہے۔ اس حسین عورت کی طرف میر و شرمندگی سے دیکھتا اس کی بدزبانی سنتا ہے۔ تبھی ان کی بیٹی آتی ہے اور اس کا سرخ لباس دیکھ کر وہ عورت پھر سے چیخنا چلانا اور آخر میں رونا شروع کر دیتی ہے۔
وہ نوجوان لڑکی ماں کی اس حالت سے شدید الرجک ہے اور کہتی ہے کہ اسے پاگل خانے بھیج دیا جائے۔ جبکہ وہ عورت چلاتے چلاتے میر و کے گریبان میں چہرہ چھپا لیتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس سے دور نہ جائے۔
دادی، شائستہ کو فون کر کے کہتی ہیں کہ آذر اور سونیا کو اس رشتے پر اعتراض نہیں۔ وہ بیس دن بعد نکاح رخصتی کی تاریخ رکھ لیتی ہیں جبکہ دروازے میں کھڑا آذر یہ سن کر ساکت رہ جاتا ہے۔
آذر اپنی ماں سے کہتا ہے کہ انہیں رشتہ طے کرنے سے پہلے کم از کم ردا کی مرضی ضرور معلوم کرنی چاہیے۔ لیکن وہ بات کو یوں گھماتی ہیں کہ آذر چپ رہ جاتا ہے۔
کشف آنی سے اپنے باپ کے بارے میں پوچھتی ہے۔ وہ اسے ساری تفصیل بتاتی ہے۔ میر منصور باہر گیا اور وہاں جا کر دوسری شادی کر لی۔ کشف ضدی لہجے میں کہتی ہے کہ وہ ان سے ضرور ملے گی۔
سونیا، ردا سے پوچھتی ہے کہ برسات میں کیا ہوا تھا۔ وہ کہتی ہے کہ کچھ نہیں ہوا۔ پھر وہ اسے بتاتی ہے کہ وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے اور جبران سے ہی شادی کرے گی۔ سونیا اسے زوردار تھپڑ مارتی ہے۔ سونیا، آذر کو ڈھکے چھپے لفظوں میں بتاتی ہے کہ اس کی بیٹی شادی کے لیے راضی نہیں۔
حیدر، زینب سے ملتا ہے تو وہ اسے کشف کے رویے کے بارے میں بتاتی ہے۔
کشف خیالوں میں گم بس میں بیٹھی رہ جاتی ہے۔ اڈے پر پہنچ کر وہ چونکتی ہے اور گھبرا کر رہائشی علاقے کی طرف آجاتی ہے۔ جہاں حمزہ اسے سونیا کے گھر ڈراپ کر دیتا ہے۔ کشف کی موجودگی سے آذر بے سکون ہوتا ہے۔
میر منصور، ایما کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ بدتمیزی کرتی ہے جواباً وہ اسے تھپڑ مار دیتا ہے۔ ایما پولیس بلا لیتی ہے۔ گھر پر اس کی ماں ایک پرتکلف ڈنر تیار کر کے اس کا انتظار کرتی ہے۔ ایما ماں کو خوشی خوشی بتاتی ہے کہ اس نے باپ کو

پولیس کے حوالے کر دیا ہے۔

کشف سونیا سے بھی اپنے باپ کے بارے میں پوچھتی ہے اور اس کے سامنے اس عزم کا اظہار کرتی ہے کہ وہ ضرور امریکہ جائے گی۔

زینب، بتول خالہ سے معافی مانگنے جاتی ہے جہاں وہ اسے کشف کی شادی کا مشورہ دیتی ہیں۔

ڈاکٹر موحد گاؤں میں ہونے والی ایک فوتگی پر جاتے ہیں اور وہاں نہ صرف جنازے میں شریک ہوتے ہیں بلکہ قبر کھودنے میں بھی مدد کرتے ہیں جس پر گاؤں کے لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔

سونیا زینب کو فون پر کشف کی وجہ سے بہت ستاتی ہیں۔ زینب کشف سے اس بارے میں پوچھتی ہے تو وہ کہتی ہے کہ ہاں وہ سونیا کے پاس اپنے باپ کی معلومات لینے گئی تھی۔ اسے سونیا کا عجیب رویہ یاد آتا ہے۔

آزر جہان سے ملتا ہے اور اسے بے عزت کرتا ہے، ردا غصے سے باہر نکل جاتی ہے۔

کشف کچن میں ردا کو دیکھ کر ایک کپ کافی کا کہتی ہے۔ باتوں باتوں میں وہ ردا سے کہتی ہے کہ وہ اس شادی سے خوش نہیں کیا وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے۔ ردا یہ سن کر چراغ پا ہو جاتی ہے۔ سونیا ردا کو آ کر تھپڑ مارتی ہے۔ اور کہتی ہے کہ اس کی ماں کی وجہ سے آج تم اس گھر میں ہو اور آج ہماری عزت رہ گئی ہے۔

ہاسپٹل سے میر منصور زینب کا ہاتھ پکڑ کر باہر لاتا ہے اور اسے زینی کے نام سے بلاتا ہے۔ زینب کہتی ہے کہ اس کا نام زینی نہیں زینب ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تم جس سے محبت کرتی ہو وہ میں تھا یا کوئی اس کی خاطر میری بات سن لو۔ زینب کہتی ہے کہ اس کی زندگی میں کوئی اور کبھی نہیں تھا۔ میر منصور اس بات پر یقین نہیں کرتا۔ موحد کے بچانے پر زرین بہت خوش ہوتی ہے۔ زرین کو برے حالوں میں دیکھ کر موحد کو محسوس ہوتا ہے کہ یہ ایما کی وجہ سے اس حال میں ہیں، میں ان کا کچھ نہیں۔

میر منصور کی یہ بات سن کر زینب حیران رہ جاتی ہے کہ زینب نے بے وفائی میں پہل کر کے شادی کر لی۔ دونوں ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ منصور یہ سن کر پریشان ہو جاتا ہے کہ نیس سال سے اکیلی رہ رہی ہے۔

کشف زینب سے فون پر کہتی ہے کہ وہ اپنے گھر جانا چاہتی ہے زینب منع کر دیتی ہے۔

کشف کی آنکھ ایک ڈراؤنے خواب سے کھلتی ہے۔ وہ ہلکی سی چیخ مار کر اٹھتی ہے ٹائم دیکھتی ہے۔ ابھی تو بارہ بھی نہیں بجے تھے۔ پانی پی کر وہ خالی گلاس لے کر باہر جاتی ہے۔ کچن میں اندھیرا ہوتا ہے۔ وہ ڈسپنسر سے پانی لینے آگے بڑھتی ہے۔ کہ اس کے ہاتھ سے گلاس گر کر ٹوٹ جاتا ہے۔ کسی نے اس کو بری طرح اپنے بازوؤں میں لے کر جھنجھوڑا تھا۔ اس نے چیخنا چاہا تو کسی نے اس کے منہ کو پوری قوت سے بھینچ دیا۔

کشف پر حملہ کرنے والا کوئی اور نہیں آزر تھا۔ سونیا آزر سے پوچھتی ہے۔ اس کی چیخ و پکار سن کر رمشا، ردا اور طاہرہ بیگم بھی آ جاتے ہیں۔ آزر ڈھٹائی سے کہتا ہے کہ میں نے صرف اپنے بیٹے کو اس سے بچانے کی خاطر یہ قدم اٹھایا ہے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ حمزہ یہ سن لیتا ہے۔ وہ یہ برداشت نہیں کر پاتا۔ طاہرہ بیگم آزر کی حمایت کرتی ہیں۔

حیدر کشف کو سمجھاتا ہے کہ وہ گھر کے اندر آ جائے۔ بلال ثمینہ کو اس کے کمرے میں لے جاتا ہے۔ ماں کو کمرے میں چھوڑ کر بلال کشف کو اندر صالحہ کے کمرے میں لے آتا ہے لیکن کشف وہاں رکنے پر تیار نہیں ہوتی صالحہ اسے کہتی ہیں کہ صبح وہ خود اس کے ساتھ اس کے گھر چلیں گی۔

ثمینہ حیدر سے لڑتی ہے کہ اسے طلاق چاہیے۔ بلال سمجھاتا ہے تو وہ کہتی کہ بلال اپنے باپ کی حمایت کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو زخمی کر لیتی ہے۔

موحد ایما سے ملنے ہاسپٹل آتا ہے جہاں زریں اسے کہتی ہے کہ وہ منصور کو چھوڑ دے گی بس موحد اس کے پاس آ جائے۔ منصور کو یہ سن کر احساس زیاں ہوتا ہے وہ زینب کے پاس جانے کا ارادہ کر لیتا ہے۔ کشف صالحہ بیگم کے ساتھ اپنے گھر آ جاتی ہے۔

موحد کے پاکستان واپس جانے کا سن کر زریں بہت دکھی ہوتی ہے۔ دیتی اپنے بچے کے ساتھ جورات جنگل میں گزارتی ہے اس سے اس میں اتنی ہمت آ جاتی ہے کہ وہ اپنے بچے کے لیے تنہا جینے کا فیصلہ کر لیتی ہے۔ زینب اس کی کہانی سے بہت متاثر ہوتی ہے۔

آزر ماں اور بیوی کے ساتھ رمشا کو بھی لے کر ایئر پورٹ جاتا ہے گھر میں ردا اکیلی ہے۔ اچانک وہاں وہ ایک جانی پہچانی آواز سنتی ہے۔ زینب سے ملنے کے لیے منصور ہوٹل آتا ہے۔ وہیں اس کی ملاقات موحد سے ہوتی ہے۔ وہ اس غیر

متوقع صورت حال پر حیرانی سے اسے دیکھتا ہے۔
ردا گھر میں اکیلی ہوتی ہے فرحان آکر اسے اکساتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ بھاگ چلے ردا کے انکار پر اسے غصہ آجاتا ہے اور وہ بدنیتی پر اتر آتا ہے۔ ردا اپنے آپ کو زخمی کر لیتی ہے فرحان بھاگ جاتا ہے۔ حمزہ آکر اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہے۔
منصور زینب سے ملنے آتا ہے تو وہاں موحد بھی پہنچ جاتا ہے موحد حیران ہوتا ہے کہ زینب سے منصور کا کیا تعلق ہے منصور بتاتا ہے کہ وہ اس کی فرسٹ کزن ہے۔
زینب کا شاپنگ پر جانا تھا منصور اسے اس کے والد کا واسطہ دے کر کہا ہے کہ وہ اس کے ساتھ شاپنگ پر چلے۔ اسے سونیا اور اس کی بیٹیوں کے لیے شاپنگ کرنی تھی۔ منصور اس کے لیے ایک ساڑھی گفٹ لیتا ہے۔ زینب کو ماضی یاد آتا ہے کہ وہ سونیا کی شادی میں اس کے لیے ساڑھی لایا تھا۔ وہ اس کی دی ہوئی ساڑھی ریسپشن پر چھوڑ جاتی ہے۔ منصور حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔
بلال کشف سے ملنے آتا ہے کشف اس سے رکھائی سے پیش آتی ہے۔ اس کے یہ پوچھنے پر کہ وہ سونیا کے گھر سے رات میں کیوں آئی کشف ناراض ہو جاتی تھی۔
سونیا ردا کی حالت دیکھ کر پریشان ہے کہ اس کے سسرال والے آچکے ہیں اور کسی وقت بھی ہوٹل سے گھر ملنے آسکتے ہیں۔ ردا کہتی ہے کہ وہ چکر آنے پر گر پڑی تھی۔ موحد کے جانے کے بعد زرین منصور سے معافی مانگتی ہے منصور کے نہ ماننے پر کپ توڑ دیتی ہے۔
سونیا آکر کشف سے معافی مانگتی ہے اور کہتی ہے کہ زینب یا کسی کو پتا نہ چلے۔
زینب پاکستان آکر حیدر کے ساتھ آتی ہے وہ یہ جان کر حیرت زدہ ہے کہ کشف سونیا کے گھر نہیں بلکہ اپنے گھر میں ہے۔ حیدر یہ جان کر کہ زینب منصور سے کینیڈا میں مل چکی ہے، چونک جاتا ہے۔
سونیا اور آذر نے شائستہ اور سلیمان کی دعوت اپنے گھر میں رکھی تھی جس میں ان کی شادی کی تاریخ مقرر ہونا تھی۔ رمشا ردا کو تیار کرتی ہے۔ ردا رمشا سے محبت کے حوالے سے بات کر رہی ہوتی ہے کہ دروازے میں سلیمان کو کھڑا دیکھ کر شاکڈ رہ جاتی ہے۔
موحد کو زینب ڈنر پر انوائیٹ کرتی ہے۔ کشف کو بہت غصہ آتا ہے۔ وہ ڈنر پر موحد سے بدتمیزی کرتی ہے۔ میر وجیل میں بیٹھا شدید غم میں ہوتا ہے۔ اسے اپنی بیٹی سے اس حرکت کی توقع نہیں ہوتی۔ ردا کو جبران الزام دیتا ہے۔ اور پھر اسے کہتا ہے کہ وہ کل ہر اس صورت اس سے ملاقات کرلے جبران ردا کو ایک انجان جگہ لے جاتا ہے۔
حیدر، زینب کو میر منصور کا کینیڈا کا ایڈریس دینا بھول جاتا ہے۔ رمشا، کشف کے آنے پر بہت خوش ہوتی ہے۔ طاہرہ بیگم ان سے اجازت لیے بغیر کشف کے وہاں آنے کا بہت زیادہ برا مناتی ہیں۔ کشف کو لگتا ہے کہ وہ مر جائے گی۔ وہ سونیا سے وہاں سے جانے کی ضد کرتی ہے۔
میر منصور کے گھر فون آتا ہے کہ ایمان بلڈنگ سے گر کر انتہائی زخمی حالت میں اسپتال میں ہے۔ زینب کی وہاں بہت پذیرائی ہوئی ہے۔
موحد کو ایمان کے زخمی ہونے کا پتا چلتا ہے۔ وہ پریشان ہوتا ہے۔ منصور اور زرین میں کھٹ پٹ ہو جاتی ہے۔ منصور کو اپنی ماں کی بات یاد آتی ہے کہ انہوں نے زینب کی شادی کر دی ہے۔
طاہرہ بیگم سونیا کو سخت سست سناتی ہیں۔ آذر کو بھی کشف کا وہاں رہنا پسند نہیں آتا۔
کشف گھبرا کر موحد کے پاس جاتی ہے وہ اپنی پریشانی میں الجھا ہوتا ہے۔ کشف کو ناگوار گزرتا ہے۔ زینب فون پر کشف کو ڈانٹتی ہے کہ وہ بغیر بتائے سونیا کے گھر سے کیوں نکل آئی۔ زینب کے ساتھ آئے ایک شاعر کو دل کا دورہ پڑتا ہے اور سب کے ساتھ زینب بھی انہیں دیکھنے اسپتال جاتی ہے۔ جہاں اس کا سامنا میر منصور سے ہوتا ہے۔ وہ دونوں حیران رہ جاتے ہیں۔
موحد کے کینیڈا جانے کا سن کر کشف موحد سے کہتی ہے کہ وہ بتا کر جاتا تو وہ اپنے باپ کا اتا پتا معلوم کروا لیتی اس سے۔ موحد کہتا ہے کہ تمہاری آبی کا بھی تو کینیڈا میں رابطہ ہے ان کے کزن ہیں وہاں۔ کشف کی حیرانی پر پچھتاتا ہے کہ

UUNOVELS.COM

زینب کی اجازت کے بغیر اسے نہیں بتانا چاہیے تھا۔ وہ کشف سے اس کے والد کا نام پوچھتا ہے اور منصور احمد کا نام سن کر پتھر ہو جاتا ہے۔

سلیمان کو دیکھ کر رمشا جلدی سے آگے بڑھتی ہے۔ وہ ردا کی چوٹ دیکھ کر استفسار کرتا ہے۔ رمشا اور ردا یہ جاننے کے لیے بے چین تھیں کہ کہیں سلیمان نے ان کی باتیں تو نہیں سن لیں۔

کشف زینب سے شکایت کرتی ہے کہ وہ اسے اکیلا چھوڑ کر کیوں گئی۔ زینب پریشان ہوتی ہے کشف کی حالت دیکھ کر۔ وہ اس سلسلے میں صالحہ بانو سے بھی بات کرتی ہے۔

ردا شاپنگ پر جانے سے انکاری ہے، ماں کے سمجھانے پر سلیمان اس کی والدہ رمشا اور سونیا کے ساتھ وہ چلی جاتی ہے، وہاں وہ لوگ کچھ دیر کے لیے سلیمان اور ردا کو بات کرنے کا موقع دیتے ہیں، فرحان اسے سلیمان کے ساتھ دیکھ لیتا ہے۔

منصور زرین سے کہتا ہے کہ اسے دس پندرہ دن کے لیے پاکستان جانا ہے، اس کی بھانجی کی شادی ہے۔

زینب کشف کی وجہ سے پریشان ہے کہ سونیا کے ہاں ایسا کیا ہوا جو وہ وہاں سے آ گئی۔ کشف کہتی ہے کہ وہ ایک شرط پر بتائے گی کہ زینب اسے بتائے کہ زینب منصور سے کینیڈا میں ملی ہے اور یہ بات اسے ڈاکٹر موحد نے بتائی ہے۔

سونیا نکاح والے دن زینب کو بتاتی ہے کہ منصور پاکستان نہیں آ رہا۔

حمزہ ردا کے نکاح والے دن کشف سے ملنے جاتا ہے۔ کشف اسے دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے وہ اس سے معافی مانگتا ہے۔ اور بتاتا ہے کہ وہ باہر جا رہا ہے۔ کشف اسے معاف کر دے۔

منصور زرین سے کہتا ہے کہ وہ پاکستان اس لیے جا رہا ہے کہ وہ اپنا گھر بیچ کر اس کا قرض اتارے۔ لیکن زرین اس کی بات پر یقین نہیں کرتی کہ تم وہاں جا کر ہمارے رشتے سے مکر سکتے ہو۔ جس پر منصور اسے بتاتا ہے کہ زرین کے والد نے اس کی خوشامد کر کے اسے زرین سے شادی پر مجبور کیا تھا۔

ردا سلیمان کو پا کر محسوس کرتی ہے کہ یہ اس کی ماں باپ کی فرمانبرداری کا انعام ہے۔

کشف، فائقہ کے ساتھ ورکشاپ اٹینڈ کرنے آتی ہے تو اس کی ملاقات وہاں موحد سے ہوتی ہے۔ موحد اسے نظر انداز کر دیتا ہے۔ لیکن اس کی وجہ سے کھانے پینے کا انتظام اچھے سے کروا دیتا ہے۔ کشف کو بہت محسوس ہوتا ہے۔ لیکن بعد میں وہ اس کی وضاحت کر دیتا ہے۔

زینب کشف کی وجہ سے پریشان ہے۔ وہ حیدر کے آفس جاتی ہے۔ وہاں اس سے کشف کے رشتے کی بات کرتی ہے وہ بلال کی بات کرتا ہے۔ وہاں ثمینہ آ جاتی ہے اور ان دونوں کو خوب ذلیل کرتی ہے۔ حیدر ثمینہ کو لے جاتا ہے۔ زینب وہاں سن بیٹھی رہ جاتی ہے چوکیدار آ کے اسے جانے کا کہتا ہے۔

کشف، ڈاکٹر موحد سے ملتی ہے اور کہتی ہے کہ اگر آپ مجھے اچھا سمجھتے ہیں تو میری ماں سے میرا ہاتھ مانگیں اور مجھ سے شادی کر لیں۔

فرحان، سلیمان کے ہوٹل پہنچ جاتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ وہ ردا کا بوائے فرینڈ اور سابقہ محبوب ہے۔

موحد کشف سے محبت کا اظہار کرتا ہے۔ حمزہ باپ سے ناراض ہے۔ آزر غصے میں حمزہ کو گھر سے نکل جانے کو کہتا ہے۔

فرحان سلیمان سے مل کر اسے اپنے اور ردا کے تعلق کے بارے میں بتا دیتا ہے۔ سلیمان، ردا کی کال ریسیو نہیں کرتا۔

ثمینہ حیدر سے لڑتی ہے۔ اور بہت غلط زبان استعمال کرتی ہے بلال اسے روکتا ہے تو وہ اسے بھی لتاڑتی ہے۔

کشف کے حوالے سے کہتی ہے کہ وہ اسے کبھی بہو نہیں بنائے گی کشف یہ سب سن لیتی ہے۔ اور روتی ہوئی گھر چلی جاتی ہے۔ سلیمان، ردا سے فرحان کے متعلق سوال کرتا ہے۔

اٹھارھویں قسط

اور کشف کو لگا کسی نے اسے جلتے ہوئے کڑھاؤ میں ڈال دیا ہو۔
بے اختیار اس کا اشتعال میں اٹھا ہاتھ بلال کے چہرے پر نشان چھوڑ گیا۔
''تم ......تم اتنی گندی سوچ رکھتے ہو میرے لیے۔'' اس کی آواز کانپ رہی تھی۔
''تمہاری ماں غلط نہیں ہے، وہ بالکل ویسا بولتی ہے جیسے تم سوچتے ہو۔'' کشف کے لہجے میں نفرت ہی نفرت تھی۔
''اگر بات ماں تک آ گئی تو تم اپنے لیے بہت برا کرو گی۔''
وہ غصے میں جیسے پاگل ہونے کو تھا۔ اس کے خیال میں کہیں دور دور تک بھی نہیں تھا کہ کشف یوں اس پر ہاتھ بھی اٹھا سکتی ہے۔
''تم کہو جو تمہارے نفرت بھرے دل میں ہے، جو تمہاری غلیظ سوچ میں ہے۔ مجھے اب تم سے کچھ بھی سن کر حیرت نہیں ہو گی۔''
''لیکن مجھے ہے تم پر حیرت، شدید حیرت، تم اس طرح اتنی جلدی بدل جاؤ گی؟ کس طرح تم نے مجھے چھوڑا اور اس ڈاکٹر۔'' بلال تھپڑ بھول چکا تھا مگر کشف کا بدلاؤ اسے ناقابل یقین لگ رہا تھا ابھی بھی۔
''میں نے تمہارے ساتھ کوئی وعدہ، کوئی ایسی بات نہیں کی تھی۔'' وہ سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھ کر قطعی لہجے میں بولی۔ ''اس لیے بہتر ہو گا بلال حیدر! یہاں سے چلے جاؤ! یہاں میرے گھر میں کھڑے ہو کر تم یوں مجھ پر الزام تراشی نہیں کر سکتے۔''
بیگانگی، بے زاری، اکتاہٹ کیا نہیں تھا بلال کے لیے کشف کے لہجے میں۔
وہ تو بس گنگ سا بے یقین سا کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ کشف یوں اجنبی، بیگانی بن جائے گی۔ وہ یہ سوچ کر تو نہیں آیا تھا۔
اس کا خیال تھا وہ شرمندہ ہو گی، صفائی دے گی، کوئی بہانا کرے گی، عذر تراشے گی لیکن اس نے تو یہ عذر ہی ختم کر دیا کہ وہ کسی بہانے دوبارہ یہاں آ بھی نہ سکے۔
''اتنی نفرت کرنے لگی ہو مجھ سے؟'' وہ ٹوٹ گیا۔
''تم اتنی گندی زبان استعمال کرو اور میں تمہاری آرتی اتاروں۔ اتنا ہلکا سمجھ رکھا ہے تم نے مجھے۔''
کچھ تھا۔ کچھ تو تھا اس کے لہجے میں جو بہت شدید بدل چکا تھا۔
یہ وہ پہلے والی کشف ہرگز نہیں تھی۔
نہ اس کی نظریں، نہ چہرہ، نہ آنکھیں، نہ زبان، نہ الفاظ، نہ انداز! کچھ بھی تو پہلے جیسی کشف کا نہیں تھا۔
یا بلال کو اسے پہچاننے میں شدید دھوکا ہوا تھا۔
وہ اپنا غصہ پہلے دو چار جملوں میں نکال چکا تھا لیکن اب کشف کی بدلی ہوئی حالت اسے جیسے زمین میں گاڑ چکی تھی۔
''بہتر ہو گا، تم یہاں سے چلے جاؤ آئندہ تمہیں اس گھر میں جس سے بھی ملنا ہو گا یا ہر دروازے پر کھڑے ہو کر ملنا یا میری غیر موجودگی میں اس گھر کے اندر آنا، میں اب کبھی تمہیں اپنے اردگرد بھی برداشت نہیں کروں گی۔'' وہ جاتے ہوئے قدموں پر رکی تھی۔
اس کا حکم ناقابل فہم تو نہیں تھا مگر بلال کے لیے ناقابل یقین تھا۔ وہ کمرے سے جا چکی تھی۔
لیکن اس کے لہجے کی سرد مہری اس کی نفرت کمرے کی دیواروں سے اس کی فضا سے لپٹ چکی تھی۔
''جاؤ جاؤ...... چلے جاؤ، جاؤ۔'' سانس لیتی ہر دیوار تحقیر بھری سرگوشی میں کہہ رہی تھی۔

UUNOVELS.COM

اور وہ چاہنے کے باوجود اپنے قدم ہلا نہیں پا رہا تھا۔
''تمہیں یہ سب بولنے سے پہلے ایک لمحے کے لیے تو سوچنا چاہیے تھا۔ تم کشف کو مجھ سے زیادہ جانتے تھے۔ سمجھتے تھے پھر بھی محض ایک منظر دیکھ کر تم کس طرح اس پر کیچڑ اچھالنے لگے۔ کیا یہ تمہیں زیب دیتا تھا؟''
جانے زینب کب اس کے پاس آ کر کھڑی ہوئی تھی۔ سخت ناراض لہجے میں اسے شرمسار کرنے لگی۔
''اور وہ ایک منظر جو تم نے دیکھا، اس میں کتنی سچائی تھی۔ تم نے ذرا دیر کو سوچنے کی بھی زحمت نہیں کی۔ افسوس بہت افسوس ہے مجھے بلال.....''
''کشف ٹھیک کہہ رہی ہے۔ تمہاری سوچ ثمینہ بھابھی جیسی ہی نکلی۔'' زینب تاسف بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
''صالحہ خالہ نماز پڑھ چکی ہوں گی۔ تمہیں ان سے ملنا ہے تو جا کر مل لو اور آئندہ کوشش کرنا ہماری غیر موجودگی میں ہی اپنی دادی سے ملنے کے لیے آؤ بلکہ اگر نہ آؤ تو۔'' اس تو کے آگے بہت کچھ تھا جسے لفظوں میں بیان کرنا ضروری نہیں تھا۔ زینب دوسرے لمحے خاموشی سے باہر نکل گئی۔
وہ کمرے میں پھیلے نیم اندھیرے کی دھتکار سے خائف کچھ دیر بعد سر جھکا کر باہر نکل گیا اور صالحہ کو تلاش کیے بغیر ان سے ملے بغیر وہ اندھیرے برآمدے کو عبور کرتا لکڑی کے ادھ کھلے دروازے سے باہر نکل گیا تھا۔
اور یہ پہلی بار ہوا تھا کہ کوئی اسے دروازے تک چھوڑنے بھی نہیں آیا تھا۔
''تو میں نے اسے کھو دیا ہمیشہ کے لیے، اپنی جلد بازی اور کوتاہ بینی سے۔''
اس نے دس بارہ قدم چل کر مڑ کر نیم بھورے سال خوردہ لکڑی کے دروازے کو پشیمانی سے دیکھا تھا۔
جواب بند ہو چکا تھا، وہ سر جھکا کر واپسی کے لیے مڑ گیا۔

☆☆☆

سلیمان ہوٹل سے نکلتا ہوا بے اختیار ٹھٹکا تھا۔
سیاہ چادر میں لپٹا وجود روا کا ہی تھا جو ٹیکسی والے کو پیسے دے کر اسی طرف مڑ کر آ رہی تھی۔
وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔
عجیب بے بسی محسوس ہوتی تھی اس لڑکی کو اپنے سامنے دیکھ کر۔
وہ فیصلہ جو وہ نہیں کر پا رہا تھا روا کو سامنے دیکھ کر وہ اور بھی کمزور پڑ جاتا تھا۔
وہ اسی طرح چادر میں لپٹی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔
اس کی قندیلوں جیسی روشن سیاہ چمکتی آنکھیں چہرے کو ڈھانپے نقاب سے باہر تھیں اور جیسے بے قراری سے سلیمان سے سوال کر رہی تھیں۔
وہ زیادہ پل اس سے نظریں نہیں ملا سکا۔
''یہاں کیوں آئی ہو؟'' وہ مدھم بوجھل آواز میں ناگواری چھپا کر بولا۔
''آپ نہیں آئیں گے تو مجھے آنا ہی تھا۔'' وہ لہجے میں اپنائیت بھری شکایت سمو کر بولی۔
''نہ آپ میرا فون لے رہے تھے نہ میسج کا جواب دے رہے تھے جبکہ آپ کو معلوم بھی تھا، میں کس کرب، کس اذیت سے گزر رہی ہوں پھر بھی۔''
وہ چمکتی قندیلیں لبالب پانیوں سے بھر گئی تھیں۔
اس بار سلیمان کے لیے ان سے نظریں چرانا مشکل ہو گیا۔
مگر کیا کرتا اس زہر کا، اس تلخی کا جو شاید دل کے اندر تک اتر گئی تھی۔

UUNOVELS.COM

وہ چاہ کر بھی خود کو نارمل نہیں کر پا رہا تھا۔
''کیا مجھ سے بھی زیادہ کرب میں ہو؟'' ردا بے اختیار چونکی۔
اس کے سوال میں ہی جواب تھا۔ وہ تڑپ کر رہ گئی۔
''پلیز سلیمان! مجھے یوں مت ماریں۔ یہ قطرہ قطرہ موت..... پلیز رحم کریں مجھ پر۔ مجھے بتائیں میرا قصور۔'' وہ موم کی طرح پگھل رہی تھی۔
''میرا قصور، کیا میں بھی پوچھوں؟'' وہ تیز لہجے میں تلخی سے پھر بولا۔
ردا بے بسی سے دیکھ کر رہ گئی۔
''سلیمان! میں قسم کھانے کو تیار ہوں۔'' وہ روہانسی ہو کر بولنے لگی۔
''پلیز ابھی نہیں۔'' سلیمان نے بے اختیار ہاتھ اٹھا کر اسے روکا تھا۔
''میری ماما کی طبیعت اچھی نہیں ہے، میں آل ریڈی اسٹریس میں ہوں۔ ابھی میں اس پر بات نہیں کر سکتا۔'' اس کے روٹھے، سرد لہجے میں کیا نہیں تھا۔
''سلیمان! چار دن بعد ہماری شادی ہے۔'' ردا کی تڑپ میں کیا نہیں تھا۔
''شادی ہونہہ!'' ردا کی ساری تڑپ سلیمان کے اس ایک ہنکارے سے ٹھنڈے پانیوں میں نہا گئی۔
وہ جیسے گرنے کو تھی اور آگے پیچھے دائیں بائیں سہارا لینے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا اور جو سہارا تھا، وہ شاید اسے تھامنے کے موڈ میں نہیں تھا۔
''میں کیا کروں، مجھے بتائیں۔'' لبالب قندیلیں برسنے لگیں۔
وہ ایک دم سے لاتعلق نظر آنے لگا تھا۔
وہ کوئی بھی جواب دیے بغیر مڑ کر اس گیٹ کے اندر چلا گیا جس سے کچھ دیر پہلے ردا نے اسے نکلتے دیکھا تھا۔
وہ اسے نیم تاریک راستے کے بیچوں بیچ اکیلا چھوڑ کر چلا گیا تھا۔
اس کے بہتے آنسو ایک دم سے سوکھ گئے۔
''اب میں کیا کروں، میں گھر میں کسی کو بتائے بغیر چلی آئی ہوں اگر مما، بابا کو پتا چل گیا، وہ سمجھیں گے میں۔'' اس کے یخ ہاتھ پسینے میں بھیگنے لگے۔
اس کے پاس موبائل فون بھی نہیں تھا، اپنے لیے کیب کروا لیتی۔
اسی لمحے سلیمان ہاتھ میں چابیاں لیے پھر سے باہر آیا۔
''آئیں میرے ساتھ۔'' وہ اسے اشارہ کرتے ایک طرف کھڑی گاڑی کی طرف بڑھ گیا تو ردا کو کچھ حوصلہ ہوا، وہ اس کے پیچھے چلنے لگی۔

☆☆☆

''کیوں گئی تھیں تم موحد کے ساتھ؟'' زینب کا موڈ سخت خراب تھا۔ کشف سکون سے بیٹھی کچن میں کھانا نکال کر کھا رہی تھی۔
''کوئی کنوینس نہیں مل رہی تھی، وہ راستے میں مل گئے تو میں نے لفٹ لے لی۔ اس میں غلط کیا ہے؟'' وہ اطمینان سے پلاؤ پر رائتہ ڈال کر کباب کے ساتھ کھا رہی تھی۔
''کبھی تو تمہیں ڈاکٹر موحد بڑا برا لگتا تھا اور اب.....'' زینب خود کو طنز کرنے سے باز نہ رکھ سکی۔
''کبھی تو یہ بلال بھی اچھا لگتا تھا اور آپ کو بڑا بھروسا تھا انکل حیدر پر تو کیا ہوا؟'' وہ جیسے ماں کی بے چینی سے سکون محسوس کر رہی تھی۔

''آنی! حالات کبھی بھی ایک جیسے نہیں رہتے پہلے آپ مجھے یہ بات کتنی جان لگا کر سمجھایا کرتی تھیں اور آج مجھے خود بخود سمجھ میں آ گئی۔ اچھا ہو گیا ناں!''

وہ شاید صبح سے بھوکی تھی۔ اٹھ کر پلیٹ میں مزید چاول ڈالنے لگی۔

''دوپہر سے کچھ نہیں کھایا بہت بھوک لگ رہی ہے اور ہاں پلاؤ بہت مزے کا ہے اور کباب اس سے بھی زیادہ۔'' وہ پھر سے بیٹھ کر تسلی سے کھانے لگی جیسے حالات بالکل نارمل ہوں۔

اور زینب کو کچھ بھی نارمل نہیں لگ رہا تھا۔

نہ کشف کی اچانک اتنی بھوک اور نہ اس کی یوں کھانے کی تعریف۔

وہ اسے دیکھے جا رہی تھی۔

''آ جائیں ناں۔ یوں کھڑی کیا مجھے گھورے جا رہی ہیں۔ کیا میرے کھانے کو نظر لگائیں گی۔'' بہت عرصے کے بعد زینب نے اسے اس موڈ میں دیکھا تھا۔

وہ گہرا سانس لے کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔

''کیا چھپا رہی ہو مجھ سے؟'' زینب نے اچانک پوچھا۔

کشف کا نوالہ لیے منہ کی طرف جاتا ہاتھ بے اختیار رکا تھا۔

وہ نظریں چرا کر پاس پڑا پانی کا گلاس لبوں کو لگا کر جیسے زینب کے سوال کا مناسب سا جواب سوچنے لگی۔

''کشف! میں تمہیں تم سے زیادہ جانتی ہوں جب بھی تم ایسی کیفیت میں ہوتی ہو۔ تم کچھ خاص..... کچھ بڑا معاملہ ہے جو تم میری نظروں سے اوجھل کرنا چاہتی ہو۔''

یونہی نہیں کہتے ماں اپنی اولاد کی ہر رمز کو اولاد سے بھی زیادہ سمجھتی ہے۔

''وہم۔'' اس نے گہرا سانس لے کر جواب دیا۔ ''اور میں کیا چھپاؤں گی آپ سے۔'' وہ اب سست روی سے پلیٹ میں پڑے چاول ختم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

کچھ دیر پہلے تک بہت اچھا مزے دار لگنے والا کھانا ایک دم سے پھیکا بدمزہ لگنے لگا تھا اس کا پیٹ اور نیت ایکدم سے بھر گئی۔

اس نے پلیٹ یونہی پرے کر دی۔

''تو تم مجھے نہیں بتاؤ گی؟'' زینب کی نظریں اس کے اندر اتری جا رہی تھیں۔

''کچھ ہے ہی نہیں تو کیا بتاؤں۔'' وہ بجھے ہوئے لہجے میں بولی۔

''تو یعنی ابھی نہیں بتاؤ گی کہ بہت بڑی بات ہے جو تم کچھ دنوں کا وقت لے کر پھر بتاؤ گی۔''

زینب کی نظریں واقعی اسے اندر تک جھانک آئی تھیں۔ وہ فقط نفی میں سر ہلا کر رہ گئی۔

''یہ بلال اتنے غصے میں کیوں تھا؟'' وہ چند لمحے خاموش رہ کر پھر سوال کرنے لگی۔

''اس کا تو نام نہیں لیں میرے سامنے۔'' وہ ایک دم بھڑک کر اٹھ کر جانے لگی۔

''تو جس کا نام پسند ہے، اس کا پوچھ لیتی ہوں۔'' وہ جیسے طنز سے بولی۔

''تو تم آج موحد کے ساتھ تھیں؟'' وہ رک کر کچھ عجیب جتانے والے انداز میں بولی۔

کشف کے دل کی ایک دھڑکن مس ہوئی۔

وہ بے اختیار نظریں چرا گئی اسے زینب سے ڈر سا لگا۔

''نہیں۔'' بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔ ''صرف راستے میں کنوینس نہیں مل رہی تھی تو مجبوراً اور وہ کیا فارغ ہیں جو مجھے لے کر پھرتے رہیں۔ آ بھی اس بلال کی باتوں کو سچ سمجھنے لگیں۔'' آخر میں کشف کا لہجہ کچھ

تیز ہوا۔ ''جھوٹ بول رہا تھا وہ۔'' وہ بات تمام کر کے اٹھنے لگی۔
''پورے جھوٹ میں بھی کہیں آدھا سچ ہوتا ہے۔'' زینب کی بات نے اس کا رستہ روکا۔ وہ پلیٹ ہاتھ میں لیے کھڑی رہ گئی۔
''سچ جھوٹ میں نہیں ہوتا آنی، سچ تو یہ ہے کہ شاید آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں رہا۔'' یہ کہتے ہوئے اسے تکلیف سی ہوئی تھی۔
''اعتبار ہے لیکن ٹوٹ نہ جائے بس یہ ڈر ہے۔'' زینب اس سے کہہ کر باہر نکل گئی اور کشف گم صم سی کھڑی رہ گئی۔

☆☆☆

''عین شادی سے چار دن پہلے اس نے یہ گل کھلانا تھا تم بے ہوش تھیں احمق ہو بہت۔''
آزر کو بہت دنوں بعد سونیا کے خلاف غصہ نکالنے کا موقع ملا تھا۔ سونیا کو اس وقت اس کے غصے پر نہ تو ذلت کا احساس ہو رہا تھا نہ پریشانی۔
وہ حواس باختہ سی ادھر ادھر یوں ردا کو تلاشتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے وہ کسی کونے میں چھپی بیٹھی ہے۔
''میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں تم اس کا خیال نہیں رکھ سکتی تھیں جانتی بھی ہو کہ وہ ایسے کسی موقع کی تلاش میں ہے۔'' وہ غصے میں اسے جھنجھوڑ کر پھر سے گرجا۔
''میری بیٹی ایسی نہیں ہے آزر!'' سونیا نے بہت پر اعتماد مضبوط لہجے میں جیسے آزر کو منہ توڑ جواب دیا تھا۔
''ہاں تمہاری بیٹی۔'' آزر نے تمسخر اڑایا۔
''جو کہ موقع ملتے ہی ہم سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر بلکہ ہمارے مُنہ پر ذلت کی کالک.....'' اس کے لہجے میں زمانے بھر کی نفرت اور بغض تھا۔
''بس کریں خدا کے لیے، کوئی انسان اپنی اولاد کے لیے اتنا گر کر بھی سوچ سکتا ہے، آزر مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے آپ کی باتوں سے، خدانخواستہ ردا نے ایسا کچھ کرنا ہوتا تو وہ بہت پہلے .....وہ دل سے پوری فرماں برداری سے ہمارے فیصلے کو قبول کر چکی ہے پھر بھی آپ — اس پر ایسا گھناؤنا الزام لگائیں گے مجھے خود سے شرم آ رہی ہے۔'' وہ ضبط کرتے کرتے بھی رو پڑی۔
''تو پھر تمہارا یقین ہی سچا ہوگا اپنے سچے یقین سے کہو، اس لڑکی کو یہاں سامنے لا کھڑا کرے۔'' وہ اسی تحقیر بھرے تمسخر سے بولا۔
سونیا اسے بے بسی سے دیکھ کر رہ گئی۔ اس کے پاس آزر کے اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔
''ابھی اماں جان کو پتا چلے گا۔ یا اللہ کیا بتاؤں گا میں انہیں۔'' آزر کو خدا سے بھی زیادہ اماں جان کے سامنے جواب دہی کا خوف تھا۔
یہ تو سونیا کو معلوم تھا مگر اس وقت سونیا کو صرف ردا کی سلامتی کی فکر تھی۔
''کہیں ہماری غیر موجودگی میں وہ فرحان تو ردا کو اپنے ساتھ زبردستی نہیں لے گیا۔'' اس کا دل خوف سے بگڑ گیا۔
وہ غصے میں کھولتے آزر کو دیکھنے لگی۔ اس سے اس خدشے کا اظہار کرنا چاہیے بھی یا نہیں۔ وہ فیصلہ نہیں کر پائی۔
''پلیز آزر! جا کر باہر کہیں دیکھیں۔ تلاش کریں۔'' اس کے منہ سے التجا نکلی۔
''ایسا کچھ ہوتا تو وہ اپنا فون ساتھ لے جاتی اور میں کہیں نہیں جاؤں گا اپنی بدنامی کا طوق گردن میں لٹکا کر، جو ہوگا دیکھا جائے گا۔'' وہ پلٹ کر جانے لگا۔

سونیا کے آنسو بہنے لگے۔
اس وقت ردا سیاہ چادر میں لپٹی سلیمان کے ساتھ لاؤنج میں داخل ہوئی تو دونوں وہیں ششدر سے کھڑے رہ گئے۔

☆☆☆

پوری رات جیسے رت جگے میں بیتی تھی۔
ایسے رت جگوں میں پہلے ہمیشہ میر منصور کی یاد کا دیا جلتا تھا۔ آج پوری رات ایک پل کو بھی اس بے وفا کی یاد نہیں آئی تھی۔
کشف کے عجیب وغریب رویے نے زینب کو رات بھر بے چین رکھا تھا۔
کشف شاید خود بھی رات بھر جاگتی رہی تھی۔ اس کے کمرے سے آتی روشنی رات بھر گل نہیں ہوئی تھی۔
''کچھ تو انوکھا، کچھ خاص ہوا ہے ورنہ کشف یوں سرِ شام نہ تو پیٹ بھر کر کھانا کھاتی ہے نہ پڑ کر سونے کی ایکٹنگ کرتی ہے۔''
اور کچھ انوکھا، جاننے کا سوچ کر زینب کو اور بھی پریشانی ہوتی کیا مجھ میں مزید صدمے سہنے کی ہمت ہے؟ وہ سست روی سے چائے بناتے جیسے خود سے پوچھ رہی تھی۔
دوسری طرف صالحہ رات سے بالکل چپ تھیں۔
شاید انہوں نے بلال اور کشف کی جھڑپ سن لی تھی۔
اور زینب خود بھی ان سے بچتی نظریں چراتی پھر رہی تھی۔ کچھ بھی تھا بلال صالحہ خالہ کا پوتا تھا اور حیدر بھائی کو اور کسی کا نہیں ماں کا خیال تو ہونا چاہیے تھا ایسی پریشر اور اسٹریس والی گھڑیوں میں ہمیشہ حیدر اس کے ساتھ ہوتا تھا اور آج وہ جیسے بالکل اکیلی ہو کر رہ گئی تھی۔
شاید اس لیے بار بار حیدر کا خیال آ رہا تھا۔
''کیا انہیں میرا خیال نہیں آتا۔ کیا اتنی غیر تھی میں۔ ثمینہ نے جو کہا سو کہا۔ ہمارے دلوں، ہماری نیتوں میں تو ایسا کچھ نہیں تھا پھر انہوں نے کیوں خاموشی سے کنارہ کر لیا۔
اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔
''کیا بات ہے، خالی چائے پئیں گی۔ ناشتہ نہیں کریں گی؟'' جانے کشف کب اٹھ کر اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی تھی۔
زینب لبوں سے کپ ہٹا کر اس کا جائزہ لینے لگی۔
سیاہ بکھرے بالوں کی لٹوں کو کیچر میں قید کرتی سنہری دودھیا رنگت میں گھلی گلابیاں، سوتی پرپل گلابی شارٹ شرٹ اور ٹراؤزر میں اس کا حسن بے نیاز سا تھا۔
جیسے اسے خود بھی پتا نہیں کہ وہ کتنی حسین ہے۔
اور یہ تو زینب کو بھی ابھی اسے بغور دیکھنے پر اندازہ ہوا تھا۔ شاید اس نے بھی یوں پہلی بار اسے نظر بھر کر دیکھا تھا۔
''تم رات بھر کیوں جاگتی رہیں؟'' بے ساختہ اس کے لبوں سے پھسلا۔
گلاس میں پانی ڈالتی کشف کا ہاتھ لمحے بھر کو ٹھٹکا۔
''نہیں سوگئی تھی میں تو۔'' وہ صاف نظریں چرا کر بولی۔
''لائٹ ساری رات جلتی رہی تمہارے کمرے کی۔'' زینب جتا کر بولی۔
''ہاں پتا نہیں چلا کمپیوٹر پر کام کرتے کرتے میں وہیں جلتی روشنی میں سوگئی تو آپ کیا رات بھر جاگ کر

میرے کمرے کی روشنی دیکھتی رہیں۔ پھر نہیں سوئیں رات کو آپ۔'' وہ بے اختیار زینب کے گلے میں بانہیں ڈال کر لاڈ سے بولی۔

''مجھے تو عادت ہے لیکن تمہاری فکر ہے۔'' زینب اس کا بازو ہٹا کر کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

''میری فکر مت کریں میں اب بڑی ہوگئی ہوں اپنی فکر کرسکتی ہوں۔'' وہ لاپروائی سے فریج سے ڈبل روٹی اور انڈے نکالتے ہوئے بولی۔

اس کے انداز میں، اس کے الفاظ میں پھر کچھ ایسا تھا جس نے زینب کو ٹھٹکا دیا۔ اسے دیکھتی رہ گئی۔

''ماں ہوں تمہاری کیوں فکر نہ کروں۔'' زینب کو اپنا لہجہ بھی کچھ کمزور لگا۔ کشف نے کوئی جواب نہیں دیا فرائی پین نکال کر چولہا جلانے لگی۔

دونوں خاموش تھیں۔

''تمہیں معلوم ہے کل وہ لوگ کس لیے آئے تھے؟'' کچھ دیر بعد زینب جتانے والے انداز میں پوچھنے لگی۔

کشف نے مڑ کر صرف ایک سوالیہ نظر اس پر ڈالی اور پلیٹ کر خاموشی سے آملیٹ کے لیے پیاز کاٹنے لگی۔

''لوگ تو بہت اچھے ہیں مجھے امید ہے وہ تمہیں پسند بھی کر گئے ہیں۔'' زینب خود ہی پھر سے بولی۔

کشف ہاتھ روک کر گم صم سی ہوگئی۔

''میں نے ایگزام کے بعد جاب کرنی ہے بتا رکھا ہے میں نے آپ کو۔'' وہ کچھ کڑوے پن سے بولی۔

''تو کوئی مسئلہ نہیں جاب کا کیا ہے۔ شادی کے بعد بھی ہوسکتی ہے بلکہ آج کل جتنی مہنگائی ہے۔ دونوں میاں بیوی کمائیں، جاب کریں تو ہی ایک اچھا لائف اسٹائل مین ٹین کیا جاسکتا ہے۔ بس اللہ کرے وہ لوگ ہاں کہہ دیں، اچھا میں نکل رہی ہوں اسکول کے لیے تم خالہ کو ناشتہ دے دینا پوچھ کر جو بھی وہ کہیں۔'' زینب کہہ کر باہر جانے لگی۔

''آپ تو ناشتہ کر کے جائیں خالی چائے پی کر جا رہی ہیں آنی!''

وہ قدرے فکرمندی سے پکاری۔

''میرا بالکل بھی دل نہیں ناشتے کو۔ اسکول میں کچھ لے لوں گی تمہیں آج جانا ہے یونیورسٹی؟''

وہ جاتے جاتے رک کر پوچھنے لگی۔

''دیکھوں گی۔ شاید چلی جاؤں شاید نہ جاؤں۔'' وہ خود بھی جیسے کنفرم نہیں تھی۔ سر ہلا کر آملیٹ فرائی پین سے پلیٹ میں نکالنے لگی۔

''بہرحال جاؤ یا نہیں، پلیز اپنا فون آن رکھا کرو، میری اب ایسی عمر نہیں ہے کہ میں کوئی بھی اتنا شدید اسٹریس لے سکوں۔ کل تم نے مجھے جی بھر کر پریشان کیا ہے۔'' زینب ناراضی سے کہتی ہوئی باہر نکل گئی اور کشف ناشتہ میز پر رکھ کر جیسے خالی خالی سی بیٹھ گئی۔

اسے کل کا اتنا بڑا واقعہ خواب کی طرح لگ رہا تھا۔

اسے لگ رہا تھا یہ سب اس کا وہم ہے، کوئی دل پسند خیال جو بس یونہی اس کے دل میں آیا تھا۔

اس کا میز پر پڑا فون مدھر ٹون میں بجنے لگا۔

''رات کو نیند آ گئی تھی؟'' اس نے کال ریسیو کی تو چھوٹتے ہی اس نے کانوں میں سرگوشی کی طرح کہا۔

''اور میں پوری رات سو نہیں سکا۔'' کاش میں کل تمہیں نہ جانے دیتا۔''

اور کشف کو یقین ہوگیا۔ وہ سب خواب نہیں تھا۔

☆☆☆

UUNOVELS.COM

''تم خود گئی تھیں سلیمان سے ملنے؟'' سونیا ششدر سی اسے دیکھے جا رہی تھی۔
''تو اور کیا کرتی؟ مجھے لگ رہا تھا اگر میں اس سے جا کر نہیں ملی تو میرا دماغ پھٹ جائے گا۔''
وہ بے بسی سے ماں کو دیکھ کر بولی۔
رات سلیمان نے بات خود پر لے لی تھی کہ وہ ردا کو اپنی ماں سے ملوانے لے گیا تھا۔
حالانکہ یہ بات ناقابل یقین سی تھی کہ رات سونیا اور آزر سلیمان کو شائستہ کے پاس چھوڑ کر آئے تھے تو وہ ان کے گھر پہنچنے سے پہلے ردا کو ساتھ کیسے لے جا سکتا ہے۔
لیکن اس بے یقین سی بات پر یقین کر لینے کے سوا کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔
دونوں میاں بیوی خاموشی سے مان گئے۔
ان کے لیے یہی بات کسی معجزے سے کم نہیں تھی کہ ردا بحفاظت، گھر واپس آ چکی ہے۔
''اب تو صرف تین ہی دن رہ گئے تھے۔ اس کی رخصتی میں سوا نہیں خیر و عافیت سے گزرنا چاہیے۔
اب تم ردا کو ایک منٹ کے لیے بھی اکیلا نہیں چھوڑو گی۔ میں مزید کوئی رسک نہیں لے سکتا۔''
رات جب وہ سونے کے لیے کمرے میں آئی تو آزر نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ وہ خاموشی سے سر ہلا کر پلٹ گئی۔
اس نے رات سوئے بغیر گزار دی۔
کبھی ردا کو سوتا دیکھتی اور کبھی اپنی بے قراری کو حالانکہ اس کے یوں کمرے میں آ کر سونے پر ردا کی آنکھوں میں جو کچھ تھا سونیا اس سے صاف نظریں چرا گئی۔
''آپ کو پاپا نے کہا ہوگا کہ میرے روم میں سوئیں جا کر۔'' لیٹتے لیٹتے بھی وہ ماں کو جتا گئی تھی۔
سونیا نے کوئی جواب نہیں دیا۔
''پھر بات ہو گئی تمہاری سلیمان سے؟'' سونیا کچھ بے چینی سے پوچھنے لگی۔ ردا نے افسردگی سے نفی میں سر ہلایا۔
''پتا نہیں اس کے دل میں کیا ہے۔'' پیلے رنگ کے لباس میں اس کے چہرے کی رنگت بھی ہلدی ہو رہی تھی۔
سونیا کو بیٹی پر بے تحاشا پیار آیا۔
''پتا نہیں میری بیٹی کو کس کی نظر کھا گئی ہے، خوشیاں اسے راس ہی نہیں آ رہیں۔'' وہ دل میں سوچ کر رہ گئی۔
''اس نے فرحان کے متعلق تو کوئی بات نہیں کی؟'' وہ خدشہ زبان پر لاتے ہوئے پوچھنے لگی۔
''نہیں۔'' وہ اسی طرح زرد تھی۔
''تم نے خود بھی کچھ نہیں پوچھا؟'' سونیا کو قرار نہیں آ رہا تھا۔
''پوچھا تھا۔'' وہ سر جھکا کر اپنے ناخن کھرچنے لگی۔
''اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور ماما! میں مزید نہیں پوچھوں گی اور کتنی اپنی انسلٹ کراؤں اگر اس نے کوئی فیصلہ کر لیا ہے تو میں کیا کر سکتی ہوں۔'' اس کے چہرے پر دبا دبا غصہ تھا۔
''یوں نہ کہو۔'' سونیا بے ساختہ بولی۔ ''بیٹا عورت کا محبت بھرا لہجہ بہت کچھ بدل سکتا ہے۔'' وہ ملتجی لہجے میں بولی۔
''ماما اسے محبت بھرے لہجے کی نہیں۔ یقین بھری وضاحتوں کی یا شاید قسموں کی ضرورت ہے یا شاید اس کی بھی نہیں۔''
وہ عجیب بے یقینی، ناامیدی میں گھری ہوئی تھی۔
''میں کروں سلیمان سے بات۔'' وہ سوچ کر بولی۔

UUNOVELS.COM

''پہلے بھی آپ کو منع کیا تھا آپ نے ایسا کچھ نہیں کرنا۔ اور ماما! اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں۔ اسے جو بات کرنا ہوگی، مجھ سے ہی کرے گا۔''

''ردا! تین دن تو رہ گئے ہیں۔ سوچتی ہوں تو میرا دل بیٹھتا ہے بچے۔'' سونیا دہل کر بولی۔

''کیا فرق پڑتا ہے ماما جو ہونا ہوگا ہو جائے گا۔'' وہ گہرا سانس لے کر دیوار سے ٹیک لگا کر چھت کو دیکھنے لگی۔

''یوں بھی میرے ساتھ کہیں کچھ اچھا ہوا ہے جو میں اچھے کی امید رکھوں۔'' وہ واقعتاً بہت ڈپریس تھی۔

سونیا کو ڈر سا لگا۔

''کچھ نہیں ہوگا، میرا دل کہتا ہے ردا اگر اس نے کچھ ایسی ویسی بات کرنی ہوتی تو وہ کر چکا ہوتا، بہت محبت کرنے والا، سمجھ دار بچہ ہے اِن شاءاللہ کچھ نہیں ہوگا۔'' وہ بیٹی کو تسلی دے کر بولی۔

''اللہ کرے ماما!'' وہ ہونٹوں میں بولی۔

''تم نے ۔ پارلر جانا تھا نا رمشا کے ساتھ۔'' سونیا اس کا دھیان بٹانے کو بولی۔

'' ماما! کل چلی جاؤں گی ۔ میں اکیلا رہنا چاہتی ہوں۔ پلیز۔'' وہ کسی دوسرے موڈ میں تھی۔

''ایسا نہ کہو ردا! میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔'' سونیا فکرمند سی ہو کر بولی۔

''میں نے تو حتی الامکان کوشش کی، آپ کو پریشان نہیں کروں اور جو چیز میرے بس میں نہیں شاید اس پر میرا اختیار بھی نہیں۔ ہو سکے تو ماما مجھے معاف کر دیجیے گا۔ میں نے واقعی انجانے میں آپ کو، پاپا کو بہت دکھ دیا۔''

اس کی آنکھوں میں نمی سی آ گئی تھی۔

سونیا نے بے اختیار اسے اپنے گلے سے لگا لیا۔

''ایسی بات نہیں کرو ردا! ردا تم نے مجھے، اپنے باپ کو ایسی خوشیاں دی ہیں جو شاید ہماری کوئی دوسری اولاد ہمیں نہ دے سکے۔'' وہ اسے تسلی دینے کو اپنے ساتھ چمٹا کر کہنے لگی۔

''حمزہ کہاں ہے ماما؟'' وہ بڑی سہولت سے ماں سے الگ ہوئی تھی۔

''پتا نہیں۔ مجھے تو اس کی کوئی خبر نہیں نہ شاید اسے کوئی پروا رہی ہے ہماری۔'' سونیا دکھی سی ہو گئی۔

☆☆☆

''ہرگز نہیں۔ تم ابھی آنی کو کچھ نہیں بتاؤ گی۔'' موحد نے سخت لہجے میں اسے تنبیہ کی۔

وہ استحقاق بھرے انداز میں بات کرتے موحد کو دیکھ کر رہ گئی، اسے آج گھر سے نہیں نکلنا تھا۔

لیکن موحد نے اسے یہاں آنے کو کہا۔

اور اب تو اسے یہ بھی دھڑکا تھا جس طرح کل بلال نے اسے موحد کے ساتھ دیکھ لیا تھا اگر آج بھی کسی نے دیکھ لیا۔

وہ آج خلاف معمول چادر میں لپٹ کر آئی تھی۔

موحد نے اسے اپنے اپارٹمنٹ میں بلایا تھا۔ اسے یہاں آنے سے عجیب سی گھبراہٹ ہوئی تھی۔

اس نے طبیعت کی خرابی کا کہہ کر موحد کو اس بلڈنگ سے کچھ فاصلے پر بنے ریسٹورنٹ میں بلا لیا۔

موحد نے اسے بڑی خوب صورت سی انگوٹھی پہنائی تھی۔

''میں تو چاہتا تھا، تمہارے ساتھ جا کر تمہاری پسند کی رنگ خریدتا لیکن مجھے لگا تم مجھے ابھی منع کر دو گی اسی لیے میں یہ خود خرید کر لے آیا۔''

وہ انگوٹھی پہناتے ہوئے وضاحت سے بولا۔

UUNOVELS.COM

''کیونکہ مجھے فیل ہوا کہ ہمارا نکاح بھی ہو گیا اور میں نے تمہیں کوئی گفٹ بھی نہیں دیا۔''
وہ جانے کیا جتانا چاہ رہا تھا۔
''اس کی ضرورت نہیں تھی۔'' وہ انگوٹھی پر نظریں جما کر بولی۔
''تمہیں یہ اچھی نہیں لگی؟'' وہ کھردرے سے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔
''میں نے یہ تو نہیں کہا۔'' وہ جلدی سے بولی۔
دونوں ایک دم سے چپ ہو گئے۔
''کشف! تمہیں ایک بات بتاؤں، میں نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی۔ دراصل مجھے محبت کا مفہوم بھی پتا نہیں بلکہ سچ کہوں تو محبت مجھے کوئی بے وقوفی لگتی تھی بلکہ شاید مجھے محبت سے نفرت رہی ہے جو بھی مجھے اپنی محبت کا یقین دلاتا تھا۔ مجھے قطعی یقین ہو جاتا تھا کہ یہ دنیا کا سب سے جھوٹا شخص ہے۔'' وہ سانس لینے کے لیے رکا۔
کشف پلک جھپکے بغیر اسے دیکھتی جا رہی تھی۔
وہ جس جذبے کو نفرت سے جوڑ رہا تھا، وہ اسی محبت کی تلاش میں بھٹکتی پھر رہی تھی۔
''پھر تو آپ کو میرے بارے میں بھی یہی لگتا ہوگا۔'' اسے لگا یہاں بولنا ضروری ہے نہ چاہتے ہوئے بھی پوچھ بیٹھی۔
''تو پھر میں یہ رنگ کیسے خریدتا۔ اپنی شدید مصروفیت میں سے وقت نکال کر۔'' اس نے الٹا سوال کر ڈالا۔
''ایک بات پوچھوں؟'' کشف محتاط لہجے میں بولی۔
''ابھی کچھ نہیں پوچھو۔ پوچھنے اور جاننے کے آگے جا کر بہت موقعے آنے والے ہیں۔'' اس نے ویٹر کو ٹرے اٹھائے اپنی میز کی طرف آتے دیکھ کر کہا۔
''میں آنی سے یہ بات زیادہ دیر تک چھپا نہیں سکتی۔'' وہ کچھ دیر بعد بے چارگی سے بولی۔ وہ خاموشی سے جوس پیتا رہا۔
''وہ میرے لیے..... کوئی پرپوزل بھی آیا ہے تو.....'' وہ لب کاٹ کر خاموش ہو گئی۔
موحد اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دلچسپی سے دیکھنے لگا۔
''تو کوئی بات نہیں، تم بتا دو جا کر انہیں۔'' وہ آرام سے بولا۔
''کیا؟'' وہ شاکڈ سی رہ گئی۔ ''میں آنی کو جا کر یہ بتا دوں کہ میں نے آپ سے نکاح کر لیا ہے۔'' وہ ششدر سی تھی۔
''تو اس میں غلط کیا ہے۔'' وہ کندھے اچکا کر بولا۔
''بات غلط یا درست کی نہیں، یہ سب کہنا اتنا آسان نہیں۔ میں یہ نہیں بول سکوں گی۔'' وہ جیسے ہتھیار ڈال کر بولی۔
''تو مت کہو۔'' وہ بے نیازی سے بولا۔
کشف اسے دیکھ کر رہ گئی۔
وہ کتنی بے نیازی سے کہہ رہا تھا۔
''میں چھپا بھی نہیں سکتی زیادہ دیر تک۔'' وہ پھر سے بولی۔
''آپ.....'' وہ جھجک کر چپ ہو گئی۔
''کیا میں جا کر ان سے یہ بات کہوں۔'' وہ ابرو اچکا کر بولا۔
''فی الحال تو میرے لیے یہ ممکن نہیں۔ تم خود دیکھ لو جیسے بھی یہ سچویشن ہینڈل ہوتی ہے۔'' وہ بے نیازی

UUNOVELS.COM

سے اسنیکس کھانے لگا۔ کشف ساکت سی دیکھے گئی۔

☆☆☆

بہت ہی عجیب لمحات تھے یہ، میر منصور کے لیے۔

وہ دماغ پر بہت زور دیتا۔ تو بھی اسے ٹھیک سے یاد نہیں آ رہا تھا اور آخری بار اس سرزمین پر کب آیا تھا۔

یا شاید وہ جان بوجھ کر یاد نہیں کرنا چاہتا تھا۔

وہ آنکھیں کھولے بلکہ تقریباً آنکھیں پھاڑے جنم جنم کے ان جانے پہچانے مناظر کو دیکھ رہا تھا جو اتنے سالوں میں بھی اس کے لیے اجنبی نہیں ہو سکے تھے۔

''پاپا! یور کنٹری از سو بیوٹی فل۔'' ایما نے گاڑی کی کھڑکی سے باہر بھاگتے دوڑتے مناظر کو کسی فلم کی طرح دیکھتے ہوئے مغلوب سے لہجے میں کہا تھا۔

مگر منصور نے جیسے سنا ہی نہیں تھا۔

وہ پوری طرح سے باہر کی فضا میں جیسے گھل مل گیا تھا۔

وہ ایرپورٹ سے ہوٹل کی طرف جا رہے تھے۔

حالانکہ زریں نے ضد کی تھی، وہ انہیں اپنے آبائی گھر میں لے کر جائے مگر منصور نے منع کر دیا تھا کہ اتنے سالوں سے بند پڑا مکان کسی کھنڈر سے کم نہیں ہوگا۔

زریں نے اس کی بات پر یقین کر لیا۔

وہ منصور کی بے خود حالت کو دیکھ کر کچھ پریشان سی ہو رہی تھی۔ بے شک منصور کی تمام تر کمزوریاں ابھی تک زریں کے ہاتھ میں تھیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ منصور اب اپنی ''زمین'' پر تھا۔

''ایما! تم نے اپنے باپ کو ایک منٹ کے لیے بھی اکیلا نہیں چھوڑنا۔'' گھر سے چلتے ہوئے اور سفر کے دوران بھی یہ تنبیہ بھری سرگوشی اس نے کئی بار ایما کے کانوں میں کی تھی۔

وہ رضامندی سے سر ہلا دیتی۔

کیونکہ زریں جانتی تھی، یہاں بیٹھ کر منصور ضرور اس سے رسیاں تڑانے کی کوشش کرے گا۔

ہوٹل آ گیا تھا۔

منصور اب سامان اتروا کر ریسپشن پر بات کرتے ہوئے کمرے کی چابیاں لے رہا تھا۔

ایک لمبے سفر کی تھکان نے زریں کو جسمانی طور پر ہی نہیں، ذہنی طور پر بھی تھکا دیا تھا۔

اس کے برعکس میر منصور بالکل تازہ دم تھا۔

کسی کم عمر نوجوان کی طرح اس کی چال میں پھرتی اور نظروں میں شوخی سی تھی جو زریں کو پریشان کرتی جا رہی تھی۔

ہوٹل کے دونوں کمرے بے حد آرام دہ اور پر آسائش تھے۔ ان کا سامان کمروں میں لایا جا رہا تھا۔

''پاپا! ہمیں یہاں کتنے دن رکنا ہوگا۔'' ایمان اب کھڑکیوں سے باہر پھیلے ہوئے شہر کو دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

''اور پاپا مجھے وہاں جانا ہے وہ جو اتنے گھر نظر آ رہے ہیں، ان گھروں کے بیچ میں جانا ہے۔''

وہ اس پھیلی ہوئی آبادی کے بڑے بڑے گھروں کی طرف اشارہ کر کے اشتیاق بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''شیور میری جان! جائیں گے وہاں بھی۔''

منصور سامان اندر رکھواتے ہوئے بغیر دیکھے، لگاوٹ سے بولا۔

''پاپا! کتنے دن رکیں گے ہم یہاں۔'' وہ پھر اسی سوال پر آ گئی۔

''فی الحال تو ایک ویک کے لیے رکنا ہے ہمیں یہاں۔''
وہ ویسٹر کو فارغ کر کے کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے آرام دہ کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔
زریں بیڈ کے کنارے کسی مجسمہ کی طرح بیٹھی تھی۔
''میں نے ایک ہفتہ کہا ہے، ایک گھنٹہ نہیں۔'' وہ زریں کے بیٹھنے کے انداز کو دیکھ کر شوخی سے طنز کرتے ہوئے بولا۔
زریں نے ناراض نظروں سے اسے دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہیں کہا۔
''پاپا! ہم آپ کی سسٹر کے گھر کب جائیں گے۔ آئی مین ان کی بیٹی کی شادی میں۔ ہم انوائیٹڈ ہیں نا۔'' ایما کو یاد آ گیا۔
''انوائیٹڈ.....'' زریں زیر لب طنز سے بڑبڑائی۔
منصور اسے گھور کر رہ گیا جواب اپنے فون میں مصروف تھی۔
منصور الماری کھول کر اپنے ہینڈ کیری سے سامان نکال کر اس میں رکھنے لگا۔ وہ ذہن میں جلدی جلدی سوچ رہا تھا، اسے اب آگے کیا کرنا ہے۔

☆☆☆

فرح نے زینب کو خوش خبری سنائی تھی، وہ زینب سے ہضم نہیں ہو رہی تھی، دل چاہ رہا تھا کہ وہ اڑ کر گھر پہنچ جائے۔
چھٹی تک کا وقت اس نے بڑی بے صبری سے گزارا تھا۔
وہ چھٹی ہوتے ہی آفس سے اپنی چادر، بیگ سنبھالتی تیزی سے باہر نکلی اور ٹھٹک کر رک گئی۔
سامنے حیدر گاڑی لیے کھڑا تھا۔
اس کا دل بے اختیار پسیجا مگر دوسرے لمحے اس نے بے نیازی سے رخ پھیرتے ہوئے دوسری جانب جانا چاہا۔
''پلیز زینب! یہ سب نہیں کرو، گاڑی میں آ جاؤ۔ اسکول کے سامنے آ کر، اتر کر میں تم سے بات کروں گا تو شاید ٹھیک نہیں ہوگا، پلیز۔'' وہ اس کے سامنے آ کر نرم مدھم لہجے میں بولا تھا۔
یہ بات زینب بھی سمجھتی تھی سو بحث کرنا فضول تھا۔ وہ خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔
''آپ جانتے ہیں، نا یہ سب ٹھیک نہیں۔'' وہ گاڑی میں بیٹھتے ہی جتا کر بولی۔
''جواب تک ٹھیک کرتے رہے ہیں، اس کی کون سی شاباشی مل گئی۔ اس کے بدلے میں ذلت اور الزام ہی ملے ہیں نا۔'' وہ تلخی سے جواباً بولا۔
''تو اس کا یہ مطلب نہیں.....'' وہ تیزی سے بولنے لگی۔
''اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ ہم ان الزامات کو سچ ثابت کرنے کے لیے ایک دوسرے سے چھپنا شروع کر دیں جبکہ ہماری نیت صاف ہے۔'' وہ بات کاٹ کر بولا۔
''نیت کوئی نہیں دیکھتا حیدر صاحب!'' وہ بھی تلخی سے بولی۔
''صاحب!'' وہ استہزائیہ انداز میں اسے دیکھ کر رہ گیا۔
وہ سامنے سڑک کو یک ٹک دیکھتی جا رہی تھی۔
''زینب! مجھے اچھا نہیں لگ رہا ہے یہ سب۔''
''بات صرف میری نہیں ہے، میری ہوتی تو شاید میں سب کچھ فراموش کر دیتی۔ آپ کی..... خالہ کی خاطر لیکن جس طرح میری بیٹی کے کردار پر کیچڑ اچھالی گئی۔'' اس کا آواز بھرا گئی۔

UUNOVELS.COM

حیدر ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔
"کشف کو میں نے ہمیشہ اپنی بیٹی سمجھا ہی نہیں، مانا بھی ہے۔" وہ دکھی سی آواز میں بولا۔
"تو اس سے کیا ہوا۔" وہ ہنکارا بھر کر بولی۔
"میں نے ساری زندگی گھر کو بچانے کے لیے سمجھوتے کیے ہیں، اس بد دماغ، زبان دراز عورت کے ساتھ لیکن اب مجھے لگتا ہے، یہ سمجھوتے کرتے کرتے خود میری روح تک میں اتنی دراڑیں پڑ گئی ہیں کہ شاید میرے وجود کی عمارت کسی بھی دن ڈھے جائے گی۔"
زینب نے تڑپ کر اسے دیکھا۔
"پلیز حیدر بھائی! اس طرح نہ کہیں۔" اسے اس حساس شخص پر بے تحاشا ترس آیا تھا۔
"تو کیا کروں اور کتنا برداشت کروں۔" وہ چیخ کر بولا۔
"جہاں اتنا برداشت کر لیا، سہ لیا کچھ سال اور....."
وہ دھیرے سے بولی۔
حیدر نے شکایت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔
"کیا کچھ سال میں مزید سہ سکوں گا یہ سب کچھ۔" وہ حسرت بھرے لہجے میں بولا۔
"بلال کی شادی کر دیں گے۔" وہ کچھ دیر بعد قدرے ہلکے پھلکے انداز میں بولی۔
"تمہیں معلوم ہے۔ میرے گھر میں اب کوئی شادی کا نام بھی نہیں لینا چاہتا، ایک شادی جو اتنے سالوں سے جھٹکے کھاتی، لرزتی چل رہی ہے۔ بلال کو اس رشتے سے ہی نفرت ہو گئی ہے بلکہ شاید مجھے لگتا ہے ہم سب ذہنی مریض ہو گئے ہیں۔"
"وہ کیا کہتے ہیں لوگ، ایک عورت ہی گھر کو جنت بناتی ہے اور عورت ہی گھر کو دوزخ اور ہم اس دوزخ میں جلتے جلتے شاید راکھ ہو رہے ہیں۔"
زینب جو اتنے دنوں سے اس سے ناراض تھی، وہ اپنی بیوی کے سامنے زینب اور کشف کی حمایت میں بول نہیں سکا، اس بات پر وہ دل سے ناراض تھی اس سے.....اس کی حالت دیکھ کر اسے لگا شاید وہ غلطی پر تھی۔
انہیں اس سے ناراض ہونا چاہیے تھا جو خود اتنی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہا تھا۔
"آپ بات کریں ثمینہ سے، نرمی سے۔" وہ کچھ دیر بعد نرمی سے بولی۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔
"اتنے سالوں سے تمہیں کیا لگتا ہے، میں نے کبھی اس سے بات نہیں کی ہو گی۔" وہ لاجواب سی ہو گئی۔
"اماں تمہاری طرف ہیں اور میں ان سے ملنے، ان سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہا، وہ اتنے سالوں سے میرے گھر میں رہتے، ذلت سے دوچار ہوتی تھیں۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں، تم نے کچھ دن انہیں اس برزخ سے نکالا۔"
"آپ ایسے نہ کہیں غلطی میری بھی ہے۔ ان کا مجھ پر بھی حق ہے، سگی بھانجی ہوں میں ان کی۔" وہ تسلی دینے والے انداز میں بولی۔
"جب سگا بیٹا حق ادا نہیں کر سکا تو تم کیا کرو گی۔ بس ہو سکے تو اماں سے کہنا، مجھے معاف کر دیں۔"
اس نے ڈنر ٹیبل بورڈ سے ایک لفافہ نکال کر زینب کے سامنے رکھ دیا۔
"یہ کیا ہے؟" وہ قطعاً نہیں سمجھی۔
"اماں کو دے دینا، میں جس دن ہمت کر سکا، ان سے ملنے آؤں گا۔" وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا۔
"حیدر بھائی! کیوں اتنا اسٹریس لے رہے ہیں، ایک بار خالہ سے مل لیں آ کر۔ ماں کی شفقت آپ کے

UUNOVELS.COM

بہت سے دکھوں کا مرہم بن جائے گی۔'' وہ حیدر کی حالت دیکھ کر حقیقتاً بہت افسردہ تھی۔
''نہیں، ابھی نہیں۔'' وہ قطعی لہجے میں بولا۔
زینب کے اترنے کی جگہ آ گئی تھی۔
گاڑی رک چکی تھی مگر وہ منتظر تھی شاید حیدر کا دل ماں کے لیے پگھل جائے۔
''پھر کب آئیں گے؟'' وہ گہرا سانس لے کر اتر گئی، کھڑکی میں جھک کر پوچھنے لگی۔
''جس دن اس عورت کو طلاق دوں گا، اسی دن آؤں گا۔'' کہہ کر وہ زینب کے ساکت چہرے کو دیکھے بغیر تیزی سے گاڑی آگے لے گیا۔
وہ وہیں کھڑی دور جاتی گاڑی کو دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟'' آزر کو سونیا کی بات سنتے ہی غصہ آ گیا۔
سونیا اس کا ردعمل جانتی تھی مگر وہ کہے بغیر رہ نہ سکی۔
''اس میں حرج کیا ہے آزر؟'' وہ بے چارگی سے بولی۔
''میں تمہاری بھتیجی اور بھاوج کو لینے، ان کی منتیں کرنے جاؤں کہ میری بیٹی کی شادی ہے۔ تم نے ایسا سوچا بھی کیسے۔''
وہ بھڑک اٹھا تھا۔
سونیا جانتی تھی۔ ایسا ہی ہوگا لیکن وہ بھی کیا کرتی، اس کا دل کہہ رہا تھا۔ کچھ جو غلط ہوا تھا۔ جس کا بدلہ ردا کے سامنے آ رہا تھا۔ اسے اس غلط کو ٹھیک کرنا ہے۔
''منتیں کرنے کو کون کہہ رہا ہے۔'' وہ نرمی سے بولی۔
''مائی فٹ! میں کیوں جاؤں ان سے کہنے کے لیے۔''
وہ غرور اور حقارت سے بولا۔
سونیا کو بہت خوف آیا۔ اس کا یہ گھمنڈ کہیں اس کے لیے اتنی بڑی سزا نہ بن جائے۔ جس کی لپیٹ میں ان کے بچے بھی آ جائیں۔
بلکہ آ تو چکے تھے۔ اسے تو لگتا تھا، حمزہ ان سے جتنا دور چلا گیا ہے شاید اب وہ کبھی ان کے قریب نہیں آ سکے گا۔
''پلیز آزر! اس طرح نہیں بولیں۔ عاجزی اللہ کو پسند ہے، وہ اس کے بدلے میں بڑے انعام دیتا ہے۔''
سونیا کو سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا وہ اس اڑیل انسان کو کیسے، کس دلیل سے سمجھائے۔
''بڑا انعام تم جیسی چھوٹی سوچ والی عورت کو چاہیے ہوگا۔ مجھ پر اللہ کے بڑے انعام ہیں کیونکہ میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ اس لیے بہتر ہوگا تم یہ فضول کے انقلابی خیالات اپنے دماغ سے نکال دو اور شادی کی تیاری کرو وقت ہی کتنا رہ گیا ہے۔''
وہ نخوت سے ناک چڑھا کر فون میں کسی کا نمبر تلاش کرنے لگا اور سونیا کو پتا چل گیا۔ وہ اب کسی کی بات نہیں سنے گا اماں جان کے سوا اور اگر انہیں سونیا کی اس فرمائش کا پتا چل گیا تو اسے کھڑے کھڑے ذلیل کر دیں گی۔
''پاپا! کوئی ملنے آیا ہے باہر۔ کبیر چچا گیٹ پر پوچھ رہے ہیں۔'' رمشا اندر جاتے ہوئے آذر سے کہہ گئی۔
''ہاں۔ وہ بابر کو بلایا تھا میں نے ضروری کام سے، وہی ہوگا۔'' وہ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔
سونیا اسے جاتا دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

UUNOVELS.COM

"آنی..... آنی کیا ہوا ہے۔ کیا ہو گیا ہے۔"
کشف جو موحد کی باتوں میں الجھی سست روی سے الماری سے کپڑے نکال کر بدلنے جا رہی تھی، زینب اسے پیچھے سے آ کر لپٹتے ہوئے پیار کرنے لگی۔ وہ جھنجلا کر رہ گئی۔
اور زینب نے ہاتھ میں پکڑا مٹھائی کا ڈبہ کھول کر اس کا منہ گلاب جامن سے بھر دیا۔
"پرموشن ہو گئی ہے نا آپ کی۔" وہ بمشکل گلاب جامن نگل کر بولی۔
"توبہ ہے پوری ٹھونس دی آپ نے بھی۔"
"ہاں ہو گئی ہے میری پرموشن اور تمہاری بھی۔" کشف نے زینب کو اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا تھا۔
"کیا ہوا، کوئی لاٹری لگ گئی ہے آپ کی۔" وہ زینب کی ہنسی سے کچھ ٹھٹکی تھی۔
"مدثر کے گھر والے۔ آئی مین اس کی بہن نے تمہیں پسند کر لیا ہے، دو دن بعد وہ لوگ منگنی کرنے آ رہے ہیں سادگی سے، بہت خوش ہوں میں۔"
کشف حق دق سی زینب کو دیکھ رہی تھی۔
"بہت خوش قسمت ہے میری بیٹی، ارے ایسا رشتہ تو لوگ چراغ لے کر ڈھونڈتے ہیں۔ سچی میں اتنی خوش ہوں۔ تمہیں بتا نہیں سکتی۔ خالہ جان کو بتا کر آتی ہوں کہیں نماز تو نہیں پڑھ رہیں۔"
وہ خوشی میں کشف کا چہرہ دیکھے بغیر اندر چلی گئی۔
اور کشف وہیں کھڑے کھڑے نڈھال سی کرسی پر گر گئی۔
یہ سب تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ اتنی جلدی ہو جائے گا۔
"دو دن بعد منگنی....." اس کے کانوں میں زینب کی خوشی بھری آواز گونجی تو جیسے جسم میں کرنٹ سا دوڑ گیا۔
اس نے جلدی سے بیگ میں سے فون نکالا۔
دو بار نمبر ملانے کے بعد موحد نے اس کی کال ریسیو کر لی تھی۔
"اوہ تو اتنی بے قراری بھئی میں تو سمجھ رہا تھا۔ صرف میرا ہی ایسا برا حال ہے جو تمہارے جانے کے بعد ہوتا ہے مگر نہیں، وہ کیا کہتے ہیں آگ ہے دونوں طرف برابر لگی ہوئی۔" وہ شوخی سے کہہ رہا تھا۔
"پلیز مذاق نہیں کریں۔ میرا جو پرپوزل آیا تھا، میں نے بتایا تھا ناں آپ کو....." وہ بھنچی آواز میں بولی۔
"ہاں تو کیا ہوا؟" وہ بے پروائی سے بولا۔
"وہ لوگ دو دن بعد منگنی کرنے آ رہے ہیں۔" وہ سخت پریشان تھی۔
ہاں تو کیا ہوا کر لو منگنی..... منگنی تو اچھی چیز ہوتی ہے۔" وہ جیسے ہنسا تھا۔ "منگنی کرنے میں کیا حرج ہے۔"
کشف کے ہاتھ سے جیسے فون چھوٹ کر جھولی میں گر گیا۔
"یہ..... یہ موحد کہہ رہا تھا، منگنی کرنے میں کیا حرج ہے۔"
اس کے کان سائیں سائیں کرنے لگے۔
باہر سے آتی زینب اور صالحہ کی خوشی بھری آوازیں جیسے اس کی سماعتوں کو چھید رہی تھیں۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

☆☆☆

"میں میر منصور سونیا کا بھائی۔" آزر سامنے کھڑے منصور کو دیکھ کر ساکت رہ گیا تھا۔
منصور نے اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے تعارف کرایا۔
ظاہر ہے درمیان میں اتنے سارے سال تھے چہرے ہی نہیں ظاہری طور پر بھی بہت کچھ بدل گیا تھا۔
اور سونیا جو آزر کے پیچھے آ رہی تھی کہ اسے طاہرہ بیگم بلا رہی ہیں چہرے اور بہت کچھ بدلنے کے باوجود

UUNOVELS.COM

ایک ہی نظر میں گیٹ کے پاس کھڑے میر منصور کو پہچان گئی تھی۔
وہ لمحہ بھر کو ساکت ہوئی تھی۔
اس سے پہلے کہ آذر منصور کا ہاتھ مصافحہ کے لیے تھامتا..... سونیا گویا اڑتی ہوئی اس کے گلے جا لگی تھی۔
اس کے حلق سے بڑی بھیانک درد بھری آوازیں نکلی تھیں۔
''بھائی..... میرو..... میرے بھائی۔''
جانے اسے کیا ہو گیا تھا۔ وہ یوں بے قراری سے اس سے لپٹے روئے جا رہی تھیں جیسے وہ مرنے کے بعد زندہ ہو کر آ گیا ہو۔
واقعی وہ اتنے سالوں بعد زندہ ہی ہو کر آیا تھا اور وہ جو سونیا سمجھ رہی تھی کہ اسے منصور سے اب کوئی غرض نہیں جس نے کبھی بھائی ہونے کا حق ادا نہیں کیا اور وہ اس کو بھول چکی ہے۔
اگر وہ سامنے آ بھی گیا تو وہ اسے نظر بھر کر دیکھے گی بھی نہیں۔
اور چند دن پہلے ردا کے نکاح پر جب اس نے آنے سے انکار کر دیا تھا تو وہ کتنا خوش ہوئی تھی کہ اچھا ہے وہ نہیں آ رہا۔
اور اب..... اب تو جیسے وہ دیوانی ہو گئی تھی۔
کیا یہ خون کے رشتے کی کشش تھی یا اس کے اندر اتنے دکھ جمع ہو گئے تھے جو کسی اپنے کو دیکھ کر آتش فشاں کے لاوے کی طرح پھوٹ نکلے تھے۔
منصور بھی رو رہا تھا۔
مگر سونیا کی حالت سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی۔
اس کی چیخوں سے ردا، رمشا حتیٰ کہ اپنے کمرے میں بند حمزہ بھی باہر نکل آیا تھا اور تو اور سونیا کی آواز نے طاہرہ بیگم کا بھی دل دہلا دیا تھا۔ وہ غصے میں بل کھاتی سونیا کو روکنے کے لیے ہانپتی کانپتی باہر نکل کر آئیں۔
''شادی کے دنوں میں یہ کون بدشگونی پھیلا رہا ہے۔'' اور سونیا کو منصور کے گلے لگ کر روتے دیکھ کر وہ بھی اپنی جگہ گنگ سی رہ گئیں۔

☆☆☆

زریں واش روم سے نکلی تو ایمان کو سوتے دیکھ کر اس کو غصہ سا آیا۔ چار گھنٹے ہو گئے تھے اس لڑکی کو سوتے ہوئے۔
''منصور! اب تو ہم جا سکتے ہیں تمہاری بہن سے ملنے کے لیے آدھا دن آرام کر لیا ہے سب نے..... ایما اٹھو۔''
وہ گیلے بال جھاڑتی کھڑکیوں سے پردے ہٹاتی دونوں کمرے کے درمیان والے دروازے کو ذرا سا دھکیل کر اندر دیکھتے ہوئے اونچی آواز میں بولی۔
اندر بیڈ روم خالی تھا۔
''منصور!'' وہ ڈر سی گئی۔
''آپ نے باتھ لے لیا؟'' ایما جمائی روکتے ہوئے بھاری آواز میں بولی۔
''یہ..... یہ تمہارے پاپا کہاں ہیں؟'' زریں پریشان ہو چکی تھی۔
''یہیں تھے ابھی تو۔'' وہ لاپروائی سے بولی۔
''ابھی کی بچی تم پورے چار گھنٹے سوئی ہو۔'' وہ دانت پیس کر رہ گئی۔ ''اور میں نے تم سے کہا تھا کہ اس شخص کے ساتھ سائے کی طرح رہنا۔''

UUNOVELS.COM

جانے اسے کیوں لگا کہ منصور ہمیشہ کے لیے انہیں یہاں ہوٹل کے اس کمرے میں چھوڑ کر چلا گیا ہے۔
''افوہ میں کیا اب سوتی بھی نہیں۔ اتنی تھکاوٹ ہو رہی تھی۔'' ایما کوفت سے بولی۔
''وہ چلا گیا ہے ایما! ہمیں چھوڑ کر چلا گیا ہے۔'' وہ نڈھال سی کرسی پر بیٹھ کر رونے لگی۔
''ماما! کیا ہو گیا ہے کون چلا گیا ہے۔ کیوں اس طرح رو رہی ہیں۔'' ایمانا سمجھی سے بولی۔
''تمہارا باپ چلا گیا ہے ہمیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر۔ وہ یہاں آیا ہی اس مقصد کے لیے تھا۔'' وہ گرج کر بولی اور پھر سے رونے لگی۔
ایما کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ماں کیوں رو رہی ہے۔
وہ کیوں جائیں گے ماما! ہمیں چھوڑ کر باہر گئے ہوں گے، کچھ دیر کے لیے۔ آپ فون کریں انہیں، ابھی آ جائیں گے۔ میں کرتی ہوں کال۔'' وہ کہہ کر منصور کا نمبر ملانے لگی۔
دوسرے لمحے اس نے فون کان سے ہٹا دیا۔
''پاپا کا فون بند ہے ماما!'' وہ کچھ پریشان ہو کر بولی۔
''اسی دن کا تو اسے انتظار تھا۔ میں جانتی تھی۔'' وہ پھر رونے لگی دوسرے لمحے اس کے چہرے پر غصہ چھلکنے لگا۔
اس نے فون اٹھا کر کوئی نمبر ملایا۔
''موحد! میں زریں ہوں تمہاری ماں..... یہاں پاکستان سے بول رہی ہوں۔''
رابطہ ملتے ہی اس نے کہا۔
ایمان گم صم سی ماں کو دیکھے جا رہی تھی۔ جواب نا معلوم کیا کرنے جا رہی تھی۔

☆☆☆

سونیا کی حالت سنبھل چکی تھی۔
اب وہ بھائی کی خاطر مدارت کر رہی تھی۔
منصور آزر سے، بھانجے، بھانجیوں سے خوش گوار موڈ میں باتیں کرتے ہوئے بہن کے محبت بھرے انداز کو دیکھے جا رہا تھا۔
''یہ تھیں وہ محبتیں جن سے اس نے خود کو محروم کر رکھا تھا۔'' اس نے دل میں سوچا۔
اس کے سامنے چائے کی میز بھری ہوئی تھی جن پر کھانے کی بے شمار چیزیں تھیں مگر منصور کو صرف سونیا کے قریب آ کر بیٹھنا اچھا لگ رہا تھا۔
آزر کسی کا فون سننے کے لیے باہر چلا گیا۔
طاہرہ بیگم نماز پڑھنے کے لیے اٹھ کر چلی گئیں۔
''تمہاری بیوی اور بچے نہیں آئے ساتھ؟'' اس کی پلیٹ میں کباب تکے اور چٹنیاں ڈالتے ہوئے سونیا نے مدھم لہجے میں پوچھا۔
''آئے ہیں۔'' وہ مختصراً بولا۔
سونیا نے چونک کر اسے دیکھا پھر یونہی سر ہلا دیا۔
''زینب ٹھیک ہے ناں۔ میں جا رہا ہوں اس سے ملنے۔'' وہ ذرا دیر بعد جوش سے بولا۔ تو سونیا کے ہاتھ سے ساس سے بھرا ہوا چمچہ نیچے گر گیا۔
وہ متوحش نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

☆☆☆

UUNOVELS.COM

''آپ لوگوں کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔'' موحد زریں کی منت سماجت کے بعد ہوٹل میں ملنے کے لیے آیا تھا..... زریں اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''تمہیں ہمارا یہاں آنا برا لگا ہے۔'' وہ غصہ دبا کر بولی۔ ایما واش روم میں تھی۔

''سچ کہوں تو اچھا بھی نہیں لگا۔'' وہ صاف گوئی سے بولا۔

''کیوں اچھا نہیں لگا؟'' وہ درشتی سے بولی۔

وہ جواب میں خاموش ہو گیا۔

''کتنے دنوں کے لیے ہیں یہاں آپ لوگ؟'' وہ چند لمحوں بعد وہ پوچھنے لگا جو اسے آتے ہی پوچھنا تھا۔

''جتنے بھی دن ہیں، میں اور ایما تمہارے ساتھ رہنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ منصور ہمیں چھوڑ کر چلا گیا ہے۔''

زریں قطعی لہجے میں بولی تھی۔

''کیا مطلب؟'' وہ ابرو اچکا کر بولا۔

''ماں اور بہن سے ساتھ رہنے کا مطلب پوچھو گے؟ تمہارا کوئی فرض ہے یا نہیں؟'' وہ غصے میں چلائی۔

''نہیں۔'' وہ ایک دم سے کہہ کر اٹھ کر باہر نکل گیا۔

☆☆☆

''زینب یہاں نہیں ہے منصور، وہ کسی دوسرے ملک گئی ہے، وہ باہر ملکوں میں جاتی رہتی ہے۔''

وہ سب کچھ سن کر حیران سا تھا۔

''اور اب وہ والی زینب نہیں ہے جسے تم چھوڑ کر گئے تھے۔ اس سے ملنے کا خیال دل سے نکال دو۔ تمہاری بیوی ہے، بچے ہیں اب بھول جاؤ اس کو۔''

سونیا اسے باہر چھوڑنے آئی تھی اور آہستہ آہستہ افسردہ سی اسے بتاتی جا رہی تھی۔

''اسے بھولنا میرے بس میں ہوتا تو میں یہاں واپس آتا ہی نہیں۔'' وہ سچ بولنے سے خود کو روک نہیں سکا۔

''پہلے بھی تم نے اس کی زندگی تباہ کی، اب پھر کرو گے بلکہ میں تو کہتی ہوں، خود اپنی گرہستی بھی خراب کرو گے۔ دو دن بعد شادی ہے، اس میں شامل ہو کر واپس چلے جاؤ۔'' وہ جو کچھ دیر پہلے اس سے گلے مل کر دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔ وہی بہن اب اسے دو دن رک کر واپس جانے کے لیے کہہ رہی تھی۔

وہ یہاں نہیں ہے یہ جاننے کے بعد بھی وہ خود کو اس سال خوردہ گھر کے دروازے کے سامنے جانے سے نہیں روک سکا تھا۔ اتنے سال گزر گئے پھر بھی اس کے قدم بغیر رکے اسی دروازے کے سامنے جا کر رکے تھے۔ ابھی تو اس نے دستک بھی نہیں دی تھی کہ دروازہ ہوا کے جھونکے کی طرح کھلتا چلا گیا اور وہ دشمن اس کے سامنے کھڑی تھی اور وہ ششدر سا اسے دیکھے جا رہا تھا۔

☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

UUNOVELS.COM

زرقا سکندر

بات ہے دانائی کی

''اسماء کوئی خرچہ کررہی ہے بیٹی کی شادی پر کہ کیا بتاؤں، زبیر نے تو مانو خزانوں کے منہ کھول دیے ہوں۔ کپڑا جوتے زیور سب کچھ ڈیزائن والوں سے بنوایا ہے۔ خالی ساٹھ ہزار کا تو میک اپ ہی کروائے گی اپنی ردا۔''

دادی جب سے بڑے بیٹے کے گھر سے ہو کر آئی تھیں۔ بس ادھر کی باتیں ہی کیے جارہی تھیں۔ بچے بڑے سب ارد گرد جمع انہیں سننے میں محو تھے۔

''خود اسماء نے بھی ڈیزائن والی ساڑھی لی ہے۔''

''اچھا تو پھر ہماری تائی جان ڈیزائنر ساڑھی پہن رہی ہیں۔ واہ جی واہ۔''

''ہاں ہاں بالکل ایسا ہی کچھ نام لے رہی تھی وہ۔'' حرا کے بیچ میں بول اٹھنے سے یکدم دادی کو بھی یاد آ گیا۔ ''پورے ایک لاکھ کی بنی ہے۔'' وہ ساتھ میں اس کی مالیت بتانا نہ بھولی تھیں۔

''بیٹی کے ساتھ ساتھ ماں نے بھی اپنے جوڑے جوتے سب کچھ ڈیزائنر سے ہی بنوائے ہیں۔''

دادی کا پرجوش لب ولہجہ ان کی خوشی کا عکاس تھا۔

''پھر تو یہ کوئی عام شادی نہ ہوئی بلکہ ڈیزائنر شادی ہوگی سچ کتنا مزہ آئے گا نہ دادی۔''

ارمش اور حرا چہکتے ہوئے دادی سے پوچھنے لگیں۔

''کیوں نہیں، اللہ خیر کا وقت لائے۔''

جواباً انہوں نے بھی دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔

دادی تو ویسے بھی آج کل بڑی خوش تھیں۔ آخر کو ان کی دونوں پوتیوں ردا اور ارمش کی شادیاں آگے پیچھے ہونی طے پائی تھیں۔ بڑے بیٹے زبیر کا کاروبار اچھا تھا ان کی ایک بیٹی اور دو بیٹے تھے۔ اپنی اپنی پڑھائی مکمل کر لینے کے بعد بیٹے بھی باپ کے ساتھ کاروبار کو دیکھنے لگ گئے۔ یوں ان سب کی مشترکہ کوششوں سے کاروبار بڑھتا ہی چلا گیا اور آمدن بھی خوب ہونے لگی۔ جبکہ چھوٹا بیٹا فیضان حیثیت میں بڑے بھائی سے بہت کم تھا۔ ایک پرائیویٹ فرم میں ملازم تھا۔ اس کی بیوی نغمہ بھی گورنمنٹ اسکول میں ٹیچر تھی۔ چار بچوں میں ارمش بڑی تھی پھر بالترتیب حرا۔ صائم اور حنان تھے۔ ارمیش تو پڑھائی کر کے فارغ تھی۔ جب کہ باقی تینوں ابھی زیر تعلیم تھے۔

''شادی کارڈ چھپوانے میں ہی ڈیڑھ لاکھ لگے ہیں اور جس بندے نے تصویریں اتارنی ہیں سیدھے تین لاکھ تو اس کی جیب میں چلے جائیں گے۔ اب آگے سے خود حساب لگا لو میاں کہ باقی کاموں پر کتنا خرچا اٹھے گا۔''

دادی کو جیسے ہی کچھ یاد آتا فوراً سے سب کے گوش گزار کرنا نہ بھولتیں۔ شادی تو فیضان اور نغمہ کی بیٹی ارمش کی بھی ہو رہی تھی۔ اپنے تئیں وہ لوگ تیاریاں بھی کر رہے تھے مگر اس طرف کم ہی کسی کا دھیان تھا۔ بلکہ تمام خاندان کی نظریں اسماء اور زبیر کے گھر کی جانب مرکوز تھیں۔

☆☆☆

''مہندی کے کھانے کا سارا خرچا تو اسماء کے بھائیوں نے اپنے سر لے لیا ہے۔ زبیر بتا رہا تھا ردا کو فرنیچر بھی ننھیال والے ہی دے رہے ہیں۔ ہاں بھئی اسماء کو اور کیا چاہیے۔''

دادی کب سے فون سنبھالے بڑی پھوپھو کو تفصیلات بہم پہنچانے میں مصروف تھیں۔ ''سوچتی ہوں میرے فیضان کی تو اتنی پسلی نہیں ہے کہاں سے کرے گا سب کچھ۔''

UUNOVELS.COM

وہ سچ میں بیٹے کے لیے فکر مند ہوگئیں۔ ''یونہی بلاوجہ پریشان ہورہی ہیں اماں آپ! نغمہ بھابھی ایک سمجھ دار عورت ہیں اور اپنی حد میں رہ کر خرچ کرنا اچھی طرح جانتی ہیں۔ ارمش چھوٹی سی تھی تب سے ہی وہ اس کے لیے کچھ نہ کچھ پس انداز کرتی چلی آئی ہیں۔ دیکھ لیجیے گا کیسی اچھی طرح بیٹی کی شادی کریں گی۔''

ماں کو بیٹے کے لیے متفکر ہوتے دیکھ کر پھوپھو نے انہیں تسلی دی۔

وہ کہہ تو ٹھیک رہی تھیں اس لیے کہ نغمہ شروع سے ہی اپنی تنخواہ کا زیادہ تر حصہ کمیٹیوں میں دے دیا کرتی تھیں۔ پھر چاروں بچوں کے لیے الگ سے انہوں نے بنک میں اکاؤنٹ بھی کھلوا رکھے تھے۔ جہاں گاہے بگاہے پیسے جمع کرواتی رہتی تھیں۔

''یہ برینڈڈ چیزیں اور ڈیزائنر کے کپڑے ہمارے لیے وقتی طور پر ذاتی تسکین کا باعث تو ہوسکتی ہیں لیکن خوش نصیبی کی ضمانت ہرگز نہیں ہیں۔ اللہ پاک میری دونوں بھتیجوں کو سسرال کا سکھ عطا فرمائے اور خوش بختی سے ان کی جھولیاں بھری رکھے۔''

پھوپھو کی دعا پر دادی کے منہ سے صدق دل کے ساتھ آمین نکلا تھا۔

☆☆☆

''کیوں بھئی نغمہ بیگم! آج کھانے کو بھی کچھ ملے گا یا پھر ہمیں بھی اپنے ساتھ سوچوں کے سمندر میں غوطے کھلانے کا ارادہ ہے آپ کا۔''

فیضان اندر آئے تو نغمہ کو گہری سوچ میں کہیں کھوئے دیکھ کر بولے۔ ''نہیں بس دھیان ذرا ارمش کی شادی میں اٹکا ہوا تھا۔ میں روٹی بناتی ہوں آپ منہ ہاتھ دھو کر کچن میں آجائیں۔''

شوہر کی بات پر مسکراتی ہوئی وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور انہیں تاکید کرتی کچن کو چل دیں۔

''نغمہ! تم ارمش کی شادی کے اخراجات کو لے کر پریشان ہو نا؟''

UUNOVELS.COM

بیوی کے چہرے پر پھیلے تفکرات ان سے نہ چھپ پائے تو پوچھنے ان کے پیچھے ہی چلے آئے۔

نغمہ اس سوال پر سرد سی آہ بھر کے رہ گئیں۔ اور ہاتھ میں پکڑا آٹے کا برتن سلیب پر رکھتے ہوئے بولیں۔

"مہنگائی کے اس دور میں ضروری کام نبٹانے ہی مشکل ہو رہے ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا رکھوں اور کسے چھوڑوں۔ زبیر بھائی کے ہاں جس طرح شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں ہم لوگ تو دینا سوچ بھی نہیں سکتے۔"

بالآخر انہوں نے دل کی بات کر ہی دی، جسے سن کر فیضان کچھ پل کو خاموش ہو گئے اور پھر بولے۔ "وہ لوگ اپنی حیثیت کے مطابق سب کچھ کر رہے ہیں مگر میں بھی چاہوں تو آفس سے لون لے کر دوستوں سے ادھار پکڑ کر زبیر بھائی سے بھی بڑھ چڑھ کر کر سکتا ہوں لیکن دنیا سے واہ واہ کروانے کے لیے اپنی محنت کی جمع پونجی اڑانے کے حق میں بالکل بھی نہیں ہوں۔ ارمش کی شادی پر سب کچھ لٹا کر میں دوسرے بچوں کے ساتھ ناانصافی نہیں کر سکتا۔"

"سو فیصد متفق ہوں آپ سے لیکن کچھ اپنا شوق ہوتا ہے اور کچھ دنیا داری بھی رکھنا پڑتی ہے۔" نغمہ دھیرے سے ہمکلام ہوئیں۔

"تمہارا جو دل چاہتا ہے ارمش کے لیے بنواؤ اپنے اور بچوں کے کپڑے لے لو۔ پیسوں کی بالکل فکر مت کرنا مگر خیال رہے کہ ہمیں اپنی حد میں رہ کر سب کچھ کرنا ہے۔ تم دیکھنا کس شان سے میں اپنی بیٹی کی شادی کروں گا۔ اس کے لیے مجھے صرف اور صرف تمہاری سپورٹ چاہیے۔"

"فیضان مجھے آپ ہر موقع پر ہمیشہ اپنے ساتھ کھڑا پائیں گے۔"

☆☆☆

نم آنکھوں کے ساتھ نغمہ نے شوہر کے عزم پر اپنے تعاون کی مہر ثبت کی۔

ادھر بارات سے ایک ماہ پہلے ردا کی شادی کی تقریبات کا جو آغاز ہوا تو پھر تھمنے پر ہی نہ آیا ڈھولکیاں، سنگیت، برائیڈل شاور، قوالی نائٹ، ابٹن، مایوں اور نکاح جیسے فنکشن جن میں شروع میں خوشی خوشی شریک ہونے والے رشتہ داروں کا جوش و خروش بھی ماند پڑتا چلا گیا۔ سرد موسم میں رات گئے تک جاری رہنے والے ان فنکشنز نے انہیں اچھا خاصا بے حال کر دیا کچھ تو باقاعدہ بیمار پڑ گئے۔ جب کہ کمر اور گھٹنوں کی تکلیف کے باعث خود دادی بھی مشکل ایک دو بار ہی جا پائیں۔

رہی سہی کسر شہر سے باہر فارم ہاؤس میں ہونے والی مہندی کی اس تقریب نے پوری کر دی جہاں تک پہنچنے اور پھر رات گئے تک جاری رہنے والے اس فنکشن نے ہی سب کو اچھا خاصا تھکا کے رکھ دیا۔ وہ تو یہ شکر ہوا کہ اگلا روز آرام کا تھا ورنہ ان کی بارات میں شرکت مشکل ہو جاتی۔

رنگ و نور میں نہائے شہر کے مہنگے ترین مارکی میں اس وقت بارات کی تقریب جاری تھی۔ یہاں آج شہر کے امراء اور سیاست دانوں کی بھی کثیر تعداد مدعو تھی۔ بہترین میک اپ اور ڈھیر ساری جیولری کے ساتھ گولڈن لہنگے میں ردا بلاشبہ بہت ہی پیاری لگ رہی تھی۔ ہلکے آسمانی رنگ کی خوب صورت ساڑھی زیب تن کیے اسماء بھی غضب ڈھا رہی تھیں بارات آنے سے قبل انہیں اپنا فوٹو شوٹ مکمل کروانا تھا لہٰذا وہ کم ہی مہمانوں سے مل پائیں۔

"بھئی مان لیا زبیر اور اسماء بیٹی کو شہزادیوں کی طرح بیاہ رہے ہیں۔"

دادی کے ساتھ بیٹھی ایک رشتے دار خاتون جو غالباً زبیر اور فیضان کی چچی تھیں۔ ہال کے خواب ناک ماحول سے مرعوب ہوتے ہوئے بولیں۔

"تو اور کیا میرے زبیر نے اس ہال کو سجانے میں ہی لاکھوں خرچ کر ڈالے ہیں کہتا ہے اماں اس دن کے لیے ہی تو کماتا ہے انسان۔" ہال کا خرچہ بتا کر دادی نے چچی کی حیرت میں اضافہ کیا۔

بارات آنے کی دیر تھی کہ اتنا بڑا مارکی ہال بھی کم پڑ گیا ہزار سے اوپر کا مجمع ہو گا جو اندر جمع تھا۔

کھانا کھلتے ہی وہ ہڑبونگ مچی کہ الامان زبیر صاحب کی تمام تر توجہ اپنے سیاسی مہمانوں کی میزبانی پر مرکوز رہی۔ باراتیوں اور دیگر مہمانوں کو کم ہی دیکھ پائے۔

UUNOVELS.COM

اوپر سے ہال انتظامیہ بھی اونچی دکان پھیکا پکوان ثابت ہوئی۔ کسی ہاتھ پلیٹ آئی تو چمچہ ندارد، قورمہ ملا تو نان غائب کچھ ایسی ہی عجیب صورت حال تھی جس سے مہمان بے چارے دوچار رہے۔

تازہ کھانا تو شروع میں ایک بار ہی سرو ہوا اس کے بعد تو جیسے کئی بار کا گرم کیا گیا باسی کھانا ہی لایا جاتا رہا۔ پھیکا اور بے لذت کسی حد تک سرد، مرغ قورمہ اور پلاؤ جس میں بوٹیوں کا خاصا فقدان تھا۔ اور گاجر کا حلوہ ایسا باسی کہ بچوں اور بڑوں نے چکھتے ہی اپنی بھری پلیٹیں واپس رکھنے میں عافیت جانی۔ کھانے کے آخر میں پیش کی جانے والی کشمیری چائے ایسی نایاب رہی کہ اکثر مہمان ہی اس سے محروم رہے۔

بارات کا دن ان رشتہ داروں کے لیے خاصا مایوس کن رہا جو کب سے اس کے منتظر تھے اور تیاریوں میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر لگے رہے تھے۔

"بھئی جہان زیب نے دوسری چیزوں پر لاکھوں لگا دیئے کیا تھا جو کچھ رقم اور ڈال کے کم از کم کھانا تو اچھا پکوا لیتا، بیٹیوں نے تو خیر ساری زندگی لینا ہی ہوتا ہے لیکن باراتی تو ایک روز کو ہی آتے ہیں۔"

خاندان بھر کی عورتیں آج کل کچھ ایسے ہی بے لاگ تبصروں میں مصروف تھیں۔

"ارے تو اور کیا بن بلائے مہمانوں جیسا سلوک کیا ہے اسماء نے تو ہم سے۔"

کہیں دو عورتیں مل بیٹھیں، وہیں ردا کی شادی کا کھاتا کھل جاتا۔

☆☆☆

ٹھیک دو ہفتے بعد اب ارمش کی شادی تھی یہاں ایسے کسی لمبے چوڑے فنکشن کا کچھ تصور نہ تھا۔ ملازمہ کو ساتھ لگا کر کھانا بھی گھر پر ہی تیار کرلیا۔ دعا اور کھانے کے بعد وہیں لڑکیاں ڈھولک لے کر بیٹھ گئیں۔ نغمہ نے ارمش کو بھی بیچ میں لا بیٹھایا۔ مایوں ابٹن کی رسم بھی ادا ہوگئی۔ کیک چائے اور مٹھائی بھی ساتھ چلتے رہے اور خوب رونق لگی۔

اسی طرح مہندی کی تقریب کے لیے بھی اپنے گھر سے باہر گلی میں ہی شامیانے لگوا کر فیضان صاحب نے اسٹیج پر اچھی سی سجاوٹ کروالی۔ آس پڑوس دوست رشتہ داروں سمیت ارمش کی سہیلیاں بھی مدعو تھیں۔ اپنی زیر نگرانی پکوائے گئے حلیم چاول بے حد پسند کیے گئے مہمان تعریف کیے بنا نہ رہ پائے۔

فیضان ہال میں شادیوں کے سخت خلاف تھے۔

"یہ میرج ہال والے ایک تو اچھی خاصی رقم بٹور لیتے ہیں دوسرے پرانا اور باسی کھانا کھلا کر لوگوں کو بیمار کیے دیتے ہیں۔ میں کسی طور بھی اپنی بیٹی کی شادی میرج ہال میں نہیں کروں گا۔"

اس مقصد کے لیے گھر سے باہر مین روڈ پر ان کے ایک واقف کار کا پانچ یا چھ کنال کا ایک احاطہ خالی پڑا تھا جو فیضان نے ان سے چند روز کے لیے حاصل کرلیا تاکہ وہاں بارات کی تقریب کا انتظام کیا جاسکے۔ نسبتاً ایک اچھی کیٹرنگ کمپنی کی خدمات حاصل کرکے وہاں میرج ہال سے بھی زیادہ بہترین سجاوٹ کا کام کروالیا۔

صرف یہی نہیں آج کل کے مہنگائی کے اس دور میں جب لوگ بکرے کا گوشت پکانے کھانے کا نہیں سوچ سکتے

خواتین ڈائجسٹ

کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول

قیمت -/400 روپے

منگوانے کا پتہ:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

فیضان نے ارمش کی شادی کی تاریخ طے ہونے سے قبل ہی اپنے ایک دوست کی وساطت سے اس کے گاؤں سے پانچ چھ بکرے خرید کر وہیں رکھوا دیے یہ بکرے انہیں نہایت سستے داموں مل گئے تھے۔ خالص خوراک سے جو تھوڑے ہی عرصے میں اچھے خاصے صحت مند ہو چکے تھے۔

دونوں طرف کے ملا کر کل چار ساڑھے چار سو افراد کے لیے کھانا تیار کیا جانا تھا۔ اپنے چند دوستوں اور محلے کے کچھ لڑکوں کو ساتھ لگا کر فیضان نے ایک ٹیم بنالی اور سب کو ذمہ داریاں بانٹ دیں۔ بیٹی کا کام تھا اس لیے سب بخوشی ساتھ ہو لیے۔ دو دن کی بھاگ دوڑ تھی لیکن سب کے مل کر کام کرنے سے کسی ایک پر بھی بوجھ نہیں پڑا تھا۔

ایک طرف نگرانی میں کھانا پک رہا تھا، کوئی مہمانوں کے بیٹھنے کی جگہ کا انتظام دیکھنے پر مامور تھا عورتوں اور مردوں کے بیٹھنے کا انتظام علیحدہ ہی رکھا گیا۔ تصاویر اور ویڈیو بنانے والے فوٹو گرافر بھی پہنچ چکے تھے۔ یوں سب کے تعاون سے بارات آنے سے قبل تمام انتظامات مکمل تھے۔ بارات چونکہ دوسرے شہر سے آنی تھی اس لیے وہ لوگ مقررہ وقت پر پہنچ گئے۔

باراتیوں کا استقبال نہایت تپاک سے کیا گیا فیضان فرداً فرداً ہر باراتی سے ملے۔

سردی کی مناسبت سے پہلے تو سب کی تواضع گرم گرم سوپ سے کی گئی۔ رسم نکاح کے بعد کھانے کا دور تھا بھاپ اڑاتا خوش ذائقہ مٹن قورمہ اور خوب سارا مرغ ڈال کے پکائے گئے پلاؤ کی بات ہی کچھ اور تھی بادام کشمش اور کھوئے سے مزین تازہ خوش شکل گاجر کے حلوے پر سے نظریں نہ ہٹی تھیں۔ کولڈ ڈرنک سلاد رائتہ چٹنی سب کچھ ہی وافر مقدار میں موجود تھے۔ باوجود شدید ٹھنڈ کے کھانا گرم ہی پیش کیا گیا۔

خود فیضان اپنے ہر مہمان کے پاس جا کر اسے اچھے سے کھانے کی تلقین کرتے نظر آتے جہاں کھانا ٹھنڈا یا کم نظر آیا وہیں لڑکوں کو بلوا کر مزید لانے کی ہدایت کرتے۔

کھانے کے بعد خوشبودار کشمیری چائے نے لطف دوبالا کر دیا۔ یہی نہیں کھانے کے آخر میں انہوں نے پان کا بھی بندوبست کر رکھا تھا۔

''اتنا اچھا اور لذیذ کھانا کھا کر سچ میں دل خوش ہو گیا۔ فیضان یار! اپنی بیٹی کی شادی پر تمہاری خدمات حاصل کرنے کا سوچ رہا ہوں۔''

فیضان کے باس بھی ان کے انتظامات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ پائے۔

ادھر نغمہ نے بھی خواتین والی طرف بہترین طریقے سے آداب میزبانی نبھائے کہ رشتہ دار خواتین کے ساتھ ساتھ ارمش کی سسرالی خواتین بھی دل ہی دل میں داد دیتی رہیں۔

اسٹیج پر اس وقت دولہا دلہن کے ساتھ تصاویر بنوانے کا سلسلہ جاری تھا۔ میرون لہنگے میں ملبوس ارمش سچ مچ کوئی شہزادی لگ رہی تھی جبکہ آف وائٹ کلاہ شیروانی میں طلحہ کے ساتھ دونوں کی جوڑی اتنی سج رہی تھی کہ نغمہ دو بار ان کی نظر اتار چکی تھیں۔

''میرے پاس وہ الفاظ نہیں کہ جن سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔''

بوقت رخصت ارمش کے سسر فیضان صاحب سے ملتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ ''بارات کی جس انداز سے میزبانی کر کے ہماری عزت افزائی کی ہے میں تمام عمر آپ کا ممنون رہوں گا۔''

''شکریہ کی کوئی بات نہیں رضا صاحب! ہماری آپ کی تو آئندہ بھی ان شاء اللہ ملاقات اب ہوتی رہے گی مگر ان باراتیوں نے تو ایک بار ہی آنا ہوتا ہے۔ میرا یہ فرض بنتا تھا کہ انہیں اچھے سے پوچھوں۔'' خلوص دل سے انہیں گلے لگا کر فیضان نے جواب دیا۔

''اور آپ سب گھر والوں کے لیے میں نے گاڑی میں کھانا رکھوا دیا ہے۔''

اور پھر کتنے ہی دن خاندان بھر میں جس شادی کا چرچا رہا وہ نغمہ اور فیضان کی بیٹی ارمش کی شادی کا تھا۔ کم مالی حیثیت کے باوجود انہوں نے سوجھ بوجھ سے کام لے کر اپنی بیٹی کی رخصتی پر بہترین انتظامات کر کے نہ صرف سب مہمانوں کے دل جیت لیے۔ بلکہ اس شادی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یادگار بھی بنا دیا تھا۔

☆

UUNOVELS.COM

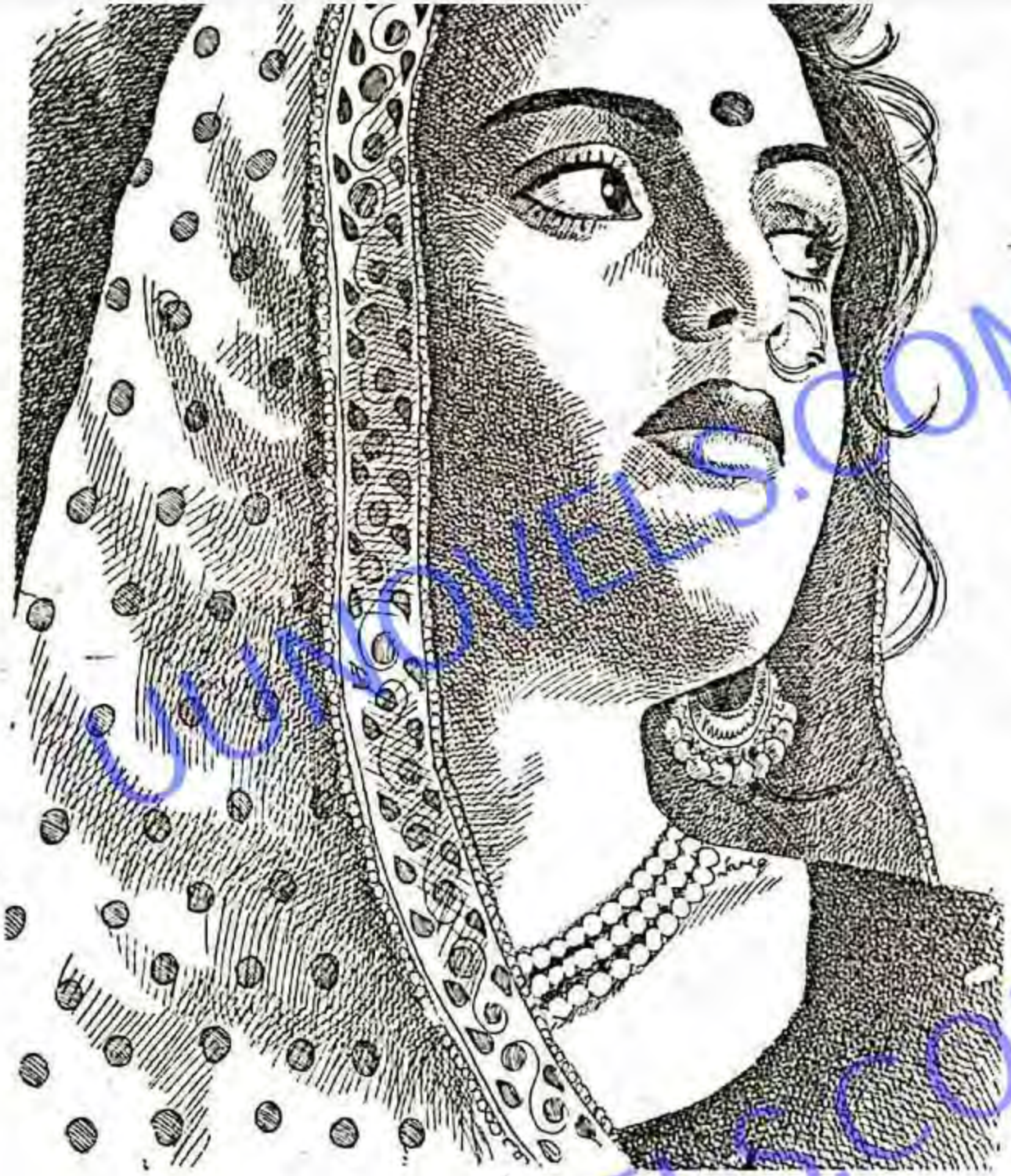

UUNOVELS.COM

ملیحہ عارف

دلدل

لکڑی کے دو پٹ والے مضبوط دروازے پہ ہلکے ہاتھ سے دستک ہو رہی تھی۔ دوبار ہی دستک دینے کے بعد اندر سے آتی آواز سن کر دستک دیتے ہاتھ پہلو میں آگرے۔

''اندر آجاؤں اماں؟'' سامنے آئے وجود کو دیکھ کر وہ اتنے گھنٹوں بعد پرسکون ہوئی تھی۔

''ہاں ہاں، ماں صدقے۔ آؤ، تم نے تو حیران ہی کر دیا اور یہ حسن کہاں ہے۔ تمہیں اکیلے تو آج تک نہیں بھیجا اس نے۔''

اس کے پیچھے کسی کو نہ پا کر وہ تشویش زدہ ہوئیں پھر اس کا سامان جو ایک مختصر سے بیگ پر مشتمل تھا اٹھا کر صحن تک آئیں۔

''کیسی ہے میری بچی! مجھے تو اتنی خوشی ہو رہی ہے کہ بتا نہیں سکتی۔'' انہوں نے لپک جھپک سامان اندر کمرے میں رکھا۔

''اماں! پانی تو دیں، بہت پیاس لگی ہے۔'' وہ تھکے ہارے مسافر کی طرح چارپائی پہ نڈھال بیٹھی تھی۔

''کھانا بھی تیار ہے۔ دال چاول پکائے تھے میں نے دوپہر میں۔'' ٹھنڈے پانی کے دو گلاس وہ ایک ساتھ پی گئی، جیسے صدیوں سے پیاسی تھی۔ اماں اس کے آنے پہ اتنی حیران اور خوش نہ ہوتیں تو ضرور چونک جاتیں۔

''بھوک نہیں ہے اماں! میں سوؤں گی، بہت نیند آ رہی ہے۔'' گلاس اماں کو تھما کے وہ کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

''مام! یہ تو بہت خوب صورت ہے۔'' سرخ لہنگے میں گڑیا کی طرح سجے وجود کو دیکھتے ہوئے اس سرخ و سفید لڑکی نے جھٹ سے اپنی رائے پیش کی۔

''ہاں تو اور کیا، میں کیا ایسے ہی فریفتہ ہو گئی تھی، ایک ہی بار دیکھ کر۔ میرا آبائی گاؤں تو ہے ہی حسن میں بے مثال۔'' جہاں آرا بیگم نے فرضی کالر جھاڑتے ہوئے اپنی انتخاب کردہ گڑیا سی دلہن کو دیکھا۔

''ہمم..... آئی ایم امپریسڈ۔'' اب کی بار بیڈ سے ذرا دور بیٹھی گھنگھریالے بالوں والی لڑکی بولی تھی۔

''اچھا اچھا، بہت ہو گئیں باتیں۔ اب بھائی کو بھیجو اندر۔ فریحہ بیٹا! تم آرام کرو، تھک گئی ہو گی۔'' اپنی ساڑھی کا پلو اک ادا سے لہراتے وہ کمرے کی دہلیز عبور کر گئیں۔

☆☆☆

موسم بہار اپنے عروج پہ تھا۔ گرمیاں خراماں خراماں چلتی وارد ہونے کو تیار تھیں۔ ایسے میں یہ دن خوب بھلے لگتے تھے۔ پو پھٹتے ہی پرندے بولیاں بولتے، فلک بوس اڑانیں بھرتے، ہواؤں سے اٹکھیلیاں کرتے بہار کو بھرپور طریقے سے منا رہے تھے۔ کشادہ صحن میں پراٹھوں کی خوشبو پھیلی تھی۔

صحن کے ایک کونے میں زمین پہ رکھا چولہا، کھانے کے برتن رکھنے والی لکڑی کی ڈولی اور چند اشیاء جنہیں باورچی خانے کا نام دیا گیا تھا۔ وہ بھی اٹھ کر مندی مندی آنکھیں لیے سیدھی وہیں آئی تھی۔ پوری رات اک بے چینی سی لیے نیند اور بنتی مٹتی تصاویر کے زیر اثر وہ سکون سے سو بھی نہ پائی تھی۔

''آخر کار آپ اٹھ ہی گئیں باجی! کل شام سے میں آپ کے اٹھنے کے انتظار میں سوکھ رہا تھا۔'' وقاص اس سے گلے ملتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''تو اٹھا لیتا مجھے کیوں سوکھتا رہا۔ اماں! بہت بھوک لگی ہے، جلدی سے ناشتہ دے دیں۔''

صحن کے دوسرے کونے میں بنے غسل خانے سے منہ دھوتی ہوئی وہ واپس اماں کے پاس موڑھے پہ بیٹھ گئی۔

''باجی! آپ ٹھیک تو ہیں، کافی کمزور نہیں ہو گئیں۔'' اپنا بیگ اٹھاتا وہ اسے جانچتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''کمزور نہیں، اسے اسمارٹنس کہتے ہیں بدھو!'' پھیکا سا مسکراتے ہوئے اس نے ایک جواز پیش کیا تھا، جو مان لیا گیا تھا۔

''اچھا جی! تو چلیے، پھر میں نکلتا ہوں۔ شام میں ملاقات ہو گی۔'' وہ سلام کرتا بیرونی دروازہ عبور کر گیا۔

''پڑھائی کیسی جا رہی ہے اس کی اماں!''

سامنے پڑے پراٹھے کو کھاتے ہوئے وہ اماں کو چائے میں پتی جھونکتے دیکھ رہی تھی۔

UUNOVELS.COM

''ارے مجھ ان پڑھ کو کیا سمجھ، بس اتنا ہی پتا ہے کہ دوپہر تک کالج میں پڑھتا ہے اور پھر اکیڈمی میں پڑھاتا ہے۔ گزر بسر اچھی ہو جاتی ہے۔ تو اپنے گھر کا سنا، حسن کیسا ہے اور ساس نندیں تو ٹھیک تھیں ناں۔''

''ہاں اماں! ٹھیک تھیں۔'' یک ٹک آگ کے شعلوں کو دیکھتی وہ حاضر سے غائب ہو رہی تھی، بھڑکتے شعلوں میں ماضی کا کوئی لمحہ جل بجھ رہا تھا۔

☆☆☆

''ارے فریحہ! اتنی صبح اور وہ بھی کچن میں کیا کر رہی ہو بیٹا!'' جہاں آرا بیگم جلتے چولہے کو دیکھ کر حیران ہوئی تھیں۔

''جلدی اٹھنے کی عادی ہوں نا تو سوچا۔ آج ناشتا میں ہی بنا لیتی ہوں سب کے لیے۔ آپ بتائیے مام! آپ کیا کھائیں گی۔'' حسن کی دیکھا دیکھی وہ بھی انہیں مام کہنا شروع کر چکی تھی۔

''ابھی تو آٹھ بجے ہیں، اتنی جلدی تو کوئی ناشتا نہیں کرے گا۔ منی اور ٹینا تو دیر سے آئی تھیں، ویسے بھی وہ تو اب دو بجے سے پہلے اٹھنے والی نہیں اور میں بھی ایک برنچ میں مدعو ہوں تو پارلر جا رہی ہوں، وہاں سے شام تک واپسی ہوگی۔''

اک ادا سے بولتے ہوئے وہ اسے حیران و پریشان چھوڑ کر جا چکی تھیں۔ دفعتاً کچن کی شفاف سطح پر بیگ دھرنے کی آواز پر چونکی۔

''ہمیں ناشتا مل جائے گا یا نہیں۔'' فریش سا حسن تیار ہو کر اس کے سامنے مسکراتا ہوا کھڑا تھا۔

''ہاں جی ضرور، بیٹھیے۔ تیار ہے سب۔'' اس نے جلدی جلدی — ناشتا چن دیا تو وہ رغبت سے کھانے لگا۔

''میں نے کہا تو تھا کہ اتنی صبح ناشتا تو کیا کوئی جاگ بھی نہیں رہا ہوگا۔'' چائے کا گھونٹ بھرتا وہ اس کی دلجوئی کو بولا۔

''آپ کو عجیب نہیں لگتا یہ سب۔'' اپنی حیرت کو سادہ سے انداز میں زبان دی تھی اس نے۔

''بالکل بھی نہیں اور جلد تمہیں بھی عادت ہو جائے گی۔''

حسن کا ناشتا ہو چکا تھا وہ اسے بیرونی دروازے تک چھوڑنے گئی پھر واپس آ کر کچن کا پھیلاوا سمیٹنے لگی۔

☆☆☆

دو ماہ پر لگا کر اڑے تھے۔ پہلے پہل تو حسن کی دفتر سے چھٹیاں تھیں، سو گھومنے پھرنے میں مہینہ گزر گیا، پتا بھی نہ چلا۔ کچھ حسن کی فطرت اور اخلاق اتنا نفیس تھا کہ وہ دنوں میں اس کی اسیر ہوئی تھی، جب سے حسن نے دفتر جانا شروع کیا تو وہ بولائی بولائی پورے گھر میں چکراتی رہتی، نندیں دوپہر تک سوئی رہتیں۔ کھانا کھا کر پھر سے تیار ہو کر نکل پڑتیں اور واپسی کی فریحہ کو کوئی خبر نہیں تھی۔ ساس بھی کبھی کبھار ہی گھر پہ پائی جاتی تھیں، اسے عجیب تو لگتا پر وہ کھل کر بات نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ جس ماحول کی پروردہ تھی، وہاں کی عورتیں چار دیواری میں ہی زندگی کاٹ دیا کرتی تھیں پر شاید بڑے شہروں میں یوں ہی چلتا ہو سب۔ ایک بودی سی دلیل دے کر وہ دماغ کو وقتی طور پر سلا دیا کرتی تھی لیکن اس فرصت کا کیا کرتی، صفائی والی، کھانا پکانے والی الگ الگ ماسیاں تھیں تو کام کوئی ہوتا ہی نہیں تھا۔ اس لیے پہلی فرصت میں اس نے حسن سے پوچھ کر دونوں ماسیوں کو فارغ کر دیا تھا اور خود سب کچھ کرنے لگی تھی، یوں وقت بھی گزر جاتا اور حسن کے لیے اچھے سے اچھا پکانے لگی۔ مزے کی بات تھی کہ ساس نندوں کو اس بات کی کوئی فکر نہ تھی کہ کام والی آئی بھی ہے یا نہیں۔

''فریحہ..... ارے او فریحہ! کہاں کھوئی ہوئی ہے۔ چائے پڑے پڑے ٹھنڈی ٹھار ہو گئی ہے۔'' اماں برتن دھو چکی تھیں۔ اسے ایک ہی نقطے پہ نظر جمائے دیکھا تو متوجہ ہوئیں۔

''اماں چائے پینے کا دل نہیں ہے۔''

''ناشتا بھی ڈھنگ سے نہیں کیا تم نے بچے! طبیعت

UUNOVELS.COM

تو ٹھیک ہے ناں۔" اماں فکرمندی سے قریب ہوئیں۔
"میں ٹھیک ہوں اماں! بس تھکن ہے۔ لگتا ہے اس سفر نے بہت تھکا دیا ہے مجھے۔"
صدیوں کی تھکن اس کی آواز میں پنہاں تھی۔ چائے وہیں پڑی رہ گئی اور وہ تھکن زدہ وجود و ذہن لیے صحن سے اٹھ آئی۔

☆☆☆

اسے آئے ہوئے تیسرا دن تھا، جب دوپہر کو عائشہ آ گئی۔ اس کی اکلوتی دوست، دونوں چھت پر بیٹھی تھیں۔ کھانا بھی وہیں کھایا، دم توڑتی سردیوں کی دھوپ خوب بھلی لگ رہی تھی اور اب جب عائشہ بول بول کر تھک گئی تب اسے احساس ہوا کہ وہ اکیلی بولے چلی جا رہی ہے اور وہ چپ کی بکل اوڑھے بس سن رہی تھی۔
"تجھے شرم تو نہیں آتی، ایک تو میں ملنے بھی خود ہی آئی حالانکہ آنا تجھے چاہیے تھا اور اب باتیں بھی میں ہی کر رہی ہوں۔ خود تو منہ میں دہی جمائے بیٹھی ہے۔"
اس نے منہ پھلا لیا تھا۔ فریحہ محض مسکرا ہی سکی۔
"کسی ایک کو تو سننے کا کام بھی کرنا پڑے گا نا۔ دونوں بولیں گے تو سنے گا کون۔"
"کہہ تو ٹھیک رہی ہے۔" ہنستے ہوئے عائشہ نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مارا۔
"پھر بھی کچھ تو بتا ہمیں کراچی کی رونقیں شونقیں۔ سنا ہے بڑا پیارا شہر ہے۔ ہم نے تو بس ٹی وی پہ دیکھا ہے۔ ہم تجھ جیسے خوش قسمت کہاں، خوب گھومی پھری ہوگی۔" عائشہ اپنی دھن میں نہ جانے کیا کیا بولے جا رہی تھی جبکہ وہ خود اس کے لفظ خوش قسمت میں ہی اٹک گئی۔ چھ ماہ پہلے تک وہ بھی خود کو دنیا کی خوش قسمت لڑکی سمجھتی تھی۔ پر گزرے پانچ دن سے اسے دنیا کا ہر انسان خوش قسمت لگ رہا تھا پر اپنا آپ نہیں۔
"فریحہ! کہاں کھو گئی۔" عائشہ نے اسے ٹہوکا دیا تھا۔ وہ اپنے خیالات سے چونکی۔
"نہیں کچھ نہیں۔ چائے پینے کا سوچ رہی تھی، چلو نیچے چلتے ہیں۔"
"تم بیٹھو، میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" عائشہ دھپ دھپ کرتی سیڑھیاں اتر گئی۔
روشن چمکیلی دوپہر کی دھوپ شام کے گہرے سایوں کو دعوت دیتی خود ڈھلتی جا رہی تھی۔ قریب ہی الگنی پہ سوکھے کپڑے جھول رہے تھے، وہ ان ہی پہ نظریں جمائے کسی دلکش منظر میں جکڑتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

"بھئی ناشتا تو بہت مزے کا تھا۔ میری تو ڈائٹنگ خراب کر دی فری کے پراٹھوں نے۔ واہ مزہ آ گیا۔"
"ہنی! پچھلے ایک مہینے سے تم روز پراٹھے کھا رہی ہو، دو انڈوں کے آملیٹ کے ساتھ۔ پھر کون سی ڈائٹنگ اور کیسی ڈائٹنگ۔"
توس کترتی ٹینا سے ہنی کا جملہ ہضم نہ ہوا تو فوراً جواب دیا۔ اتوار کی صبح تھی اور خلاف معمول وہ دونوں جاگ رہی تھیں۔ انہیں تو البتہ دس بجے ہی تھیں پر یہ بھی غنیمت تھا فری کے لیے، وہ جو فریحہ تھی اب ان دونوں کی زبانی فری کہلائی جانے لگی تھی۔ وہ خوشی خوشی پراٹھے بنا کے ان کے آگے رکھتی جاتی اور ان ہی چند پلوں میں وہ اپنے گھر اور گاؤں کا ماحول محسوس کر لیتی۔
"مام! آپ کی چائے۔" سب کی دیکھا دیکھی وہ بھی اب ان کے ماحول کو آہستہ آہستہ اپنا رہی تھی، پر دل میں بے چینی تھی جو جانے کا نام نہ لیتی تھی۔ ایک دو بار حسن کے ساتھ میکے سے ہو آئی تھی پھر بھی وہ اس گھر میں چلتی پھرتی کھوسی جاتی تھی۔
"حسن جم خانہ سے نہیں لوٹا اب تک۔" جہاں آرا بیگم نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے استفسار کیا۔
"نہیں جی، وہ بتا کر گئے تھے کہ دیر سے لوٹیں گے۔" کچن کا پھیلاوا تیزی سے سمیٹتے وہ ان تینوں کی گپ شپ کا حصہ بھی بنی ہوئی تھی۔
"فری بیٹا! چھوڑ دو یہ سب اور یہاں آ کر بیٹھو۔ تین مہینوں میں تم نے تو خود کو ماسی ہی بنا ڈالا ہے۔ اچھی بھلی کام والی آتی تھی، فضول بس فارغ کر دیا سب کو۔" اس کو پاس بٹھاتے ہوئے ساتھ ہی ساتھ ہنی اور ٹینا کو بھی ڈانٹا تو وہ جھینپ سی گئی۔
"خود تو تم دونوں ہر دو دن بعد پارلر پہنچی ہوئی ہوتی

UUNOVELS.COM

ہو۔ یہ نہیں ہوتا کہ میری بہو کو بھی لے جاؤ ساتھ۔ اسکن کیسی رف ہو رہی ہے۔'' اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے انہوں نے جیسے معائنہ کیا تھا۔

''نہیں تو مام! ٹھیک ہوں میں ایسے ہی۔'' اس نے شرماتے ہوئے ہاتھ واپس گود میں رکھا۔

''ایسے کیسے ٹھیک ہو۔ ہنی! سن لو تم، کل ہی اسے پارلر لے کر جانا۔ مجھے میری بہو بالکل فریش چاہیے اور یہ سارا دن بور ہو جاتی ہوگی گھر پہ رہ رہ کر۔ کسی دن اپنے ساتھ پارٹی پر ہی لے جانا فری کو۔ بھئی اسے بھی تو پتا چلے ہماری سوسائٹی کا، یہ بھی یہاں موو کرنا سیکھے۔''

''کیوں نہیں مام! ضرور آپ کے دونوں کام ہو جائیں گے۔ کیوں فری! چلو گی نا ہمارے ساتھ۔'' ٹینا نے مسکراتے ہوئے پوچھا اور وہ محض سر ہلا کر وہاں سے اٹھ آئی۔

☆☆☆

''کیا سوچ رہی ہو فری! ایسے کیوں بیٹھی ہو؟'' حسن کب سے اسے یوں ہی ڈریسنگ کے سامنے بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ اس سے پہلے تو وہ کمرے میں آتے ہی باتیں کیا کرتی تھی۔

پر آج جب سے اندر آئی تھی، گم صم سی تھی۔ حسن کو تشویش ہوئی تو اسے ہی بولنا پڑا۔

''کیا میری جلد فریش نہیں ہے، اب میں پیاری نہیں لگتی کیا؟''

سارے دن کی ادھیڑ بن ان دو جملوں میں سمیٹ کر وہ وہاں سے اٹھ آئی، جہاں پچھلے آدھے گھنٹے سے بیٹھی تھی۔

''یہ کس نے کہہ دیا میری فری کو، تم تو بہت پیاری ہو۔'' حسن مسکرا کر رہ گیا۔ اس کی یہی سادگی تو اسے اپنی جانب کھینچی تھی۔ حسن نے لیپ ٹاپ بند کر کے اپنی مکمل توجہ اس کی طرف کی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پہلو میں بٹھایا۔

''وہ آج مام، ہنی اور ٹینا سے کہہ رہی تھیں کہ وہ مجھے پارلر لے جائیں، اسکن بہت رف ہو گئی ہے۔'' اپنے گلابی ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے وہ بہت اداس سی لگی۔

''اچھا ہے نا' ذرا دیر کو باہر گھوم پھر آؤ گی تو تمہاری یہ اداسی بھی دور ہو جائے گی۔'' اس کے گرد اپنے بازو کا حصار کیے اس کی طرف دیکھا۔

''اور مام تو یہ بھی کہہ رہی تھیں کہ وہ مجھے اپنے ساتھ پارٹیز میں بھی لے جایا کریں۔''

فریحہ نے اپنی دوسری الجھن کو زبان دی۔ اس کی چوڑیوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے حسن کا متحرک ہاتھ پل بھر کو ساکت ہوا۔ فریحہ اسی کو دیکھ رہی تھی پھر وہ نظریں اٹھا ہی نہ سکا۔

''اگر دل کرے تو چلی جانا وہاں بھی۔''

وہ اس کے پہلو سے تیزی سے اٹھا اور واش روم چلا گیا۔ کچھ دیر پہلے کا فسوں ایک پل میں ٹوٹا تھا اور اداسی نے چار سو پھیلا لیے تھے۔ اسے تب اس کا ساکت ہونا اتنا محسوس نہیں ہوا تھا، جتنا اب ہو رہا تھا۔ جانے کیوں رہ رہ کر وہ شخص اسے یاد آ جاتا تھا اب جبکہ وہ اس کی طرف جاتے ہر راستے کو بہت پیچھے چھوڑ آئی تھی۔

☆☆☆

''آپی! آپ ٹھیک تو ہیں، کہاں کھوئی ہوئی ہیں۔ میں جب بھی آتا ہوں، آپ اپنے ہی خیالوں میں گم ملتی ہیں۔ حسن بھائی کی یاد آ رہی ہے کیا؟''

وقاص کہتے ہوئے چارپائی پر ٹک گیا۔ بھائی کو شرارتاً مسکراتا دیکھ کر وہ بھی پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

''تم لوگوں کو وہم ہو گیا ہے، میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔''

''لوگوں.....؟ ہمم..... مطلب کوئی اور بھی ہے جو میرا اہم خیال ہے۔''

وہ وقاص کو کیا بتاتی کہ اس خیال کا اظہار سب سے پہلے اماں نے کیا تھا۔ ان کا خیال تھا فریحہ کو گھر اور گھر والا یاد آ رہا ہے تو اسے پی سی او سے فون کرنے کا کہا تھا۔ ان کے گھر میں فون نہیں تھا۔ گاؤں کے بیشتر گھر جو آسودہ حال تھے، فون رکھتے تھے اور اسے کراچی پھر سے یاد آیا۔ جہاں اس نے موبائل پہلی بار دیکھا تھا جو نیا نیا آیا تھا اور چند بڑے شہروں میں بڑے بڑے لوگوں کی ملکیت تھا۔ حسن کے پاس بھی دیکھ کر وہ کس قدر حیران ہوئی تھی، بنا تار کے، ہاتھ میں سما جانے والا فون اور اسی سے اماں سے بات کرتے

UUNOVELS.COM

وقت اس کی خوشی بھی چار گنا بڑھ جایا کرتی تھی۔

عائشہ ہر دوسرے دن آ کر بس یہی دہراتی کہ تو پہلے جیسی نہیں رہی۔ اسے تو اپنی دہی یا تونی اور شوخ سی فریحہ چاہیے تھی۔ اب وہ ان سب کو کیا بتاتی اور کیا چھپاتی۔ اسے تو اس شخص کی یاد سے زیادہ اس کی مہربانی تڑپاتی تھی جو اسے اس جہنم سے نکال کر اس نے کی تھی اور مہربانی سے زیادہ اس کا وہ احسان رلاتا تھا جو اس نے اپنا نام فریحہ سے الگ نہیں کیا اور اسے یہاں بھیج دیا۔ اسے نہیں پتا تھا وہ بھی اسے یاد کرتا ہے یا نہیں۔

"تم بیٹھو میں تمہارے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔" وقاص جو اس کے چہرے پر نظریں گاڑے بیٹھا تھا، مسکرا دیا۔

☆☆☆

اس نے آئینے میں خود کو آخری بار دیکھا، سرخ و سفید رنگ، سیاہ سوٹ میں اور ہی کھل اٹھا تھا۔ سیاہ ہی نیٹ کا دوپٹہ شانوں پر پھیلائے وہ باہر نکل آئی۔ اس کی تیاری مکمل تھی۔ جہاں آرا بیگم نے اسے حسن کا پیغام دیا تھا کہ تیار ہو جائے حسن اسے ڈنر کے لیے باہر لے جائے گا۔ آج کتنے دنوں بعد وہ اور حسن باہر جا رہے تھے۔ وہ بے حد خوش تھی اور اب شدت سے حسن کا انتظار کر رہی تھی۔ لگتا ہے فری کا انتظار ختم ہوا۔ ہنی نے باہر سے آتی گاڑی کی آواز سن کر ٹینا کو آنکھ ماری تو وہ شرماتی ہوئی دروازہ کھولنے لگی۔

"ہیلو مس فری! کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔"

نو وارد نے اس سے راستہ مانگا، وہ اجنبی چہرہ دیکھ کچھ حیران ہوتی ایک طرف کو ہوئی، پچھلے چھ ماہ کے دوران کبھی کوئی مہمان گھر میں نہیں آیا تھا اور مرد مہمان تو بالکل بھی نہیں۔ اس لیے وہ کچھ حیران سی دروازے سے لاؤنج تک آئی، جہاں وہ دونوں بہنیں مہمان سے بڑے تپاک سے مل رہی تھیں۔ کچھ ایسے کہ وہ اپنی نظریں جھکانے پر مجبور ہو گئی۔

"فری یہ برہان حیدر ہیں۔ آؤ ملو ان سے۔" ہنی نے اسے لاؤنج سے نکلتے دیکھا تو روکا۔

"السلام علیکم! برہان صاحب۔" صوفے کے پیچھے اس نے سلام کیا۔

"میں چائے لے کر آتی ہوں۔ آپ تینوں بیٹھیے۔" کچن میں آ کر اس نے لمبی سانس لی اور خود کو پرسکون کیا۔ دونوں بہنوں کا انداز ہی کچھ اتنا بے باک ہوتا کہ وہ بے چین ہو اٹھتی۔ پچھلے کچھ ہفتے اس نے جتنی بھی پارٹیز میں شرکت کی تھی، یہی سب کچھ دیکھ دیکھ کر وہ بے زار ہو گئی تھی۔ وہ پارٹیز شریفوں کے جانے کے قابل نہ تھیں، یہ اس کے دل نے کہا تھا۔ اسے زبان تک لانے کی ہمت نہیں کر سکی تھی۔ اس نے بہت سہولت سے جانے سے منع کر دیا تھا۔ اس کے بعد وہ دونوں جتنا بھی اصرار کر لیتیں اس کا انکار اقرار میں نہ بدلتا۔

چائے ابل رہی تھی اور اندر ہی اندر وہ خود بھی کھول رہی تھی۔ اسے برہان کی نظریں مسلسل اپنے جسم کے آر پار ہوتی محسوس ہوئی تھیں۔

"فری! آ جاؤ بھئی۔ ہمارے مہمان کو اتنا انتظار نہ کرواؤ۔" ٹینا کی شوخ ہوتی آواز پر وہ چائے لے کر لاؤنج میں آئی تو وہ تینوں باتوں میں مگن تھے۔ وہ بھی ان کی توجہ نہیں چاہتی تھی سو چپکے سے چائے رکھ کر مڑی ہی تھی کہ ہنی نے اسے روکا۔

"ارے فری! پلیز بیٹھو نا، انہیں کمپنی دو۔ ہمیں تیار ہونا ہے یہ تو بور ہو جائیں گے۔" کہنے کے ساتھ ہی وہ دونوں لپک جھپک لاؤنج سے غائب ہوئیں کہ اسے طوعاً کرہاً وہاں بیٹھنا پڑا۔ جہاں آرا بیگم موجود نہ تھیں کہ وہ ان کی مدد لیتی۔

"مجھے لگا آپ پر گلابی رنگ بہت جچتا ہے لیکن وہ غلط تھا۔ دنیا کا ہر رنگ بس آپ کے لیے ہی بنا ہے۔ اب یہی دیکھ لیں، سیاہ رنگ کس قدر جچ رہا ہے آپ پر۔"

چائے کا کپ پکڑے وہ پورے انہماک سے فری کو دیکھ رہا تھا اور وہ جو اس ادھیڑ بن میں تھی کہ یہ شخص دیکھا دیکھا سا کیوں لگ رہا ہے تو ایک جھماکے سے اسے پچھلے ہفتے کی اپنی وہ آخری پارٹی یاد آئی تھی تب اس نے اتنا غور نہیں کیا تھا۔ اسے وہ ایک عام سا واقعہ ہی لگا تھا کہ مسلسل ہر پارٹی میں ہی کوئی نہ کوئی اس کی تعریف کرتا اور اس سے فری ہونے کی کوشش

UUNOVELS.COM

کرتا تھا۔ ان ہی چند افراد میں سے ایک برہان تھا جو لگاتار ہونے والی پارٹیز میں اس سے ٹکراتا رہا تھا۔ جسے تب وہ نظر انداز کر گئی تھی پر آج وہ مصیبت اس کے گلے آن پڑی تھی اور وہ انجان تھی۔ اس کی باتیں اور انداز فریحہ کو کھٹک رہا تھا۔ کچھ غلط ہو جانے کا اشارہ کہیں اندر سے موصول ہو رہا تھا۔

"لڑکیاں تو اپنی تعریف پر خوش ہوتی ہیں' آپ تو خاموش ہو گئیں۔" برہان نے معنی خیزی سے کہا۔

"میرے شوہر کو سیاہ رنگ پسند ہے اور میں نے ان ہی کے لیے ہی پہنا ہے۔"

وہ نہیں جانتی تھی کہ اس نے شوہر کا لفظ کیوں استعمال کیا تھا، شاید وہ اپنے گرد شوہر نام کا حصار باندھنا چاہتی تھی کہ سامنے والا اپنی حد میں رہے۔

"شوہر....." برہان نے قہقہہ لگا کر اس کی بات کا مزہ لیا تھا۔

"معاف کیجیے، ہنی آتی ہی ہوگی، مجھے حسن کو کال کرنی ہے۔" فری نے اٹھنے میں ہی عافیت جانی۔ اب وہ اور اسے برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

"ارے بیٹھیے ناں، حسن کو چھوڑیے ہم سے باتیں کریے ناں۔" برہان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھاتے ہوئے اس کے اٹھنے کی کوشش کو ناکام بنایا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔ اپنی حد میں رہیے ورنہ میں آپ کے مہمان ہونے کا لحاظ بھی نہیں کروں گی۔" اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"ہم بھی تو یہی چاہتے ہیں کہ آپ ہمارا لحاظ نہ کریں۔"

وہ ایک دم سے اس کے سامنے آیا تو مارے گھبراہٹ کے اس کی چیخ نکل گئی۔

"پلیز آپ بیٹھیے، میں ہنی کو بھیجتی ہوں۔"

"نہیں نہیں..... آج ہمیں ہنی چاہیے نہ ہی ٹینا..... آپ کی بات ہوئی تھی میڈم جہاں آرا سے اور آپ ہی چلیں گی میرے ساتھ۔" وہ بات کرتا اس کے اور قریب ہوا۔ وہ دو قدم پیچھے ہوئی۔

"کیا بکواس کر رہے ہیں..... ہنی، ٹینا باہر آؤ، دیکھو یہ کیا بکواس کہہ رہا ہے۔" وہ اس قدر گھبرا گئی تھی کہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کرے تو کیا کرے۔

"ارے کیوں گھبراتی ہو میری جان! چلو..... بہت عیش کرواؤں گا..... جو کہو گی دلاؤں گا۔"

برہان حیدر اپنی خصلت پر اتر آیا تھا اور اسے بازو سے پکڑ کر گھسیٹنے لگا۔ ویسے بھی اسے جہاں آرا کی طرف سے ہدایت ملی تھی کہ وہ فریحہ کو زبردستی بھی لے جا سکتا ہے۔ سب باتوں سے انجان فریحہ چیختی چلاتی، بے بس ہوتی جا رہی تھی پھر بھی اس نے پوری قوت لگا کر خود کو اس سے الگ کیا اور اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔

"ارے بھاگ کیوں رہی ہو..... مانا کہ بہت خوب صورت ہو، پر ہو تو بکنے والی چیز ہی اور ہم سے اچھا خریدار نہیں ملے گا تمہیں۔" دروازے پر ہاتھ سختی سے جمائے وہ اس کے دروازہ بند کرنے کی سعی کو ناکام بنا گیا۔

"آپ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں ایسی نہیں ہوں..... چلے جائیے یہاں سے۔"

فریحہ نے رندھی ہوئی آواز میں بمشکل بات کی تھی۔ اس کی ساری تیاری برباد ہو چکی تھی۔ دوپٹہ شانوں سے ڈھلک کر اب زمین بوس ہو چکا تھا۔ دوپٹے کو بھلائے وہ دروازہ کھول کر سرپٹ دوڑتی داخلی دروازے کی طرف بڑھی جہاں حسن کی موجودگی اسے زندگی کی نوید لگی تھی۔ وہ جھٹ سے اس کی اوٹ میں چھپی تھی۔ اسے لگا برہان حسن کو دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوگا لیکن اسے وہیں جمے دیکھ کر وہ اور خوف زدہ ہوئی تھی۔

"حسن..... حسن..... اسے نکالیے یہاں سے۔" بمشکل سسکیوں کو روکتے وہ بولی۔

"یہ..... یہ مجھ سے بدتمیزی کر رہا ہے....."

"یہ کیا نکالے گا۔ اس کا تو باپ بھی نہیں نکال سکتا اور تم بھی یہ ناٹک بند کرو اور چلو میرے ساتھ۔ بہت ہو گیا یہ ڈرامہ۔"

اس کے بڑھتے ہاتھوں کو حسن نے جھٹکا دے کر پیچھے کیا۔

"جاؤ یہاں سے..... اس سے پہلے کہ مجھے غصہ آئے۔" حسن نے دھیمے اور سرد انداز سے کہا۔

UUNOVELS.COM

"جو ڈیل ہوئی ہے وہ....."

"بھاڑ میں گئی ڈیل..... اگلے پانچ منٹ میں نہیں گئے تو تمہارے لیے اچھا نہیں ہوگا۔"

حسن کی دھاڑ نے برہان کی زبان کو بریک لگائے فریحہ بھی کانپ گئی۔ ان چند مہینوں میں اس نے پہلی بار حسن کو اس قدر غصے میں دیکھا تھا۔ ہنی اور ٹینا بھی لاؤنج میں آ چکی تھیں، جو پہلے غائب تھیں۔

برہان حیدر نہ چاہتے ہوئے بھی خالی ہاتھ نکل گیا تھا۔

"حسن! یہ اچھا نہیں کیا تم نے۔ مام آئیں گی تو بہت برا ہوگا۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہے ہنی! جانے دیتے اسے..... اس کے ساتھ اب خود بھی بھگتو گے۔" ٹینا نے نخوت سے اس کی اوٹ میں چھپی کانپتی فریحہ کو گھورا۔ حسن کے آجانے سے ان کا بنا بنایا پروگرام خراب ہوگیا تھا۔ حسن نے مڑ کر اسے اپنے ساتھ لگایا اور ساتھ لیے کمرے میں لے گیا۔ زمین پر پڑے اس کے دوپٹے کو اس کے شانوں پر پھیلایا اور دروازہ بند کرتا تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

"جانتے ہو نا، وہ کون تھا؟"

ٹھیک دو گھنٹے بعد جہاں آرا بیگم گھر میں موجود تھیں اور حسن سے پوچھ گچھ ہو رہی تھی۔

"جانتا ہوں اسے بھی اور اس کے ایم این اے باپ کو بھی۔"

حسن نے جھکی نظروں سے جواب دیا تھا۔ وہ تینوں صوفوں پر بیٹھے تھے جبکہ جہاں آرا کو اک پل سکون نہیں تھا۔ وہ پورے لاؤنج میں چکرا رہی تھیں۔

"پھر بھی تم نے وہ کیا جس کی مجھے تم سے امید نہ تھی۔ میری کی ہوئی ڈیل کا بھی پاس نہیں رکھا۔ میرے کیے فیصلے کی یہ حیثیت ہے تمہاری نظر میں۔" وہ دبی دبی آواز میں غرائی تھیں۔

"میں نے آپ کو پہلے بھی منع کیا تھا کہ فری آپ کے کسی کام کا حصہ نہیں ہوگی۔ آپ لوگ تو یہ سب چھوڑ نہیں سکتیں، اسے تو کم از کم بخش دیجیے۔"

اس کی آواز میں سالوں کی تھکن بسی ہوئی تھی۔

"میں اسے یہاں تمہارے لیے نہیں لائی تھی، اپنے کام کے لیے لائی تھی۔ تم تو بس بہانہ تھے۔ وہ ان پڑھ غریب گاؤں والے بنا نکاح کے لڑکیاں دیتے ہی نہیں، ورنہ تمہاری بھی ضرورت نہ رہتی اور یہاں ان امیر کمینوں کو ہر روز نیا چہرہ چاہیے۔"

ان کا غصہ و بے بسی کسی طور کم ہونے میں نہ آ رہا تھا۔ آج کی ڈیل کے ناکام ہو جانے سے ان کے ڈگمگاتے کام کو بہت بڑا نقصان پہنچنے والا تھا۔ فریحہ کی شکل میں اس ڈوبتے جہاز کو ایک خوب صورت سہارا مل رہا تھا۔ وہ حسن کو کیش کروانا خوب جانتی تھیں لیکن ان کا یہ کم عقل بیٹا ہی ان کا دشمن بنا بیٹھا تھا۔

"جو بھی ہو، وہ اب میرے نکاح میں ہے اور میں اپنی عزت کو یوں نیلام نہیں ہونے دوں گا۔"

"اپنی یہ عزت وزت کی باتیں اپنے پاس رکھو اور یاد رکھو..... اس بات کو نہ میں بھولوں گی اور نہ ہی وہ برہان فریحہ کو بھولے گا۔ میں پیسے لے چکی ہوں اور یہ ڈیل ہر حال میں ہوگی۔"

☆☆☆

رات قطرہ قطرہ بھیگ رہی تھی۔ سردیوں کی رات ہوتے ہوئے بھی کمرہ حبس اور گھٹن زدہ تھا۔ جہاں سانس لینا مشکل ہو رہا تھا اور وہ دونوں کب سے ایک ساتھ ہونے کے باوجود چپ چاپ بیٹھے تھے۔ ایک وہ تھا جو بیوی سے شرمندہ تھا، نظر ملانے کے لائق نہ تھا۔ ایک وہ تھی جو صدمے کے زیر اثر تھی۔ رنگ لٹھے کی مانند سفید پڑ چکا تھا اور خوف سے آنکھیں باہر آنے کو بے تاب۔ نصف شب بیت چکی تھی، جب اسے کسی کے نرم و ملائم ہاتھوں کا لمس اپنے قدموں پہ محسوس ہوا۔ سویا تو وہ ویسے بھی نہیں تھا، آنکھوں پر ہاتھ رکھے صوفے کی پشت پر سر ٹکائے بیٹھا تھا۔ دیکھا تو فریحہ زمین پر اس کے قدموں میں بیٹھی تھی۔ حسن کچھ نہ کر سکا ماسوائے نظریں چرانے کے۔ وہ جب سے کمرے میں آیا تھا ایک یہی کام تو کر رہا تھا۔ وہ انتہائی شرمندہ تھا فریحہ سے۔ کیا

UUNOVELS.COM

صفائیاں دیتا اسے، ایسی کیا تسلی دیتا کہ اس کی آنکھوں میں اتری خوف کی پرچھائیں چھٹ جاتی۔ اس کے پاس تو ایسا کوئی لفظ ہی نہ تھا جو اس کے غم کا مداوا کر پاتا۔

''حسن! مجھے اس گناہ کی دلدل سے بچالیں۔ دیکھیے میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔'' اس نے اس کے پاؤں چھو کر اپنے ہاتھ اس کے آگے جوڑ لیے۔ ''میں مرنا تو پسند کرلوں گی لیکن اپنے گناہ آلود وجود کو ایک پل برداشت نہ کرسکوں گی۔ مرجاؤں گی میں حسن..... میں مرجاؤں گی..... مجھ پر رحم کریں۔''

وہ ہچکیوں، سسکیوں کے دوران بے حد مشکل سے اپنی بات پوری کر پائی تھی۔ پچھلے چھ ماہ سے وہ انجان تھی پر اب بے خبر نہ تھی۔ وہ باتیں جو اسے شروع سے کھٹک رہی تھیں، بے سبب نہیں تھیں۔

''ایک طوائف کا اتنا نخرہ تمہاری تو.....'' اس شخص کا کہا جملہ اسے اب بھی پگھلے ہوئے سیسے کی مانند کانوں میں محسوس ہو رہا تھا۔

اس کی وہ گالی اسے اپنی ہی نظروں میں گرا رہی تھی، اسے تو ان پارٹیز میں جانا اور وہاں کے ہر مرد کی نظر کا مفہوم اب سمجھ میں آیا تھا اور کیا سمجھ میں آیا تھا کہ وہ شرم سے پانی پانی ہوئی جا رہی تھی۔ وہ حسن کی حیثیت سمجھ چکی تھی جو شخص ایک غلام کی سی تھی اور ملکہ کے آگے کب کسی کی چلتی ہے، وہ اپنے آنے والے کل سے خوف زدہ تھی۔ جب سے کمرے میں دبکی بیٹھی تھی۔ باہر ہونے والی گفتگو اس نے بخوبی سنی تھی۔ وہ خوف کی ہر حد کو آج محسوس کر چکی تھی۔ وہ ذلت کے اس گڑھے میں گرائی جانے والی تھی کہ اس کے بعد وہ چاہے زم زم سے ہی خود کو پاک کرتی تو بھی پاکیزہ نہ کہلاتی۔ آدھی رات گزرنے تک وہ پختہ ارادہ کر کے اٹھی۔ حسن کی بے بسی سے واقف ہو چکی تھی پھر بھی اسے اسی سے مدد کی توقع تھی، وہی ایک آخری سہارا تھا۔

''اپنی چند ضروری چیزیں بیگ میں رکھو اور چادر لو۔ میں تب تک ذرا فریش ہولوں۔'' اس کے بندھے ہاتھوں کو دھیرے سے کھولتا وہ اٹھا اور بنا اس کی طرف دیکھے، بے حد نرمی سے کہتا غسل خانے کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

رات کے آخری پہر بھی ریلوے اسٹیشن کی عمارت لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ ہر کسی کو اپنی منزل پر پہنچنے کی جلدی تھی۔ ایک وہی تھی جسے اپنی منزل سے پیچھے کو بھاگنے کی جلدی تھی۔ وہ منزل جو اسے زندگی لگنے لگی تھی، کیا خبر تھی یوں راستہ بھی بدلنا پڑے گا۔

''یہ ٹرین سیدھی تمہارے گاؤں جائے گی۔ یہ رہا ٹکٹ اور دھیان سے سامان وغیرہ رکھنا۔'' ٹکٹ اس کے ہاتھ میں تھماتے بیگ اس سے لے لیا تھا۔ اتنی جلدی میں جانے وہ ٹکٹ کیسے لایا تھا۔ وہ بس یہی سوچ رہی تھی، پوچھ نہ سکی۔

''دوپہر تک تم اپنے گھر پہنچ جاؤ گی پھر گناہوں کی اس دنیا سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔ مجھ سے بھی واسطہ نہ رکھنا، طلاق کا حق میں نے تمہیں پہلے ہی دیا ہوا ہے شاید اسی دن کے ڈر سے دیا تھا جس کا تم جب چاہو استعمال کرسکتی ہو۔''

اس کے میکانکی انداز میں بولنے پر وہ یک ٹک اسے دیکھتی رہ گئی۔ حسن نے پوری رات اسے نظر بھر کر بھی نہ دیکھا تھا۔ وہ جو نظریں ملا کر بات کرنے کا عادی تھا، وہ نظریں ملا کر بات کرتا تو جیسے بھول ہی گیا تھا اور خود اس نے ہر بات سوچی تھی پر اس سے الگ ہونے کا خیال ایک لمحہ بھی نہیں آیا تھا اور وہ کس قدر آسانی سے اسے الگ کر رہا تھا۔ ٹرین کے چلنے کا اعلان ہوتے ہی وہ اس کا بیگ لیے چڑھا اور سیٹ پر رکھ کر بنا اسے دیکھے پلٹ بھی گیا۔ اسے شاید پلٹنے پر اپنا آپ پتھر کا ہو جانے کا ڈر تھا۔ وہ کھڑکی سے سر نکالے اسے تب تک دیکھتی رہی جب تک وہ اسٹیشن کی عمارت سے نکل نہیں گیا۔

☆☆☆

اسے یہاں آئے دو ماہ ہو چکے تھے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ پیچھے کیا ہوا، پر اس تک کسی قسم کا کوئی خطرہ نہ پہنچا تھا۔ وہ بس پانچوں وقت اللہ کے حضور سجدہ ریز

ہوتی اور شکر بجا لاتی، جس نے اسے اس گناہ آلود زندگی سے نکال باہر کیا تھا۔ ان گزرے دنوں میں اس نے حسن سے کوئی رابطہ نہیں کیا اور نہ ہی کرنے کی کوشش کی۔ اس نے تو خلع کے لیے سوچا تک نہ تھا اور نہ ہی طلاق کے کاغذات اسے موصول ہوئے تھے، دل ہی دل میں اسے امید تھی اس کے پلٹنے کی۔ اسے بس اپنے رب پہ یقین تھا، وہ تو کچھ بھی کر سکتا ہے کچھ بھی......

''فریحہ! آ کر دروازہ بند کر لے۔ میں ذرا پڑوس میں جا رہی ہوں۔''

عصر کا وقت تھا جب اماں نکلیں اور وہ دروازہ بند کرتی، وضو کرنے کی نیت سے صحن کے کونے میں بنے چھوٹے سے غسل خانے کی طرف بڑھی۔ معا دروازے پر دستک ہوئی اور اس کا دل عجیب انداز میں دھڑکا تھا۔ اپنی خوش فہمی پہ مسکراتی وہ دروازے تک گئی۔

''کون ہے؟'' بنا کھولے ہی اس نے پوچھا۔

''دل کے دروازے اب بھی کھلے ہوئے ہیں تو یہ دروازہ بھی کھول دو فری!''

اور دستک دینے والے کی بات پوری ہونے سے بھی پہلے دروازہ کھلتا چلا گیا۔ آخری بار جس نے نظریں چرائی تھیں، آج وہ ان ہی آنکھوں میں چمک لیے اس کی نم ہوتی آنکھوں میں براہ راست دیکھ رہا تھا۔ اس کو یوں بت بنا دیکھ کر وہ مسکراتا ہوا دہلیز پار کرتا عین اس کے سامنے آ ٹھہرا۔ وہ اس قدر حیران تھی کہ پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھی ۔ بس سانس تھی جو مدھم مدھم چلتی تھی۔ مسافر نے خود ہی دروازہ بند کیا اور ایک ہاتھ سے اپنا سفری بیگ اٹھائے، دوسرے سے اس کی کلائی تھامی اور اسے لیے صحن عبور کرتا برآمدے میں بچھی چارپائی تک لے آیا۔ وہ اس کے ساتھ کھنچی چلی آئی تھی پر نظریں اسی پر جمائے ہوئے تھی۔

''کچھ پوچھو گی نہیں۔'' وہ اس کی خاموشی سے خائف ہوا۔

''آپ کے آ جانے سے ہر سوال مٹ گیا۔'' وہ کامل یقین کی تصویر بنی۔

''تو کچھ کہو گی بھی نہیں؟'' وہ سب کچھ ابھی سن لینے کا متمنی تھا۔

''بہت انتظار کروایا آپ نے۔'' دو آنسو ٹوٹ کر اس کے رخساروں پر پھسلتے چلے گئے جو بڑی فرصت سے اس نے اپنی پوروں پر چن لیے تھے۔

''کچھ فیصلے بہت کٹھن تھے جن کو لیتے لیتے آدھی زندگی بیت گئی۔ پہلے تمہاری رفاقت نے اور پھر جدائی نے وہی فیصلے چند دنوں میں کروا دیئے۔''

''آنٹی اور وہ......'' خوف سے اس سے بات بھی پوری نہ ہوئی۔ آواز گلے میں ہی اٹک گئی۔

''وہ لوگ اتنی آگے جا چکی ہیں کہ اب چاہ کر بھی پلٹ نہیں سکتیں۔ بہت دعائیں اور انتظار کیا ہے میں نے ان کے پلٹنے کا پر اب اور ممکن نہیں تھا سو میں اکیلا ہی آیا ہوں۔ نوکری بھی چھوٹ گئی گھر خود چھوڑ آیا ہوں۔ چاہو تو قبول کر لو اور نہ چاہو تو تمہاری چوکھٹ پکڑ لوں گا، جب تک مان نہیں جاؤ گی۔'' اس کی اتری صورت اور دھونس بھرا لہجہ سن کر وہ خود کو ہنسنے سے نہ روک سکی اور ہنستی ہی چلی گئی۔

''آپ یہاں رہیں گے کیسے؟'' ہنستے ہوئے سوال کیا۔

''جیسے سب رہتے ہیں۔'' وہ جیسے سب سوچ کر ہی آیا تھا۔

''اور یہاں کریں گے کیا؟'' وہ حیران تھی۔

''جو یہاں کے سب لوگ کرتے ہیں۔ سادہ زندگی گزاریں گے۔'' جواب پھر پٹ سے آیا تھا۔ اس کے جمع کا صیغہ استعمال کرنے پر وہ اندر تک نہال ہو گئی۔ اس کی زندگی کا ساتھی اس کے من کا ساتھی بنے پورے استحقاق سے اسے دیکھ رہا تھا۔

اور وہ خود اپنی خوشیوں کے دائمی ہونے کی دعا کرتی وضو کرنے چل دی۔ نماز کے ساتھ ساتھ سجدہ شکر واجب تھا۔

فائزہ تمرین

آگہی

فون کی گھنٹی بجی اور پھر بجتی ہی چلی گئی۔
''کیا مصیبت ہے؟''
حوریہ نے ناول سے نظریں اٹھا کر وہیں صوفے پہ لیٹے لیٹے فون کو گھورا۔
''یہ پی ٹی سی ایل فون بھی ایک مسئلہ بنتا جارہا ہے۔ کالز صرف بابا کی آتی ہیں اور اٹینڈ کرنے کے لیے میں رہ گئی ہوں۔''
وہ ابھی کھانا پکا کر فارغ ہی ہوئی تھی کہ مما کا

ناولٹ

گاجر کا حلوہ بنانے کا موڈ بن گیا اور اس کے منع کرنے کے باوجود وہ کچن میں جا گھسی تھیں۔ ان کی وجہ سے وہ اپنے کمرے میں جانے کے بجائے وہیں لاؤنج میں ہی ناول لے آئی تھی۔ طبیعت خراب رہتی تھی ان کی۔
فون بج بج کر خاموش ہوا، تو حوریہ اٹھتے اٹھتے پھر بیٹھ گئی مگر فون کرنے والا بھی کوئی ڈھیٹ تھا۔ فون ایک بار پھر بج اٹھا تھا، ایک پل کو اس نے کوفت سے فون کو دیکھا۔
''بڑا ہی کوئی ڈھیٹ انسان ہے یا پھر...... کوئی ضروری بات ہی نہ ہو...... کہیں فہد نہ ہو۔''
اسے کراچی انٹرویو کے لیے گئے فہد کا خیال آیا تو وہ ایک جھٹکے سے اٹھی۔
''حوریہ! کال اٹینڈ کرو بیٹا!'' تب ہی مما نے کچن سے جھانکا تھا۔
''جی جی...... جارہی ہوں۔''
فہد کے خیال نے اس میں گویا بجلیاں بھردی تھیں۔
''اللہ کرے انٹرویو اچھا ہوا ہو اس کا۔'' فون تک جاتے اس نے دو بار تو دل ہی دل میں دعا مانگ ہی لی تھی۔
اسے انجینئرنگ کیے دو سال ہونے کو آئے تھے، مگر ابھی تک کسی اچھی جگہ بات نہیں بن پائی تھی۔
''ہیلو!'' سانسوں کو قابو کرتے، بمشکل اس کے حلق سے آواز نکلی تھی۔
''السلام علیکم!'' مخاطب کا جوش دیدنی تھا۔
''وعلیکم السلام!'' وہ الجھ گئی تھی۔ ایک پل کو اسے لگا کہ وہ فہد ہے مگر اس کی آواز...... وہ خاموش رہ کر

UUNOVELS.COM

اپنے سارے قریبی جاننے والوں کو گویا ذہن میں دہرا رہی تھی۔

"کون ہو سکتا ہے؟"

"جی.....؟" آخر اس نے سوالیہ انداز اپنایا۔

"الشفاء ہاسپٹل۔"

وہ جو بھی تھا اس کے بولے ایک لفظ نے اس کا دماغ بھک سے اڑا دیا تھا۔

اسے ابھی تک یاد ہے۔ وہ یہی سوچ سکی تھی۔ ایک بھولی بھٹکی یاد ذہن میں تازہ ہوئی تھی۔

"نہیں، رانگ نمبر۔" وہ بمشکل کہہ سکی اور فون بند کر دیا۔

"اف بڑا ہی مستقل مزاج قسم کا رانگ کالر ہے۔ اب اتنے عرصے بعد پھر اسے پتا نہیں کون سا دورہ پڑ گیا ہے۔ اچھا بھلے اس کے فون آنا بند ہو گئے تھے۔ چہ..... سارا موڈ ہی برباد کر دیا۔"

دوبارہ اپنا ناول اٹھاتے ہوئے وہ بڑبڑا رہی تھی۔

"کون تھا حوریہ؟" مما نے کچن سے ہی آواز لگائی تھی۔

"رانگ نمبر تھا مما!" حوریہ نے بے زاری سے جواب دیا اور دوبارہ اپنے ناول کی طرف متوجہ ہو گئی۔

☆☆☆

تقریباً سات آٹھ سال پہلے کی بات تھی۔ حوریہ کے تب بی ایس سی پارٹ ون کے فائنل ایگزام ہو رہے تھے اور وہ زور و شور سے پڑھائی میں مصروف تھی۔ وہ اپنے آپ میں مگن کافی پڑھاکو قسم کی لڑکی تھی اور اس کی ساری دوستیں بھی ایسی ہی تھیں۔

ابھی بھی کیمسٹری کے فارمولے رٹتے اس کا ذہن ماہین میں اٹکا تھا۔

"اس نے مجھ سے دو چیپٹر زیادہ یاد کر کیسے لیے اور بتا اب رہی ہے، جب پرسوں پیپر ہے۔ بڑی ہی جیلس قسم کی مخلوق ہے۔" وہ دانت پیس رہی تھی۔

"اب میں یاد کیا ہوا کورس دہراؤں یا ان دو چیپٹر کو یاد کروں۔ کہہ رہی تھی اس کے بھائی کہہ رہے تھے یہ چیپٹر بہت امپورٹنٹ ہیں۔"

نوٹس کو گھورتے وہ اپنے ہی خیال میں تھی، جب فہد ادھر سے گزرا اور اسے خود سے الجھتے دیکھ کر رک گیا۔

"آپی.....!" فہد نے شرارتی انداز میں اسے مخاطب کیا تو حوریہ چونک اٹھی۔

"ہوں.....؟" اس نے سوالیہ انداز میں بھنویں اچکائیں۔

"وہ ہمارے ٹیچر کہہ رہے تھے جو کیمسٹری پڑھتے ہیں، وہ پکا پاگل ہو جاتے ہیں اور جو نہ ہوں سمجھو انہیں کیمسٹری آتی ہی نہیں۔" وہ ایک پل کو رکا۔ حوریہ کھا جانے والی نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو کیمسٹری آتی ہے آپی؟ پرسوں پیپر ہے ناں آپ کا؟" وہ اب مدبر بنا پوچھ رہا تھا۔

"دفعان ہو جاؤ یہاں سے۔" حوریہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا اور پھر اسے وہاں سے جاتے نہ دیکھ کر جوتے کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

"جا رہا ہوں..... جا رہا ہوں۔ آپ تو سیریس ہی ہو جاتی ہیں۔" وہ ڈرنے کی ایکٹنگ کرتا، گیند بلا لے کر باہر کی طرف بڑھ گیا۔

"کھیلنے جا رہا ہوں میں۔ مما کو بتا دینا آپی۔" وہ دروازے تک جا کر پلٹ آیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" حوریہ نے بے زاری سے اسے جانے کا اشارہ کیا مگر اس کے پلٹتے ہی اس پہ آیت الکرسی پڑھ کر پھونکنا نہیں بھولی تھی۔

ایک ہی تو بھائی تھا وہ۔ نوریہ اور اس کا لاڈلا۔ وہ دونوں بہنیں اوپر تلے کی تھیں۔ نوریہ بڑی تھی، دو سال بعد حوریہ اور اس سے تین سال چھوٹا فہد۔ بس تین بہن بھائی تھے وہ۔ چھوٹا سا خوش حال گھرانا تھا۔ بہن بھائی کا آپس میں پیار تھا تو نوک جھونک بھی چلتی رہتی تھی اور یہی زندگی کا حسن ہے۔

☆☆☆

رات کے دس بج رہے تھے اور وہ ابھی تک

UUNOVELS.COM

پڑھنے میں مصروف تھی۔ پڑھنے کیا بس رٹے لگانے میں مصروف تھی، جب وجاہت صاحب نے اس کے کمرے میں جھانکا۔

"حوریہ بیٹا! ابھی تک پڑھ رہی ہو کیا؟"

وہ کھلے دروازے کے درمیان میں کھڑے حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"جی بابا! بس تھوڑا سا رہ گیا ہے۔"

حوریہ ان سے زیادہ حیران ہوئی تھی کیونکہ سب ہی جانتے تھے ایگزامز میں اسے پڑھتے پڑھتے ایک یا دو تو بج ہی جاتے تھے۔

"مگر بیٹا! آپ کا پیپر تو کینسل ہو گیا ہے۔"

"جی.....؟" اس نے حیرت سے انہیں دیکھا تھا۔

"کیسے..... آپ کو کس نے بتایا؟" وہ نوٹس وہیں بیڈ پر چھوڑ کر ان کے پاس آن رکی تھی۔

"وہ....." وہ ایک پل کو رکے۔ "دو بم بلاسٹ ہوئے ہیں۔ حالات ایک دم سے خراب ہو گئے ہیں، اس وجہ سے تعلیمی ادارے غیر معینہ مدت تک بند کر دیئے گئے ہیں۔"

اسے بتاتے ہوئے وجاہت صاحب کے چہرے کی رنگت پھیکی سی پڑ گئی تھی۔

"مگر..... یہ کب ہوا..... ابھی کچھ دیر پہلے تو میری تانیہ سے بات ہوئی ہے، اس نے تو ایسا کچھ نہیں کہا۔" وہ الجھ کر انہیں دیکھ رہی تھی۔

"ابھی خبر نامہ سن کر آ رہا ہوں میں، عامر بھائی کے گھر سے۔" انہوں نے اپنے دوست اور پڑوسی کا ذکر کیا۔ اکثر شام وہ اکٹھے ہی گزارتے تھے۔

"میں پھر ماہین اور تانیہ کو میسج کر دوں، انہیں شاید ابھی تک پتا نہیں چلا۔" وہ موبائل اٹھانے کے لیے واپس پلٹی۔

"لینڈ لائن سے کر لو بیٹا! موبائل کے سگنلز بھی بند کر دیئے گئے ہیں۔ نہیں آ رہے۔"

وہ اسے مشورے سے نوازتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے تھے۔

جبکہ ان کے پیچھے لاؤنج کی طرف بڑھتی حوریہ ملکی حالات کو لے کر افسردہ ہو گئی تھی۔ پتا نہیں ابھی کیا کیا دیکھنا باقی تھا پاکستانی قوم کو۔ حالات سدھرنے کے بجائے بگڑتے ہی جا رہے تھے۔ اب پتا نہیں کتنے گھروں کے چراغ گل ہوئے تھے اور جانے کتنے دنوں تک..... کتنے گھروں کے چولہے ٹھنڈے رہنے تھے۔

اس نے ایک سرد آہ بھری اور ماہین کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

☆☆☆

کالج بند ہوئے دس بارہ دن ہو گئے تھے۔ حوریہ ایک ہفتہ تو پورے زور و شور سے پڑھتی رہی تھی اور نہ صرف دو مزید چیپٹر یاد کر لیے تھے بلکہ یاد کیے ہوئے کورس کو اچھی طرح دہرا بھی لیا تھا مگر کالج کھلنے کی فی الحال کوئی امید نہیں تھی۔ ان کا یہ آخری پرچا ہی رہتا تھا اور اسے بھلا وہ اور کتنا رٹ سکتی تھی۔ سو فی الحال فراغت کے مزے لوٹ رہی تھی۔

اس وقت بھی وہ آرام سے لاؤنج میں بیٹھی اپنی پسندیدہ مووی دیکھ رہی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ چپس کا شغل بھی جاری تھا، جب فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"جاؤ نور....." فون اس سے کچھ ہی قدم کے فاصلے پر تھا مگر اس نے لاپروائی سے کچن میں برتن دھوتی نوریہ کو آواز دی تھی۔

"کیوں..... میں کیوں اٹینڈ کروں؟ تمہارا ہی ہوگا۔" نوریہ وہیں سے بولی تھی۔

ان دس بارہ دنوں میں وہ فون اٹینڈ کر کر کے تھک چکی تھی۔ روزانہ درجن بھر کے حساب سے آنے والی فون کالز میں ان کی ایک آدھ ہی کال ہوتی تھی۔ باقی آس پڑوس میں سے کسی کا کوئی کام ہوتا یا پھر کسی کو بلانے کو کہا جاتا۔ دراصل ان کے قریبی گھروں میں موبائل آنے کے بعد سب نے اپنے پی ٹی سی ایل نمبر بند کروا دیے تھے۔ اب موبائلز کے سگنلز بند ہوئے تو سب نے ان کا نمبر استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔

"کیونکہ میں دو دفعہ اٹینڈ کر چکی ہوں، اب

UUNOVELS.COM

تمہاری باری ہے۔"
مسلسل بجتے فون کی چنگھاڑتی آواز بھی اسے ٹس سے مس نہیں کر سکتی تھی بلکہ اس نے ریموٹ سے ٹی وی کی آواز بھی اونچی کر دی تھی۔
"تانیہ یا ماہین ہوں گی۔" اسے اٹھتے نہ دیکھ کر نوریہ نے ترپ کا پتا استعمال کیا تھا۔ "کہیں کالج ہی نہ کھل گئے ہوں۔ تمہیں پیپر کا بتانے کے لیے کر رہی ہوں گی کال۔"
اس کی بات سن کر وہ تیزی سے اٹھی تھی۔ ترپ کا پتا کام کر گیا تھا۔
"ہیلو!" اس نے پھولی ہوئی سانسوں سے کہا۔ کال ماہین ہی کی تھی۔
"ہیلو حوریہ! تمہیں پتا چلا، پرسوں پیپر ہے۔" اس نے جیسے حوریہ کے سر پر بم پھوڑا تھا۔
"کیا؟" حوریہ کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔

☆☆☆

اور دو گھنٹے بعد وہ ماہین کو کال کر رہی تھی۔
"یار ماہین! مجھے تو سب کچھ بھول گیا ہے۔" وہ روہانسی سی تھی۔
"کیا مطلب سب بھول گیا ہے؟"
ماہین کو غصہ آ گیا تھا۔ وہ ویسے بھی غصے کی تیز تھی۔
"ریوائز کرو آرام سے بیٹھ کر اور مجھے بھی کرنے دو۔ جب ٹینشن لو گی تو یہی حال ہو گا۔ ایسا ہی لگے گا کہ سب بھول گئی ہو تم....." وہ ایک پل کو رکی۔
"تم اتنی ٹینشن کیوں لیتی ہو یار! آرام سے ریلیکس رہو، سب یاد تو ہے تمہیں۔"
اس کی حالت کا اندازہ کرتے ہوئے، ماہین نے بمشکل آخر میں اپنا لہجہ نرم کیا تھا۔ پتا تھا ملکہ جذبات ابھی آنسو بہانے لگیں گی اور وہی ہوا تھا۔
"ماہین! تم مجھے معیز بھائی سے "گیس" لگوا دو پلیز۔" وہ بولی تو لہجہ بھیگا سا تھا۔ ماہین دانت پیس کر رہ گئی۔
"ہاں وہ تو جیسے فارغ ہیں ناں..... اچھا، خیر۔ بتاؤ کون سے چیپٹر کے "گیس" لگوانے ہیں، کہتی ہوں انہیں۔ گھر پر ہی ہیں وہ....."
"سارے چیپٹر پہ لگوا دو۔" وہ خوش ہو گئی۔
"کیا.....؟" ماہین بے چاری حیران رہ گئی تھی۔
"تم نے چوائس پہ ایک چیپٹر بھی نہیں چھوڑا؟ کیوں؟"
"ہاں بس، وہ اتنا گیپ تھا کہ میں نے سوچا سارا ہی یاد کر لیتی ہوں۔" وہ اب پرسکون سی تھی اور ادھر ماہین ہکا بکا رہ گئی تھی۔
"تم..... تمہارا کوئی علاج نہیں ہے۔ ویٹ کرو، میں کہتی ہوں بھائی سے۔"
وہ بس یہی کہہ سکی تھی۔
اس کے بھائی نے کیمسٹری میں ماسٹرز کیا تھا اور اب ایم فل کر رہے تھے۔ کیمسٹری کے "گیس" وہ ان سے لگواتے تھے۔
"ہاں۔ میں ادھر لاؤنج میں ہی بیٹھی ہوں، تم جلدی کال کرنا مجھے، اوکے۔" وہ خوش ہو گئی تھی۔
"ہاں، ہاں۔ اب بند کرو گی تو ہی جاؤں گی ناں۔"
ماہین جھلا گئی تھی۔ وہ اپنا اور اس کا، دونوں کا ہی وقت برباد کر رہی تھی۔
"اوکے، اوکے۔ اللہ حافظ۔" حوریہ نے جلدی سے فون بند کر دیا تھا۔

☆☆☆

فون کی دوسری بیل پر ہی حوریہ نے لپک کر کال ریسیو کر لی تھی۔ وہ فون کے ساتھ ہی نوٹس لے کر بیٹھی تھی۔
"ہیلو۔" اس نے بے تابی سے کہا تھا۔
"ہیلو۔ السلام علیکم!" اجنبی مردانہ آواز تھی۔
ایک پل کو وہ حیران رہ گئی تھی۔
"جی؟" اس نے سوالیہ انداز میں کہا۔
"رانی سے بات کروا دیں۔"
"رانی.....؟" حوریہ کو حیرت زیادہ ہوئی تھی یا غصہ زیادہ آیا تھا، وہ خود بھی سمجھ نہیں سکی۔

UUNOVELS.COM

''کون رانی؟'' اس کا لہجہ خود بخود ہی تلخ ہوگیا تھا۔ ''ادھر کوئی رانی نہیں رہتی۔''

وہ فون بند کرنے ہی والی تھی، جب مخاطب بے تابی سے بولا۔

''دیکھیے فون بند مت کیجیے گا۔ میں اسلم صاحب کی بیٹی ریحانہ کی بات کر رہا ہوں۔ میں ان کی بڑی بہن منزہ کا دیور ہوں۔ بہت ضروری پیغام نہ دینا ہوتا تو آپ کو ڈسٹرب نہ کرتا۔'' اس کی لمبی چوڑی تمہید پر وہ لب کاٹ کر رہ گئی تھی۔

''اوکے۔ آپ پندرہ بیس منٹ بعد کال کریں، میں اسے بلواتی ہوں۔''

''بڑی مہربانی جی۔ بڑی مہربانی۔'' وہ جی بھر کر ممنون ہوا تھا۔

حوریہ نے بددلی سے ریسیور کریڈل پر پٹخا اور توجہ دوبارہ نوٹس کی طرف مبذول کرلی۔ اب وہ پڑھ بھی رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ گھڑی پر نظر بھی ڈالتی جا رہی تھی۔

''ماہین یار کر بھی لو کال اب..... ورنہ رانی کی کال آجائے گی۔ ابھی اسے بلوانا بھی ہے۔''

''نوریہ.....'' پھر اس نے وہیں سے نوریہ کو آواز دی تھی۔

''ہوں..... کیا ہوا؟''

وہ مما کے روم میں تھی، وہیں سے جھانک کر اس نے حوریہ کو سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''ریحانہ کو بلوا دو، کال ہے منزہ باجی کے گھر سے۔ کوئی ضروری بات کرنی ہے۔''

''اچھا.....'' اسے شاید حوریہ کی شکل دیکھ کر ترس آ گیا تھا تب ہی فوراً مان گئی تھی۔

''دیکھتی ہوں، گلی میں کوئی بچہ ہو تو اسے بھیجتی ہوں ان کے گھر۔'' اس نے باہر کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

''بیس منٹ بعد کا کہنا۔'' حوریہ نے اسے پیچھے سے آواز دی۔

''کیوں؟'' نوریہ نے اچنبھے سے مڑ کر اسے دیکھا۔

''وہ ماہین کی کال آنی تھی تو میں نے اسے بیس منٹ بعد کا کہا ہے۔''

''اچھا۔''

نوریہ کچھ اور بھی کہنا چاہتی تھی، مگر فون کی گھنٹی دوبارہ زور و شور سے بجنے لگی تو حوریہ نے بے تابی سے کال اٹینڈ کی۔

''ہاں ماہین! کیا بنا۔'' نوریہ اس کے اتاؤلے پن پر سر جھٹکتی باہر کی طرف بڑھ گئی تھی۔

''ہیلو، السلام علیکم!'' اجنبی مردانہ آواز.....

''اف.....'' حوریہ نے غصے سے آنکھیں میچیں۔

''جی؟'' اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''پریا سے بات ہوسکتی ہے۔'' وہ بہت بن کر بولا تھا۔

''پریا.....؟'' حوریہ نے خیال کے گھوڑے آس پاس دوڑانے شروع کیے مگر..... ان کے آس پاس پریا نام کی کوئی لڑکی ہوتی تو اس کے ذہن میں آتی۔

''کون پریا؟'' حیرت اتنی زیادہ تھی کہ اس کے حلق سے بمشکل ہی آواز نکلی تھی۔

''جی، آپ کے پڑوس میں رہتی ہے۔ عبداللہ کی صاحبزادی۔''

وہ بولا تو حوریہ کی آنکھیں حلقوں سے باہر ابل پڑیں۔

''پروین.....'' اس کے لب بے آواز ہلے تھے۔ وہ پریا کب سے ہوگئی؟ وہ سوچ کر رہ گئی تھی۔

''دیکھیں، ابھی اسے بلوانا مشکل ہے۔ آپ تھوڑی دیر بعد کال کریں..... ایسا کریں آدھا گھنٹہ بعد کال کرلیں۔'' اس کے ذہن پہ ماہین سوار تھی۔

''کہیں اسے انگیج ہی نہ مل رہا ہوں فون۔'' وہ پریشان سے یہی سوچ رہی تھی۔

''جی..... ابھی نہیں بلوا سکتیں۔ بہت ضروری بات کرنی ہے، باجی۔''

''باجی.....'' حوریہ کا صدمہ سے برا حال ہوا۔

''جی نہیں۔ ابھی کسی رانی کی کال آنی ہے۔

UUNOVELS.COM

اس کے بعد ہی آپ کی پریا کی باری آئے گی۔" اس نے ریسیور کریڈل پر پٹخا۔

"ہونہہ..... پریا..... رانی....." وہ بھنائی۔ "یہ ان مصیبتوں نے اپنے اپنے بوائے فرینڈز کو تو نہیں دے دیا ہمارے گھر کا۔"

یہ سوچ کر ہی حوریہ کو غصہ چڑھ رہا تھا۔

"ماہین کی کال نہ آنی ہوتی تو فون ہی انگیج کر دیتی۔ کرتے رہتے پھر اپنی پریا اور رانی کو کال۔"

وہ غصے سے لب چباتے، سامنے رکھے نوٹس کو گھورتے بڑبڑا رہی تھی۔ کوئی دور سے دیکھتا تو یہی سمجھتا کہ زور و شور سے پڑھائی کی جا رہی ہے۔

"نور....." اس نے قریب سے گزرتی نوریہ کو آواز دی۔

"پریاں..... آں..... نہیں۔" وہ گڑبڑائی۔

"پروین کو بھی بلوانا ہے۔ ابھی کال آتی ہے۔"

"توبہ ہے حوریہ! ابھی ریحانہ آئے گی تو اسے کہہ دینا، وہ جاتے ہوئے اسے کہتی جائے گی۔ ابھی اتنی مشکلوں سے تو ریحانہ کو بلوایا ہے۔"

"اور ہاں۔" وہ واپس مڑی تھی۔

"میں مما کی وارڈ روب سیٹ کر رہی ہوں۔ دوبارہ مجھے آواز مت دینا اور خبردار کچن سے بتول کو بھی مت بلانا۔ سارے کیبنٹ صاف کروا رہی ہوں اس سے اور تم....." وہ ایک پل کو رکی۔

"تم کیا ٹیلی فون آپریٹر بنی ہوئی ہو۔ اپنے روم میں جا کر پڑھو۔" وہ جاتے جاتے اسے بھی مشورے سے نواز گئی تھی۔

"خود ہی کال کر لیتی ہوں ماہین کو، ابھی تک تو معیز بھائی نے "گیس" لگا ہی دیے ہوں گے۔"

یہی سوچتے اس نے ٹیلی فون کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ گھنٹی ایک بار پھر بج اٹھی۔

"ہیلو....." اب کے اس نے کچھ کہنے سے گریز کیا تھا۔

"السلام علیکم! الشفاء ہاسپٹل۔" اجنبی مردانہ آواز۔

"اف، اب یہ شفاء کون ہے۔ ہاسپٹل تو اس کے سر سے گزر گیا تھا۔ ذہن میں صرف شفاء ہی رہ گیا تھا۔ وہ سمجھی اب کسی شفاء نامی لڑکی سے بات کروانے کو کہا جا رہا ہے۔"

"کون شفاء؟" اس کی آواز میں غصہ تھا۔

"جی....." اجنبی کی آواز میں حیرت تھی۔

"کون ہے یہ شفاء! بتائیے اب؟" وہ غصے سے دانت پیستی ساتھ ہی ساتھ سوچتی بھی جا رہی تھی کہ اگر یہ "نک نیم" ہے تو کس کا ہو سکتا ہے۔

"الشفاء ہاسپٹل..... مطلب ہسپتال۔" وہ بے چارہ شاید بوکھلا گیا تھا۔

"اوہ....." حوریہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"نہیں نہیں..... یہ تو گھر ہے۔ سوری رانگ نمبر۔" اس نے جلدی سے کال کاٹ دی۔

اف! کیا سوچتا ہوگا، مجھے الشفاء ہاسپٹل کا ہی پتا نہیں تھا۔ ہائے سوچ رہا ہوگا بڑی ہی کوئی جاہل لڑکی ہے۔ ماہین کو بھول کر اب اسے اور ہی پڑ گئی تھی۔

"خیر....." اس نے آنکھیں موند کر خود کو پرسکون کیا۔ ایک گہرا سانس لیا اور ماہین کو کال کرنے لگی۔

☆☆☆

اور یہ دو ہفتے بعد کی بات تھی۔ پرچا اس کا اچھا ہو گیا تھا۔ کلاسز اسٹارٹ ہونے میں ابھی دس، بارہ دن تھے سو اوپی ابھی اس کے لیے چین ہی چین لکھ رہا تھا۔

وہ کچن میں اپنے لیے چپس بنا رہی تھی۔ مما اور نوریہ شاپنگ کے لیے گئی تھیں اور بتول ابھی ابھی صفائی کر کے نکلی تھی۔ اس کا کچھ کھانے کا موڈ بنا تو وہ کچن میں آ گئی۔

"ماہین اور تانیہ کو کال کرتی ہوں۔ کلاسز اسٹارٹ ہونے سے پہلے کسی ایک فرینڈز کے گھر گیدرنگ رکھ لیتے ہیں۔" وہ چپس بناتے ہوئے یہی سوچ رہی تھی جب فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

چولہے کی آنچ دھیمی کر کے وہ کچن سے نکل کر لاؤنج میں آ گئی تھی۔

"ہیلو۔" اس کے انداز میں عجلت تھی۔

"السلام علیکم!" اجنبی مردانہ آواز.....

UUNOVELS.COM

"وعلیکم السلام!" لینڈ لائن پر زیادہ تر بابا کی کالز آتی تھیں سو اس کا لہجہ نارمل ہی تھا۔

"الشفاء ہاسپٹل....."

"جی....." وہ حیران ہوئی تھی۔ "نہیں..... سوری، رانگ نمبر۔"

پھر خود کو سنبھال کر اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔

"پتا نہیں کون ہے۔"

یہ اس دن کے بعد اس کی تیسری کال تھی اور عجیب اتفاق تھا کہ تینوں بار حوریہ نے ہی اٹینڈ کی تھی۔ وہ کچھ دیر اسی ادھیڑ بن میں کھڑی رہی کہ کون ہو سکتا ہے پھر سر جھٹک کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

اور پھر تو جیسے ایک معمول بن گیا تھا۔ وہ ایک آدھ ہفتے بعد کال کرتا اور سلام کرنے کے بعد وہی الفاظ دہراتا۔

"الشفاء ہاسپٹل۔"

اور وہ بھی سوری، رانگ نمبر کہہ کر کال کاٹ دیتی۔ نہ اس نے زیادہ بات کی، نہ ہی حوریہ کو زیادہ تجسس ہوا۔ کیوں؟

دراصل وہ ڈائجسٹ اور ناولز کی شوقین، افسانوی سی لڑکی تھی اور "عمیرہ احمد" کی حد سے زیادہ فین۔ ان کا ایک ایک ناول، افسانہ اس نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر پڑھا تھا تو پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ ان کا وہ ناول نہ پڑھتی جس میں ہیروئن کو ایک "رانگ کالز" سے محبت ہو جاتی ہے۔ پر بعد میں اسے پتا چلتا ہے کہ وہ فراڈ تھا اور اس کی ایک ایک بات اپنے دوستوں کو بتاتا تھا بلکہ اپنے دوستوں سے شرط لگا رکھی تھی کہ وہ اس لڑکی کو اپنی محبت میں مبتلا کر کے دکھائے گا۔

سو وہ خاصی محتاط تھی، ویسے بھی اجنبیوں پہ بھروسا کرنا یا ان سے زیادہ بات کرنا ان کی تربیت ہی نہیں تھی اور شاید یہ اس کا محتاط رویہ ہی تھا کہ اس رانگ کالز کی کالز میں کافی وقفہ آ گیا تھا۔ ہفتے ڈیڑھ ہفتے کے بجائے اب مہینوں بعد کبھی کال کر لیتا تھا اور حوریہ آرام سے رانگ نمبر کہہ کر کال کاٹ دیتی تھی۔

☆☆☆

اور یہ چار سال بعد کی بات تھی۔ حوریہ کا ماسٹرز مکمل ہو چکا تھا اور نوریہ شادی ہو کر لاہور چلی گئی تھی۔ فہد کا انجینئرنگ یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہو گیا تھا، وہ وہاں بزی تھا۔

گھر میں اب زیادہ تر مما، بابا اور حوریہ ہی ہوتے تھے۔ کبھی کبھی وہ بور ہو جاتی تھی، اکتا سی جاتی تھی ایک ہی طرح کے معمول سے۔ وہ جاب کرنا چاہتی تھی مگر.....

مما کی طبیعت صحیح نہیں رہتی تھی اور بابا کی ریٹائرمنٹ میں ابھی کچھ عرصہ رہتا تھا۔ وہ آفس چلے جاتے تھے تو گھر میں پیچھے حوریہ اور مما ہی ہوتی تھیں۔ سو وہ جاب کرنے کا شوق دل ہی میں دبا کر رہ جاتی تھی۔

تانیہ کی شادی ہو گئی تھی۔ جبکہ ماہین جاب کر رہی تھی۔ حوریہ جاب کر نہیں سکتی تھی اور فہد کی شادی سے پہلے اس کا شادی کا بھی کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اسے مما کو یوں اکیلے چھوڑنا بہت مشکل لگتا تھا لہٰذا فی الحال شادی کا ذکر بھی ٹالے جا رہی تھی۔

رانگ کالز کا سلسلہ ہنوز جاری تھا۔ کبھی تعطل بھی آ جاتا تھا، وہ سر جھٹک کر رہ جاتی.....

بڑا ہی مستقل مزاج انسان تھا، جو بھی تھا۔

ابھی بھی وہ مما اور بابا کا پرہیزی کھانا بنا کر فارغ ہوئی تو سوچا آج اپنے لیے کوئی اچھی سی ڈش بنا لے۔

وہ دونوں ہی بلڈ پریشر کے مریض تھے تو کم یا بنا نمک کے کھانا کھاتے تھے اور صرف اپنے لیے الگ سے کچھ بنانا اسے نری مصیبت لگتا تھا۔ جن دنوں فہد گھر میں ہوتا تھا وہ اس کے لیے کچھ اچھا ضرور بنا لیتی تھی ورنہ تو اکثر وہ مما اور بابا کے پرہیزی کھانے پر ہی نمک چھڑک کر کھا لیا کرتی تھی۔

فرائیڈ رائس بنانے کے لیے ابھی اس نے چاول بوائل کرنے رکھے ہی تھے، جب فون کی بیل ہوئی۔

شہر کے حالات آج کل پھر کافی خراب چل رہے تھے۔ ہر پل دل کو ایک دھڑکا سا لگا رہتا تھا کہ کچھ ہو نہ جائے۔

جب سے جواد پھوپھا کی بم بلاسٹ میں وفات

UQNOVELS.COM

ہوئی تھی، حوریہ کا تو اب کال اٹینڈ کرنے کو دل ہی نہیں کرتا تھا۔ ان کی وفات کی خبر بھی اس نے ہی فون پر سنی تھی۔ اب بھی وہ وسوسوں سے بھرے دل کو سنبھالتے ہوئے فون کی طرف بڑھی۔

"ہیلو۔ السلام علیکم۔" اجنبی مردانہ آواز......

"جی......" حوریہ کا انداز سوالیہ تھا۔

"یہ جی بات کریں۔"

وہ جو بھی تھا اسے بات کرنے کا کہہ کر اس نے ریسیو کسی اور کی طرف بڑھا دیا تھا۔ بس دو پل کی بات تھی مگر اتنے سے وقت ہی میں حوریہ کا دل وحشت زدہ ہو گیا۔

کیا ہوا تھا؟ کون تھا؟ کس سے بات کروانا چاہ رہا تھا؟ کیا پھر کوئی حادثہ......؟

لمحے کے ہزارویں حصے میں یہ خیالات اس کے ذہن سے گزرے اور وہ پسینے میں بھیگ گئی تھی۔

"ہاسپٹل الشفاء......" وہ ایک پل کو رکا اور پھر حوریہ کے کچھ کہنے سے قبل بول اٹھا۔

"نہیں جی۔ سوری، رانگ نمبر۔"

جو بھی تھا اس نے بالکل حوریہ کا انداز اپنانے کی کوشش کی تھی۔ پیچھے کچھ اور مردانہ دبی دبی ہنسی اور باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ کوئی گیدرنگ تھی۔ فون بند ہو چکا تھا اور وہ چپ کی چپ کھڑی رہ گئی۔ اس کے اندازوں کی جیسے تصدیق ہوئی تھی۔ وہ جو بھی تھا شاید شرط ہار چکا تھا اور اب اپنے دوستوں کے سامنے آخری کوشش کرنا چاہ رہا تھا یا پھر...... شاید دوست اسے چھیڑ رہے تھے۔

ایک پل کو اسے افسوس ہوا۔ پھر وہ سر جھٹک کر مما کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

کچھ عرصہ مزید گزر گیا۔ اس دن کے بعد پھر اس قسم کی کوئی کال نہیں آئی تھی اور اب اتنے عرصے بعد پھر سے وہی کال...... جبکہ وہ تقریباً بھول ہی چکی تھی اور اس پر اس کا انداز جیسے کوئی دیرینہ شناسا سا، کافی عرصے بعد ملا ہو۔ سر جھکا کر کھانا کھاتے ہوئے وہ یہی سوچے جا رہی تھی، جب مما نے اسے پکار لیا۔

"حوریہ!"

"جی مما۔" حوریہ نے چونک کر سر اٹھایا۔

"دیا اور جیا کا فون آیا تھا، کہہ رہی تھیں اس دفعہ تو حوریہ آپی کو ہمارے گھر رہنے بھیج دیں۔ ہر دفعہ تھوڑی سی دیر کے لیے آتی ہیں۔ اب تو آپ کے اکیلے ہونے کا بھی مسئلہ نہیں ہے۔"

انہوں نے عاطف چچا کی جڑواں بیٹیوں ودیعہ اور شجیعہ کا ذکر کیا تو حوریہ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"جی مجھے بھی کال کی تھی انہوں نے۔" وہ اس سے سات آٹھ سال چھوٹی تھیں مگر گھر پاس پاس ہی تھے تو وہ ایک دوسرے کی کمپنی کو کافی انجوائے کرتی تھیں۔

"پھر...... جاؤ گی؟" مما نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"چلی تو جاؤں مما! مگر پھر آپ کو اکیلے مسئلہ تو نہیں ہوگا۔" حوریہ کا انداز سوالیہ تھا۔

"ارے بھئی۔ تم نے تو انہیں بالکل ہی نکما کر دیا۔ کچھ ملنے جلنے دیا کرو انہیں بھی۔" مما کے کچھ کہنے سے پہلے ہی بابا بول اٹھے تھے۔ "تم جاؤ آرام سے اور پھر اب یہ اکیلی تو نہیں ہوں گی۔ میں نے اب کون سا آفس جانا ہوتا ہے۔ تم جاؤ، دو تین دن گزار آؤ چاچو کی طرف۔" وہ مسکرائے تھے۔

"ہاں بیٹا! ہماری وجہ سے تم نے خود کو بالکل ہی باؤنڈ کر دیا ہے۔ آج کل کی لڑکیوں والی تو کوئی بات ہی نہیں۔ گھر تک ہی محدود ہو گئی ہو۔ کبھی باہر نکلا کرو اور نہیں تو ساتھ والے پارک ہی چلی جایا کرو۔"

مما کا معمول کا لیکچر شروع ہو گیا تھا۔

"اف مما بور مت کریں ناں۔" وہ منہ بنا کر بولی۔

"نہیں، رئیلی حوریہ! تم بہت ڈل ہو گئی ہو۔ اپنے چاچو کے گھر سے ہو آؤ۔ پھر سی وی بناتے ہیں تمہاری اور وہ جو ماہین کے آفس میں ویکنسی نکلنے کا بتا رہی تھیں وہاں اپلائی کر دو۔"

بابا نے بھی مما کا ساتھ دیا تھا مگر ان کی بات سن کر وہ حیرت آمیز مسرت کا شکار ہو گئی تھی۔

"رئیلی بابا!" اس نے خوش ہو کر انہیں دیکھا۔

UUNOVELS.COM

"بالکل۔" اسے بچوں کی طرح خوش ہوتا دیکھ کر وہ مسکرا دیے تھے۔

"گریٹ۔" وہ مسکراتے ہوئے اب رغبت سے کھانا کھا رہی تھی۔ جبکہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے مما اور بابا نے اکٹھے ہی اس کے کسی اچھی جگہ نصیب کھلنے کی دعا کی تھی۔

☆☆☆

اگلے دن وہ دس بجے تک عاطف چاچو کے گھر پہنچ گئی تھی۔ پہلے دیا، جیا اور اس نے عائشہ چاچی کو ہٹا کر خود لنچ بنایا۔

"ارے یہ کچن کا پھیلاوا سمیٹے گا کون۔ کام والی چھٹی پر ہے۔" وہ چیختی رہ گئیں، مگر ان کی سن کون رہا تھا۔

اور ان تینوں کے کچن سے نکلنے کے بعد، کچن کی حالت زار ملاحظہ کر کے وہ بے چاری سر پکڑ کر رہ گئی تھیں۔

"دیا، جیا! تمہارے بابا کے ساتھ میں نے آج ڈنر پر جانا تھا اقبال صاحب کے گھر۔"

انہوں نے عاطف چاچو کے ایک قریبی دوست کا ذکر کیا۔

"اب میں یہ کچن سمیٹوں یا ڈنر پر جانے کی تیاری کروں۔" وہ سخت حالت افسوس میں تھیں۔

"او مما! کافی ٹائم پڑا ہے ابھی۔ پہلے کچن سمیٹ لیں پھر تیار ہو جایئے گا۔"

دیا کے لاڈ بھرے انداز میں کہنے پر وہ اسے گھور کر رہ گئی تھیں۔

خیر ایک بھرپور لنچ کرنے کے بعد انہوں نے بھی ڈنر باہر کرنے کا پروگرام بنایا۔

"مما!" جیا نے کچن میں کھڑی عائشہ کو مخاطب کیا۔ وہ کچن تقریباً سمیٹ ہی چکی تھیں۔

"جی بیٹا!" انہوں نے بھی اس کے انداز میں کچھ کھینچ کر، لمبا کر کے جی بیٹا بولا تھا۔ ہاں تھیں، پتا تھا اب پھر کوئی فرمائش پوری کروائی جائے گی۔

"وہ ہم سوچ رہے تھے....." وہ ایک پل کو رکی اور پیچھے کھڑی دیا اور حوریہ کو دیکھا۔ انہوں نے اسے "لگی رہو" کا اشارہ دیا تھا۔

"جی، جی....." عائشہ نے بھی گویا اسے مزید بولنے کو اکسایا تھا۔

"ہم سوچ رہے تھے کہ آپ اور بابا تو باہر ڈنر پر جا رہے ہیں تو کیوں نہ ہم بھی ڈنر باہر ہی کریں۔ اب کون صرف اپنے لیے ڈنر بنائے اور پھر کچن اتنی مشکل سے سمیٹا ہے۔ آپ ڈنر سے آئیں گی تو پھر پھیلا ہوا ہوگا۔ آپ کو مشکل ہوگی ناں۔" وہ جیسے ان کی بڑی ہمدرد بن کر بول رہی تھی۔

"اچھا اور یہ جو اتنا سارا کھانا بچ گیا ہے، یہ کون کھائے گا۔" عائشہ نے لنچ میں بچ جانے والے کھانے کا حوالہ دیا۔

"کیا مما؟" جیا صدمے بھرے انداز میں چلائی تھی۔

"آپ اپنی دو اکلوتی بیٹیوں اور ایک مہمان کو باسی کھانا کھلائیں گی۔ کمال کرتی ہیں مما..... کمال۔"

اس نے کچھ اس انداز میں کہا کہ دیا اور حوریہ کے ساتھ عائشہ کی بھی ہنسی چھوٹ گئی۔

"جاؤ میری ڈرامہ کوئن..... جاؤ۔ اب تم لوگوں نے فیصلہ کر لیا ہے تو میری کہاں سنی ہے۔ مگر جلدی آنا اور چابیاں اپنے ساتھ لے جانا، ہم لیٹ ہو جائیں گے۔"

"مما ہم آپ کی گاڑی لے جائیں، حوریہ آپی ڈرائیو کر لیں گی۔" دیا نے ملتجی انداز میں کہا۔

"او کے بھئی۔" عائشہ نے گہرا سانس لیا۔

"آہستہ چلانا حوریہ!" انہوں نے حوریہ سے تاکیدی انداز میں کہا۔

"تھینکس مما۔" انہوں نے خوش ہو کر ایک دوسرے کو وکٹری کا نشان دکھایا تھا۔

"اور ہاں۔ دیا! نواز چاچا کو کھانا گرم کر کے آپ نے دینا ہے اور چائے کا ترماس جیا بنائے گی۔" انہوں نے چوکیدار کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

"اور حوریہ آپی کیا کریں گی؟" جیا نے ساتھ اب حوریہ کو بھی گھسیٹ لیا تھا۔

UUNOVELS.COM

"میں تمہاری نگرانی کروں گی تاکہ تم کام صحیح سے کرو اور چلو اب تیاری کرو۔ جلدی جائیں گے تو جلدی آئیں گے ناں۔"

اس نے ان دونوں کو مزید بولنے کا موقع دیے بغیر تیاری کا کہہ دیا تھا اور پھر وہ عائشہ اور عاطف چاچو کے نکلنے سے پہلے ہی نکل گئی تھی۔ پہلے "ونڈو شاپنگ" پھر ڈنر اور اس کے بعد آئس کریم کھا کر ہی گھر واپسی ہوئی تھی۔

☆☆☆

ایک بھرپور دن گزارنے کے بعد اب وہ سٹنگ روم میں بیٹھی گپ شپ لگا رہی تھی۔ عاطف انکل اور عائشہ چاچی ابھی نہیں آئے تھے۔

"ایک تو اتنی سردی میں آئس کریم کھلا دی ہے۔ دانت ابھی تک بج رہے ہیں۔"

حوریہ نے سردی سے جھرجھری سی لی تھی۔

"جاؤ جیا! کافی تو بنا لاؤ۔ خوب کریمی اور چاکلیٹ کوٹنگ والی۔" وہ اب ہاتھ رگڑتے ہوئے جیا سے مخاطب تھی۔

"تو آپ خود کیوں نہیں بنا لاتیں۔" کام کا سن کر جیا نے منہ بنا لیا تھا۔

ابھی حوریہ نے جواب دینے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ اس کا موبائل زور و شور سے بج اٹھا۔

"دیکھو دیا! کون ہے؟"

موبائل ٹیبل پر پڑا تھا اور دیا کے قریب تھا تو خود اٹھنے کے بجائے اس نے دیا کو ہی کہہ دیا تھا۔

"پتا نہیں، کوئی انجان نمبر ہے۔"

دیا نے تھوڑا اچک کر موبائل اسکرین پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"اٹھاؤں؟" اس نے سوالیہ انداز میں حوریہ کو دیکھا۔

"نہیں، رہنے دو پتا نہیں کون ہے۔" حوریہ نے اسے منع کیا۔ مگر موبائل زور و شور سے بجے ہی جا رہا تھا۔

"آپ دیکھ لیں، شاید آپ نے سیو نہ کیا ہو۔ کوئی فرینڈ ہی نہ ہو آپ کی۔" اب کے جیا نے کہا۔

"دکھاؤ۔" حوریہ نے دیا کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس نے موبائل اٹھا دیا۔ اس نے غور سے نمبر دیکھا۔

"نہیں۔ پتا نہیں کون ہے۔" حوریہ کے انداز میں الجھن تھی۔

ایک بل کو کال آنا بند ہوئی تو انہوں نے سکون کا سانس لیا۔ مگر وہ سکون ایک پل کا ہی تھا، موبائل پھر زور و شور سے بجنے لگا۔

"اف توبہ، کتنی چنگھاڑتی ہوئی رنگ ٹون ہے آپ کی۔ کانوں کے پردے پھٹنے لگے ہیں۔" جیا بولی۔

"کر لیں اٹینڈ، کہیں مما یا بابا کی ہی نہ ہو۔" دیا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"تو وہ تمہارے موبائلز پر کیوں نہیں کر رہے۔" حوریہ نے نکتہ اعتراض اٹھایا۔

"لیکن رانگ کالز اتنے مستقل مزاج تو نہیں ہوتے۔ اب دیکھیں، بارہ تیرہ مس کالز تو آ ہی چکی ہیں۔" یہ دیا تھی۔

"ہوتے ہیں کچھ ایسے ڈھیٹ انسان بھی۔" حوریہ نے موبائل اسکرین کو گھورتے ہوئے کہا۔

"تم پہلے عائشہ چاچی کو کال کرو، کہیں واقعی وہی نہ ہوں۔ اس کے بعد کافی بنا کر لاؤ پھر میں تمہیں بتاتی ہوں کہ رانگ کالر کتنے مستقل مزاج ہو سکتے ہیں۔" حوریہ نے گویا اسے لالچ دیا۔

"اچھا۔" جیا بھی فوراً اٹھی تھی۔

پھر انہوں نے عائشہ چاچی کو کال کر کے بھی دیکھ لی۔ وہ ڈنر میں مصروف تھیں۔ جیا کافی بھی بنا لائی اور موبائل تھا کہ مستقل بجے ہی جا رہا تھا۔ آخر تنگ آ کر حوریہ نے موبائل آف کر دیا۔

"ویسے کر لیتیں اٹینڈ۔ پتا نہیں کون تھا بے چارہ۔" جیا کو اب جیسے اس اجنبی پر ترس آیا تھا۔

"اونہوں، اجنبی نمبر کبھی اٹینڈ نہیں کرنا چاہیے....."

UUNOVELS.COM

''اچھا، وہ آپ کسی ڈھیٹ قسم کے رانگ کالر کا ذکر کر رہی تھیں۔'' حوریہ کی بات درمیان میں کاٹ کر دیا بولی تھی۔

اب کون اس کا گھنٹہ بھر کا بورنگ لیکچر سنتا۔

''ہاں وہ.....'' حوریہ نے ایک پل کو سوچا پھر انہیں شروع سے ساری بات بتادی۔ دونوں کا حیرت سے برا حال تھا۔

''امیزنگ..... سات آٹھ سال ہوگئے، وہ ابھی تک بھولا نہیں۔'' جیا حیران تھی۔

''اور یہ بھی تو دیکھیں، اسے ابھی تک نمبر بھی یاد ہے۔'' یہ دیا تھی۔

''اف..... حوریہ آپی! آپ کو کبھی تجسس نہیں ہوا کہ وہ کون تھا..... کیسا تھا..... کیوں کرتا ہے کالز؟'' جیا جیسے اس کی بے نیازی پر حیران تھی۔

''نہیں بھئی تجسس کیسا؟'' حوریہ الجھی تھی۔

''ویسے ہی ضد میں آ گیا ہوگا کہ اس لڑکی سے فرینڈ شپ کرنی ہے۔ ہوتے ہیں ایسے لوگ بھی۔ نظر انداز کرو تو زیادہ پیچھے پڑ جاتے ہیں۔''

حوریہ بولی تو جیا اور دیا افسوس سے سر ہلا کر رہ گئیں۔

''تو نہ کرتیں نظر انداز، کر لیتیں بات بے چارے سے۔'' جیا کو جیسے اس اجنبی پر ترس آیا تھا۔

''نہیں بھئی۔ پتا نہیں کون تھا، کس قماش کا انسان تھا۔ میں کیوں کرتی بات؟'' حوریہ نے تیکھے انداز میں کہا۔

''مجھے تو لگتا ہے، اسے آپ سے محبت ہوگئی تھی اور ڈر بھی گیا تھا آپ سے۔ جب بہت یاد ستاتی ہوگی تو کال کر لیتا ہوگا۔ ہے ناں جیا۔'' دیا نے تو نکتے سے افسانہ بنا دیا تھا۔

''ہاں، بے چارہ۔ کافی شریف اور اچھا انسان تھا۔ ورنہ فری ہونے کی تھوڑی سی کوشش تو کرتا ناں۔ صرف ایک لفظ تھوڑی ناں بولتا۔''

جیا اور دیا دونوں ہی اس کی بات ماننے سے انکاری تھیں۔

''ایک بات یاد رکھنا۔ مرد کو ہمیشہ فری ہونے کی جرأت عورت سے ملتی ہے۔ عورت کی باتوں سے، انداز اور آواز سے یا پھر آنکھوں سے۔'' وہ ایک پل کو رکی۔

''اسی لیے تو نظریں جھکا کر چلنے اور نامحرم سے سخت لہجے میں بات کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ جن کے دلوں میں کھوٹ ہے وہ سمجھ جائیں کہ یہ عورت ہمارے ٹائپ کی نہیں ہے۔ آئی کچھ سمجھ میں۔''

اس نے اپنی اس چھوٹی سی کزن کے سر پر ہلکی سی چپت مارتے ہوئے، ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

دیا اور جیا اس کی بات سن کر پرسوچ انداز میں سر ہلا کر رہ گئی تھیں۔ تب ہی کوئی دستک دے کر اندر آیا تھا۔ دیا اور جیا اسے دیکھ کر اچھل پڑی تھیں۔

''تیمور ماموں! واٹ آ پریزنٹس سرپرائز۔ آپ پنڈی سے کب آئے۔''

حوریہ نے چونک کر دیکھا، وہ گہری نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اسے الجھن سی ہوئی۔ ہمیشہ ہی ہوتی تھی، اس کی نظریں ہی ایسی ہوتی تھیں۔

''یہ کب آیا؟'' وہ سوچ کر رہ گئی۔

جیا اور دیا اب اس سے باتیں کرنے میں مصروف تھیں۔ وہ ان سے نو دس سال ہی بڑا تھا اور کافی بے تکلفی تھی ان کے درمیان۔ اب بھی ان سے بات کرتا وہ ڈیسنٹ اور ہینڈسم، کہیں سے بھی ان کا ماموں نہیں لگ رہا تھا۔

حوریہ اسے سلام کر کے باہر نکل آئی تھی۔ اس کی سوچیں کسی اور سمت ہی چل پڑی تھیں۔

انسانی نفسیات بھی خوب ہے۔ کبھی کبھی بالکل ہموار، سیدھی اور سپاٹ سی سوچ میں، کسی کی باتوں کا ایسا ''اسپیڈ بریکر'' آتا ہے کہ سوچ کی گاڑی قابو سے باہر ہو کر، کسی اور ہی سمت چل پڑتی ہے۔ حوریہ کے ساتھ بھی ایسا ہوا تھا۔ اس نے ان رانگ کالز کے بارے میں اپنی ایک سوچ سی بنالی تھی اور اسی پر قائم تھی۔ ان کالز کو کسی اور زاویے سے پرکھنے کی کبھی اس نے ضرورت ہی نہیں سمجھی تھی مگر اب.....

JUNOVELS.COM

اس کی سوچ کے آگے، دیا اور جیا کی باتوں کا اسپیڈ بریکر آ گیا تھا۔ انہیں تو اس نے سمجھا دیا تھا مگر خود اس کے اندر تجسس جاگ اٹھا تھا۔ پہلے خیال آنے پر وہ سر جھٹک دیتی تھی، مگر آج فرصت سے سوچ رہی تھی۔

"آخر وہ کون تھا؟"

☆☆☆

"حوریہ! تم ریڈی ہو؟" ماہین کی کال تھی۔

"بالکل۔" حوریہ خوش دلی سے بولی تھی۔

"میں نکل رہی ہوں پھر۔"

"اوکے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کال کاٹ دی تھی۔

آج حوریہ کا آفس میں پہلا دن تھا تو اسے پک اینڈ ڈراپ کرنے کی ذمہ داری ماہین نے لے لی تھی۔ کل سے اسے خود جانا تھا۔ ایسے یہاں پر فوراً جاب ملنے میں جہاں اس کے شان دار تعلیمی ریکارڈ کا کردار تھا، وہیں ماہین نے بھی کافی کوشش کی تھی۔ تیار تو وہ تھی پھر بھی اس نے ایک بار پھر آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔

کالے، سرخ اور سفید امتزاج کے سوٹ میں اس کی گوری رنگت دمک رہی تھی۔ جیولری کے نام پر کانوں میں ٹاپس اور بائیں ہاتھ میں بلیک اسٹون کی رنگ تھی۔ چہرے کو ہلکا سا ٹچ کرنے کے بعد لائٹ پنک کلر کی لپ اسٹک اور مسکارا لگایا تھا اور اتنی سی تیاری ہی اسے بے تحاشا حسین دکھا رہی تھی۔ وہ دل سے مسکرائی اور پھر بیگ اٹھا کر ڈائننگ روم میں آ گئی۔

"ماشاء اللہ۔" اسے دیکھ کر مما نے بے ساختہ کہا تھا۔

مما اور بابا ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے اس کا ہی انتظار کر رہے تھے۔ آج مما نے اس کے اصرار کے باوجود ناشتا خود بنایا تھا۔ فہد بھی آیا ہوا تھا اور ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا کچھ خفگی بھرے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔

فہد کو بہت اچھی جاب مل گئی تھی اور وہ اس کی جاب کے حق میں نہیں تھا۔ مگر مما، بابا اور حوریہ کے سامنے اس بے چارے کی کیا چلنی تھی، سو آنکھوں سے ہی خفگی کا اظہار کر رہا تھا۔ حوریہ کو بے ساختہ اس پر پیار آ گیا۔ اس کا یہ چھٹکا سا بھائی اتنا بڑا ہو گیا تھا کہ اس کی زندگی کے فیصلوں پر اپنی رائے دینے لگا تھا بلکہ اپنی منوانا بھی چاہتا تھا۔

اس کی خفگی بھری آنکھوں کو دیکھتے ہوئے، حوریہ نے شرارتی انداز میں اس کے بال بگاڑے اور گاجر اور مالٹے کا مکس جوس، گلاس میں انڈیل کر اس کی ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ سردیوں میں یہ جوس ناشتے میں اس کا پسندیدہ تھا اور پھر دو مکھن لگے سلائس۔

"آرام سے..... آرام سے۔ پھندا لگ جائے گا۔"

اس کے جلدی جلدی جوس پینے پر اس کے لیے سلائس پر مکھن لگاتی مما نے ٹوکا تھا۔

"بس مما۔" اس نے دوسرے سلائس پر مکھن لگانے سے انہیں روکا تھا۔

"ماہین آنے والی ہوگی، نکل چکی ہے وہ۔"

ان کے سوالیہ انداز میں دیکھنے پر حوریہ نے وضاحت کی تھی۔

"تھوڑی دیر ویٹ کر لیں گی، آپ ناشتا کریں آرام سے۔" فہد نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم تو کرو، تم کیوں مہمان بن کر بیٹھے ہو۔ کچھ لے کیوں نہیں رہے۔"

حوریہ نے اسے یوں ہی بیٹھے دیکھ کر ٹوکا۔

"میرا موڈ نہیں ہے۔ یہ تو بس آپ کا ساتھ دینے کے لیے جلدی اٹھ گیا ہوں۔"

وہ بے نیازی سے بولا تھا۔ جاب کے بعد وہ پہلی دفعہ گھر آیا تھا اور گیارہ، بارہ بجے سے پہلے نہیں اٹھتا تھا۔

"اس کی روٹین سیٹ کریں مما! بڑی اپ سیٹ روٹین بن گئی ہے اس کی، جب سے کراچی گیا ہے۔"

UUNOVELS.COM

حوریہ نے جیسے مما، بابا کو اکسایا تھا۔
"اب اس کی بیوی ہی سیٹ کرے گی اسے۔ کرتی ہوں میں کچھ اس کا انتظام۔" مما نے ہنستے ہوئے کہا۔
"پہلے حوریہ آپی!" فہد نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے تھے۔
"مما!" حوریہ نے خفگی بھرے انداز میں انہیں دیکھا۔ "پہلا دن ہے میری جاب کا اور آپ لوگ ابھی سے ایسی باتیں کرنے لگے ہیں۔" تھوڑی جھلاتی، تھوڑی شرماتی وہ کھڑی ہوگئی تھی۔
"ماہین کی کار کا ہارن ہے شاید، او کے اللہ حافظ۔" اخبار کی سرخیوں پر نظر دوڑاتے بابا کو دیکھنے سے اس نے دانستہ گریز کیا تھا۔
"اللہ حافظ۔" بابا اور مما کے منہ سے بیک وقت نکلا تھا۔
"چلیں، میں آپ کے ساتھ گیٹ تک چلتا ہوں۔" فہد کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔
حوریہ نے محبت بھرے انداز میں اپنے سے اونچے، لمبے، چھوٹے بھائی کو دیکھا اور دل سے مسکرادی۔

☆☆☆

"سو، یہ ہے تمہاری ٹیبل۔"
ماہین، باس سے ملوانے کے بعد اسے اس بڑے سے ہال کمرے میں لے آئی تھی، جس میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر میز اور کرسیاں لگی تھیں۔ ہر میز پر ایک کمپیوٹر اور ٹیلی فون سیٹ کے علاوہ، فائلز کا انبار بھی آنے والوں کا منتظر تھا۔ ہال میں فی الحال ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آرہا تھا، شاید وہ وقت سے کچھ پہلے آگئی تھی۔
"یہ....." حوریہ نے کافی حیرت سے اسے دیکھا۔
"کوئی الگ روم نہیں مل سکتا مجھے۔" وہ جی بھر کے بدمزا ہوئی تھی۔
"الگ روم۔" ماہین کی ہنسی نکل گئی۔ "یار مجھے ادھر کام کرتے چار، پانچ سال ہوگئے ہیں۔ اب کہیں جا کے چھوٹا سا کیبن ملا ہے اور تم ڈائریکٹ الگ روم پر آگئی ہو۔"
وہ اب ہنسی روک کے اسے سمجھا رہی تھی۔
"اچھا۔" حوریہ نے مرے مرے انداز میں کہا۔
"جی..... یہ روم تمہارے ساتھ سات اور کولیگ شیئر کریں گے۔ چار میل اور تین فی میلز۔ اچھے ہیں سارے کوآپریٹو۔ اچھا ماحول ہے آفس کا۔ کافی فرینڈ شپ ہے سب میں۔ اپنی ڈیڑھ انچ کی الگ مسجد نہ بنالینا۔ گھل مل کر رہنا سب سے۔ ابھی آتے ہیں سارے تو ملواتی ہوں تمہیں، بس....." وہ ایک پل کو رکی۔
"کیا؟" غور سے سنتی حوریہ نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔
"اعجاز صاحب سے تھوڑا بچ کر رہنا۔"
"کون اعجاز صاحب؟" حوریہ نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔
"اور کیوں؟"
"اعجاز صاحب تمہارے ڈیپارٹمنٹ ہیڈ ہیں۔ تمہارا زیادہ تر واسطہ ان ہی سے پڑے گا اور سچ کہوں تو یار! کافی فلرٹ بندہ ہے۔ پچاس سے اوپر کا ہے، جوان بچیاں ہیں مگر بنتا ابھی بھی جوان ہے۔"
وہ ایک پل کو رکی، پھر حوریہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑتی دیکھ کر ہنس پڑی۔
"ڈونٹ وری۔ بے ضرر بندہ ہے۔ بس ذرا لڑکیوں کی کمپنی میں خوش ہوتا ہے۔ اب اتنا بھی پریشان مت ہو۔ چہرے کا رنگ ہی اڑ گیا ہے۔" اس نے حوریہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
"السلام علیکم!" تب ہی دو تین افراد اکٹھے اندر داخل ہوئے تھے۔
"وعلیکم السلام!" ماہین مسکراتے ہوئے اب ان کی طرف متوجہ ہوچکی تھی۔
"مزاج بخیر۔" وہ اب ایک دوسرے کا حال

UUNOVELS.COM

احوال لے رہے تھے اور سوالیہ نظریں حوریہ کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"یہ آپ کی نئی کولیگ ہیں حوریہ!" ان کی سوالیہ نظروں کے جواب میں ماہین نے تعارف کروایا۔ "آپ کا روم شیئر کریں گی۔" وہ مسکرائی تھی۔

"او، ویلکم۔" ایک سانولی سی لڑکی نے فوراً ہاتھ بڑھایا تھا۔

حوریہ نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"او کے منیبہ! میں جاتی ہوں پھر، فریحہ آئے تو حوریہ کو فی الحال اس کے ساتھ سیٹ کر دینا۔ اسے سب ساتھ ساتھ بتاتی رہے گی۔"

"او کے میم!" منیبہ نے تابع داری سے سر ہلایا اور ماہین متانت سے سر ہلاتی آگے بڑھ گئی۔ جبکہ حوریہ اس کے انداز پر بمشکل ہنسی روکتی منیبہ کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

☆☆☆

"کیسا گزرا آج کا دن؟" واپسی پر ماہین اس سے پوچھ رہی تھی۔

"ٹھیک۔" حوریہ کے جواب پر ماہین نے کافی حیرت سے اسے دیکھا۔

"کیا مطلب۔ صرف ٹھیک، یار جاب کرنے کا اتنا شوق تھا تمہیں۔ اتنے سالوں کے انتظار کے بعد تمہاری یہ خواہش پوری ہوئی ہے اور تم کہہ رہی ہو کہ بس ٹھیک، تمہیں تو اڑ کر آسمان چھو لینا چاہیے تھا۔"

پورے دن کا متانت بھرا رویہ بھلائے، وہ اب پہلے والی ماہین بن چکی تھی۔

"چہ..... کوئی کامہ، فل اسٹاپ جیسی چیز ہوتی ہے۔ آپ کی گفتگو میں۔" حوریہ ہنس پڑی تھی۔

"یار پہلا دن تھا، نہ ابھی میں کسی کو جانتی ہوں، نہ کوئی مجھے تو بس جان رہی ہوں سب کو۔ سمجھ رہی ہوں ان کے مزاج کو، کچھ دن لگیں گے۔ پھر مزا بھی آنے لگے گا۔"

اس نے ماہین کی تسلی کے لیے، اپنی عادت کے برخلاف کافی تفصیلی جواب دیا تھا۔

"ویسے حوریہ! جاب تم نے غلط وقت پر اسٹارٹ نہیں کر لی؟" سڑک پر چلتی گاڑی کی طرح ماہین کا لہجہ بھی ہموار تھا۔

"کیوں؟" حوریہ نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"دیکھو، فہد کی جاب لگ گئی ہے اور آنٹی اس کی شادی سے پہلے تمہاری شادی کریں گی اور تم اب انکار کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہوگی، ہے ناں۔"

ماہین نے رک کر تصدیقی انداز میں اسے دیکھا۔

"ہاں..... مگر اس کا میری جاب سے کیا تعلق ہے۔"

"تم کیا شادی کے بعد جاب چھوڑ دو گی۔"

حوریہ نے حیرت سے ماہین کو دیکھا تھا۔ سات آٹھ ماہ بعد اس کی شادی تھی۔

"میری بات دوسری ہے۔ سعد اور میں ایک ہی جگہ جاب کر رہے ہیں، تو فی الحال کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ بعد میں دیکھو گی، مینج نہ کر سکی تو چھوڑ بھی سکتی ہوں۔" ماہین نے اپنے منگیتر کا نام لیتے ہوئے کہا۔

"اچھا، میں بھی پھر یہیں کوئی ڈھونڈ لوں گی۔" حوریہ نے شرارتی انداز میں اسے دیکھا۔

"خبردار..... سوچنا بھی مت۔" ماہین تو جیسے اچھل پڑی۔

"کیوں بھئی؟" حوریہ کو حیرت ہوئی تھی۔

"کوئی تمہارے قابل بچا ہی نہیں ہے آفس میں، سب میریڈ ہیں یا پھر انگیجڈ۔"

اس نے فوراً ہی ہونٹ لٹکاتے ہوئے حوریہ کو جواب دیا تھا۔

"خیر..... معیز بھائی کی جاب پرمنٹ ہوگئی ہے۔"

"واؤ، مبارک ہو۔ کہاں وہیں یونی میں۔" وہ گزشتہ پانچ سال سے یونیورسٹی میں کانٹریکٹ بیس پر پڑھا رہے، سو حوریہ نے بھی اسی حساب سے اندازہ لگایا تھا۔

UUNOVELS.COM

"ہاں۔ ایسوسی ایٹ پروفیسر ان کیمسٹری ڈیپارٹمنٹ۔" وہ فخر سے بولی تھی۔

"زبردست۔ ویسے اتنی ینگ ایج میں معیز بھائی پروفیسر بن گئے۔ اب شادی بھی کردو ان کی، ایسا نہ ہو کوئی اسٹوڈنٹ اچک لے انہیں۔" وہ اب ماہین کو چھیڑ رہی تھی۔

"ہاں، شکر ہے مان گئے ہیں شادی کے لیے بھی اور فکر نہ کرو، کوئی اسٹوڈنٹ نہیں اچکتی انہیں۔ دل ہار چکے ہیں وہ پہلے ہی کسی پر۔"

"اچھا، لگتے تو نہیں ایسے۔"

حوریہ کو حیرت ہوئی تھی کہ کافی سنجیدہ مزاج کے معیز بھائی بھی ایسے ہو سکتے ہیں۔

"جی..... لو میرج ہوگی ان کی اور پتا ہے سالوں سے محبت کر رہے ہیں اس لڑکی سے۔ شادی کے لیے بھی اس لیے نہیں مان رہے تھے کہ لڑکی بھی ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔"

"امیزنگ..... پھر مان گئی ہے اب وہ۔ کون ہے ویسے۔" حوریہ تو حیرت سے مرنے والی ہو رہی تھی۔

"تم....." ماہین کے یک لفظی جواب نے اس کا دماغ بھک سے اڑا دیا تھا۔

"کیا.....؟" اس کی چیخ اور ماہین کی بریک بے ساختہ تھی۔

گھر آ گیا تھا۔ وہ ماہین کی طرف دیکھے بغیر گاڑی سے اتری اور گھر میں داخل ہو گئی۔

"سنو تو۔" ماہین آوازیں دیتی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

"اف، یہ کیا کہہ رہی تھی ماہین۔"

حوریہ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ بڑی مشکل سے خود کو سنبھال کر مما اور بابا کے سوالوں کے مناسب جواب دیتی وہ خود کو اپنے کمرے تک گھسیٹ لائی تھی اور اب بند کمرے میں دھڑکتے دل سے وہ ماہین کی باتیں سوچے جا رہی تھی۔

"معیز بھائی اور مجھ سے....."

پیروں کو سینڈل کی قید سے آزاد کرتے اس کے ہاتھ رکے۔

"نہیں، نہیں ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ ورنہ کبھی تو مجھے کچھ فیل ہوتا۔"

وہ لب چباتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"اور پھر سالوں سے....."

"کب سے.....؟"

وہ خود سے ہی الجھ رہی تھی۔

ان کے گھر آنا جانا لگا ہی رہتا تھا۔ ان کا رویہ اس کے ساتھ ویسا ہی رہا تھا جیسے۔ ماہین یا تانیہ سے۔ ہمیشہ نارمل سے ہی رہے تھے وہ۔ کبھی ان کی خود پہ پڑنے والی نظروں کے بدلتے انداز اس نے محسوس ہی نہیں کیے تھے۔

"ہاں مگر ایک بار....." سوچتے سوچتے اس کے ذہن میں کچھ کلک ہوا تھا۔ تب ان کا بی ایس سی، پارٹ ون چل رہا تھا۔ امتحانات میں کچھ ہی عرصہ رہتا تھا۔ وہ ماہین کے گھر کمبائن اسٹڈی کے لیے اکٹھی ہوئی تھیں اور جب پڑھتے پڑھتے تھک گئیں تو باہر لان میں آ گئیں۔ ماہین نے چوکیدار کو بھیج کر گول گپے منگوا لیے تھے اور اب وہ سی سی کرتے ان گول گپوں سے بھرپور انداز میں لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ جب تانیہ بے ساختہ بول پڑی۔

"اللہ..... حوریہ! تم کتنی پیاری لگ رہی ہو۔"

تیز مرچوں نے اس کے گلابی لبوں کو سرخ کر دیا تھا اور سفید چہرہ گلابی پڑ گیا تھا۔

"ہیں.....؟" حوریہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"میں تمہیں زولوجی کی پریکٹیکل نوٹ بک نہیں بنا کر دوں گی۔ جتنی مرضی جھوٹی تعریفیں کر لو۔"

وہ ایسے ہی کرتی تھی۔ کوئی بھی کام نکلوانا ہوتا، پہلے تعریف کر دیتی تھی اور پھر ماہین تو نہیں مگر حوریہ بے چاری اکثر اس کے جال میں پھنس جاتی تھی۔

"ہاں، جھوٹی تعریفیں کر کے کام نکلوانے میں تو یہ ماسٹر ہے۔" ماہین نے بھی اسے چڑایا تھا۔

UUNOVELS.COM

"نہیں سچ میں....."

تانیہ نے تیزی سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"ہے ناں معیز بھائی!" پھر اس نے کچھ فاصلے پہ ٹیبل پہ کتابیں پھیلائے معیز بھائی کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

"کیا.....؟" وہ الجھ کر اسے دیکھ رہے تھے، شاید ان کی باتوں کی طرف ان کا دھیان نہیں گیا تھا۔

"کچھ نہیں۔" حوریہ کی بات اس کے منہ میں ہی رہ گئی تھی۔

"یہ حوریہ پیاری لگ رہی ہے ناں معیز بھائی۔" سدا کی منہ پھٹ تانیہ بنا سوچے سمجھے بول پڑی تھی۔

"اف....." حوریہ کے گال دہک اٹھے تھے۔

"پاگل....." وہ بڑبڑا کر رہ گئی تھی۔

معیز بھائی بنا کوئی جواب دیے، مسکرا کر دوبارہ اپنی کتابوں کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

"ہیں ناں معیز بھائی۔" تانیہ تو جیسے پیچھے ہی پڑ گئی تھی۔

"تانیہ.....!" حوریہ کا کچھ شرمندگی اور کچھ غصے سے برا حال تھا۔ گھاس نوچتی وہ مضطرب سی تھی۔

"اف، کیا سوچ رہے ہوں گے معیز بھائی!" ماہین بھی اب تانیہ کو گھور رہی تھی۔ وہ گڑبڑا گئی۔

"میں تو ویسے ہی..... سوری معیز بھائی! آپ پڑھیں۔"

تانیہ اب دونوں کے باقاعدہ گھورنے پہ بوکھلا گئی تھی۔

"آؤ، ہم بھی پڑھتے ہیں۔" وہ اب ان دونوں کو جیسے وہاں سے اٹھانا چاہتی تھی۔ حوریہ بھی فوراً کھڑی ہو گئی تھی۔

اور یہی پہلی اور شاید آخری بار تھا جب اس نے معیز بھائی کی گہری نظروں کو اپنے چہرے پہ محسوس کیا تھا۔

☆☆☆

"آج عائشہ آئی تھی۔"

ڈنر کے بعد حوریہ، اپنی کافی اور مما، بابا کی چائے لے کر ان کے کمرے میں گئی تو مما نے اسے اپنے ساتھ بیڈ پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تو پھر اس میں ایسی خاص طور پر بتانے والی کیا بات ہے۔ آتی ہی رہتی ہیں وہ تو۔"

حوریہ اپنا مگ لے کر، وہیں ان کے ساتھ ہی کمبل میں گھس گئی تھی۔

"بابا کہاں ہیں۔ چائے تو ٹھنڈی ہو جائے گی ان کی۔" کافی کا سپ لیتے ہوئے اس نے بابا کا پوچھا تھا۔

"وہ عامر صاحب کے ساتھ واک پہ گئے ہیں۔"

مما کے جواب پہ حوریہ کی ہنسی بے ساختہ تھی۔

"اچھا، تو وہ لے ہی گئے آج بابا کو۔"

ریٹائرمنٹ کے بعد وجاہت صاحب کا وزن بڑھ رہا تھا اور حوریہ کے بار بار کہنے پر بھی وہ قریبی پارک میں چہل قدمی پہ جانے کو ٹالے جا رہے تھے۔ لیکن آج عامر انکل انہیں لے ہی گئے تھے۔

"ہاں..... اور آج عائشہ کا آنا خاص تھا جب ہی تو خاص طور پر تمہیں بتا رہی ہوں۔"

مما پھر پہلے والے موضوع پہ آ گئی تھیں۔

"اچھا، چلیں بتائیں، کیا خاص بات تھی۔" انگلیوں کی سرد پوروں کو کافی کے گرم کپ پہ دباتے ہوئے حوریہ مسکرائی تھی۔

"ڈاکٹر تیمور کا رشتہ لائی تھیں تمہارے لیے۔"

مما نے ڈاکٹر پہ زور دیتے ہوئے عائشہ کے بھائی کا ذکر کیا تھا۔

"جی.....؟" حوریہ کی حیرت بس لمحاتی ہی تھی۔ تیمور کی کچھ بولتی، جتاتی نظروں کو تو وہ کب سے اگنور کرتی آ رہی تھی۔ اس کا رشتہ بھیجنا کچھ ایسے اچنبھے کی بات نہیں تھی اس کے لیے۔

وہ خاموشی سے کافی کے گھونٹ لیتی رہی۔

"میں نے فی الحال اقرار تو نہیں کیا، مگر انکار کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے۔ چھوٹی سی، دیکھی

UUNOVELS.COM

بھالی فیملی ہے..... اور پھر تیمور ڈاکٹر ہے۔ تمہیں تو ڈاکٹر شروع سے پسند ہیں ناں۔" انہوں نے جیسے اس کا دل ٹٹولنے کی کوشش کی تھی۔ ایف ایس سی کے بعد میڈیکل میں ایڈمیشن نہ ملنے پر اس کے رونے کو وہ بھولی نہیں تھیں۔

وہ دھیرے دھیرے لب چباتی رہی۔

"کوئی زبردستی نہیں ہے۔ سوچ کر جواب دینا، یا پھر اگر کوئی اور تمہیں پسند ہے اس لحاظ سے تو....." انہوں نے دانستہ ہلکا پھلکا لہجہ اختیار کیا تھا۔

"نہیں۔" بے ساختہ نفی میں سر ہلاتے حوریہ کی آنکھوں کے آگے، ماہین اور معیز بھائی کا چہرہ لہرایا تھا۔

اسے جاب پہ جاتے ڈیڑھ دو ہفتے سے زیادہ ہو گئے تھے اور اس دن کے بعد اس کی اور ماہین کی دوبارہ اس موضوع پہ کوئی بات نہیں ہوتی تھی ویسے بھی، اس کی کوئی اپنی انوالومنٹ نہیں تھی کہ وہ مما سے خاص طور پر ذکر کرتی۔ وہ سر جھٹک کر رہ گئی مگر.....

کوئی اور بھی تھا، جس کا خیال بار بار اس کے ذہن میں آ رہا تھا اور وہ چاہ کر بھی اس خیال کو جھٹک نہیں پا رہی تھی۔

"کیا وہ اجنبی اس کے خیالوں میں آنے کے بعد، اب اس کے دل پہ دستک دینے لگا تھا۔

اپنی ہی سوچوں سے گھبرا کر اس نے گرم گرم کافی کا بڑا سا گھونٹ بھرا اور لب جلا بیٹھی..... آنکھوں میں دھند سی چھائی تھی۔

"آرام سے۔" مما کے کہنے پر وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

"پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ آخری فیصلہ تمہارا ہی ہوگا۔"

مما جیسے اس کی سوچوں کو پڑھنے کی کوشش کرتی، اس کے ہاتھ دبا رہی تھیں۔ وہ چاہ کر بھی مسکرا نہ سکی۔ اپنی سوچوں پہ وہ خود ہی گھبرا اٹھی تھی۔

☆☆☆

"حوریہ! آج کتنے بجے آف ہوگا تمہارا؟"

ماہین کی آواز پہ حوریہ نے چونک کر فائل سے سر اٹھایا تھا۔

"چار بجے، کیوں خیریت.....؟"

آنکھوں کو مسلتی وہ کافی الجھی ہوئی لگ رہی تھی۔

"ہاں، گاڑی مسئلہ کر رہی تھی میری۔ صبح تو معیز بھائی ڈراپ کر گئے ہیں یونی جاتے ہوئے، اب گھر تک تم چھوڑ دینا۔" وہ مسکرائی تھی۔

"اوکے۔" حوریہ چاہ کر بھی مسکرا نہ سکی۔

"یہ تمہارے چہرے پہ بارہ کیوں بج رہے ہیں۔" اب کہ ماہین چپ نہیں رہ سکی تھی۔

"نہیں۔ بس تھک گئی ہوں، تھوڑا سا۔" وہ بدقت مسکرائی تھی۔

"ابھی سے۔ ایک ماہ میں ہی تھک گئی ہو۔" ماہین ہنس پڑی تھی۔

"دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں۔ اس دشت کی سیاحی میں اتری ہو تو پتا چلا ہے ناں، جاب کوئی سی بھی ہو، کرنا آسان نہیں ہے۔" وہ شرارتی انداز میں بولی۔

"نہیں بس....."

ان کی دوستی میں پہلے کبھی ایسا موڑ نہیں آیا تھا کہ بولنے سے پہلے سوچنا پڑے۔

ماہین نے گہرا سانس لیا۔ کچھ کہنا چاہا۔ پھر سر جھٹک کر رہ گئی۔

"چلو پھر واپسی پہ بات ہوگی۔"

اردگرد بیٹھے اسٹاف سے ہیلو ہائے کرتی وہ اب اس سے دور ہوتی جا رہی تھی۔ حوریہ بے خیالی میں ادھر ہی دیکھے گئی۔

"حوریہ.....!"

"ہاں....." فریحہ کی آواز پہ وہ چونکی تھی۔

"کہاں گم ہو یار! کب سے آوازیں دے رہی ہوں۔"

"نہیں بس....." اپنی کیفیت خود اس کی سمجھ سے بالاتر تھی، وہ کسی اور کو کیا بتاتی۔

UUNOVELS.COM

"یہ فائل لے جاؤ۔ اعجاز صاحب مانگ رہے ہیں کب سے۔"

"او کے!" حوریہ فوراً اٹھی تھی۔

"کام تو کمپلیٹ ہے ناں۔" فریحہ نے استفسار کیا تھا۔

"ہاں، ہاں..... ڈونٹ وری۔"

وہ فائل لے کر اعجاز صاحب کے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے شعوری کوشش سے مسکرائی تھی۔ گویا فریحہ کو سب ٹھیک ہے کا اشارہ دیا تھا۔

"اف۔" اعجاز صاحب کے کمرے کا دروازہ ناک کرنے سے پہلے اس نے گہرا سانس لیا۔

"یہ مجھے ہو کیا گیا ہے۔ کیا یہ صرف تجسس ہے، یا پھر....." سر جھٹک کر خود کو کمپوز کرنے کے لیے وہ دانستہ رکی تھی۔

"ہاں یار بس وہ کوئی اور ہی چارم تھا۔ اب تو انٹرنیٹ نے سب برباد کر دیا ہے، وہ ہمارے دور کی باتیں تھیں۔"

"ہاہاہا..... کہاں.....؟"

"نہیں یار! اب تھوڑا بوڑھا ہو گیا ہوں۔"

"ہاہاہا۔ یہ بھی خوب کہی دل جوان ہونا چاہیے۔"

وہ شاید اپنے کسی دوست سے باتیں کر رہے تھے۔ حوریہ کو مزید رکنا نامناسب لگا تو دروازہ پر دستک دے کر اندر چلی آئی۔ انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"چل پھر بات کرتے ہیں۔" وہ اب اپنے دوست سے الوداعی کلمات کہہ رہے تھے۔

"جی مس حوریہ! بیٹھیے۔" فون رکھنے کے بعد انہوں نے حوریہ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"نہیں سر! میں بس یہ فائل دینے آئی تھی، آپ نے منگوائی تھی۔" حوریہ نے فائل ان کی طرف بڑھائی۔

"جی، جی۔ میں یہ فائل پہ ہی کچھ ڈسکشن کرنا چاہ رہا تھا۔ میں فائل دیکھتا ہوں۔ آپ تب تک بیٹھیے، کچھ چائے یا کافی وغیرہ۔"

وہ اسے کافی گہری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"نو سر، تھینک یو۔ آپ اطمینان سے فائل دیکھیے، میری ٹیبل پہ کافی کام توجہ کا منتظر ہے۔ میں تب تک وہ دیکھ لوں۔ کچھ پوچھنا ہو تو آپ مجھے بلوا لیجیے گا۔" اس نے بمشکل اپنا لہجہ سپاٹ رکھا تھا۔

"او کے، ایز یو وش۔" وہ کندھے اچکا کر فائل کی طرف متوجہ ہو گئے۔

حوریہ اطمینان کا سانس بھرتی واپس پلٹ گئی۔

حوریہ کو اب تک کا اعجاز صاحب کا رویہ مناسب ہی لگتا تھا۔ بس شاید انہیں لڑکیوں سے لمبی بات چیت کرنے کا شوق تھا یا کیا..... بہرحال حوریہ ابھی تک تو انہیں کامیابی سے ہینڈل کر رہی تھی۔ آگے کی آگے دیکھی جائی۔

ابھی تو کوئی اور ہی الجھن تھی، جس نے اس کی راتوں کی نیندیں اڑائی ہوئی تھیں۔

☆☆☆

"آپی اور امی کل گھر آنا چاہ رہے ہیں تمہارے۔" گاڑی میں چھائی معنی خیز سی خاموشی کو ماہین کی آواز نے توڑا تھا۔

"اچھا.....!" حوریہ لب چبا کر رہ گئی۔

"تم کچھ کہو گی نہیں۔" ماہین نے بغور اس کا سپاٹ چہرہ دیکھا۔

"کیا کہوں.....؟"

"کچھ اچھا..... امید دلاتا جملہ، مسکراتا لہجہ۔" ماہین مسکرا رہی تھی۔

"ڈاکٹر تیمور کا رشتہ آیا ہے۔ ایک ڈیڑھ ہفتے سے بات چیت چل رہی ہے۔" حوریہ نے جیسے ماہین کے سر پہ بم پھوڑا تھا۔

"کیا.....؟" وہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔ "اور تم اب بتا رہی ہو۔" وہ اب حوریہ کو گھور رہی تھی۔

"بس موقع ہی نہیں ملا بتانے کا۔ اتنا بزی دن گزرتا ہے، بات ہی کتنی ہوئی ہے ہماری ان دنوں۔" وہ اور کیا کہتی۔

"چلو، آفس میں ٹائم نہیں ملا۔ کال کر کے بھی تو

UUNOVELS.COM

بتا سکتی تھیں۔'' ماہین تو جیسے جلتے توے پہ بیٹھی تھی۔

''کوئی اتنا اہم ایشو تو نہیں تھا۔ رشتہ آیا ہوا ہے۔ فائنل تو نہیں ہوا ابھی۔'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہہ رہی تھی۔

''بہت کٹھور ہو تم حوریہ! میں تمہیں معیز بھائی کی فیلنگز بتا چکی تھی پھر بھی.....'' وہ ایک پل کو رکی۔

''خیر..... آج آئیں گی امی اور آپی تم لوگوں کے گھر۔'' حوریہ لب چبا کر رہ گئی تھی۔

وہ خفا ہو گئی تھی مگر فی الحال اسے کچھ کہنا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنا تھا۔ وہ چپ چاپ گاڑی ڈرائیو کرتی رہی، گاڑی میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی تھی اور یہ پہلی دفعہ تھا جب ان کے درمیان بار بار خاموشی کی چادر تن رہی تھی۔

☆☆☆

آج اتوار تھا۔ دس بج چکے تھے اور حوریہ ابھی تک کسلمندی سے بستر پر لیٹی تھی۔ جب سے اس نے جاب کی تھی۔ اس کے بار بار منع کرنے کے باوجود، ناشتہ مما ہی بناتی تھیں، آخر اس نے بھی کچھ کہنا چھوڑ دیا۔

رات میں اس کی آنکھ بار بار کھلتی رہی تھی۔ سچ تو یہ تھا کہ اپنی کیفیت خود اس کے لیے اجنبی تھی۔ دیکھا جاتا تو کوئی خاص بات نہیں تھی۔ دور شتے آئے تھے، مما اور بابا نے سب اس پر چھوڑ دیا تھا مگر.....

اس کے خیالات کی رو تو کسی اور سمت ہی چل پڑی تھی۔ اتنے سال جس کے خیال کے وہ ''فلرٹ انسان'' کہہ کر جھٹکتی رہی تھی، دیا اور جیا کے ساتھ اس دن کی بات چیت کے بعد وہ دو لفظ بولنے والا اجنبی، جیسے اس کے حواسوں پر سوار ہو گیا تھا۔

''اف.....'' اس نے تکیہ اٹھا کر اپنے چہرے پہ رکھ لیا۔ ''وہ کون ہے.....؟ کیا واقعی وہ مجھ سے محبت کر بیٹھا ہے؟ محبت..... صرف میری آواز سن کر.....'' وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''اتنے سالوں سے.....؟'' تکیہ گود میں تھا۔ الجھے بالوں کی لٹیں چہرے سے ہٹاتی، وہ الجھی بیٹھی تھی۔

''محبت کا دعویٰ تو معیز بھائی اور ڈاکٹر تیمور بھی کرتے ہیں۔ کیا وہ ان دونوں میں سے کوئی ہو سکتا ہے۔''

وہ اب ذہن پہ زور دے کر اس اجنبی اور ان کی آوازوں کا موازنہ کر رہی تھی۔

''ماہین بھی تو کہہ رہی تھی کہ معیز بھائی کافی سالوں سے..... تو کیا وہ معیز بھائی ہیں، مگر انہیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے، تو پھر وہ کون ہے۔ کیا یہ صرف تجسس ہے اس کے بارے میں جاننے کا یا پھر..... چہ..... یہ کیسی الجھن ہے۔''

اس نے انگلیاں سر کی الجھی لٹوں میں پھنسائی تھیں۔

''حوریہ آپی.....!'' تب ہی فہد نے دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔ ''آجاؤ۔'' دوپٹہ کندھوں پر برابر کرتی حوریہ نے اسے بلایا تھا۔

وہ اندر آیا۔

''نور یہ آپی کال کر رہی ہیں۔ آپ اٹینڈ کیوں نہیں کر رہیں۔''

''اچھا.....'' فہد کی بات پہ حوریہ نے ادھر ادھر ہاتھ ملا کر موبائل ڈھونڈنا چاہا۔

''سائیلنٹ پہ ہوگا شاید۔ گیا کدھر.....'' وہ اب سائیڈ ٹیبل پہ دیکھ رہی تھی۔

''یہ میرے سیل سے بات کریں۔ ہولڈ پہ ہیں وہ۔''

''اوکے۔'' اس سے دانستہ مسکراتے ہوئے اس نے سیل لیا تھا۔

''پھر جلدی آئیں میں ناشتے پہ آپ کا ویٹ کر رہا ہوں۔'' وہ باہر جاتے ہوئے بولا۔

''تم گئے نہیں ابھی؟'' فہد کے کہنے پہ اسے اچانک خیال آیا تھا۔

''نہیں، دو بجے کی فلائٹ ہے۔ آپ کے لیے بیٹھا تھا۔'' وہ جاتے جاتے پلٹ آیا۔

''اوکے۔'' بھائی کی محبت پہ وہ دل سے مسکرائی

UUNOVELS.COM

تھی۔ وہ بھی مسکراتا ہوا پلٹ گیا۔

''السلام علیکم۔'' وہ اب نوریہ سے بات کر رہی تھی۔

''وعلیکم السلام۔ حوریہ! کیوں سب کو پریشان کیا ہوا ہے۔'' وہ چھوٹتے ہی بولی تھی۔

''کیا مطلب.....؟'' حوریہ تھوڑا حیران ہوئی تھی۔

''عائشہ چاچی اور ماہین لوگوں کی کالز پہ کالز آ رہی ہیں، تم کوئی فیصلہ کیوں نہیں لے رہیں۔''

''پتا نہیں نور! میں خود کچھ سمجھ نہیں پا رہی۔'' وہ نوریہ کو کافی الجھی ہوئی لگی تھی۔

''اچھا بتاؤ۔ کیا الجھن ہے۔'' وہ شاید نوفل کو بابا کے حوالے کر کے کافی فرصت سے کال کر رہی تھی۔

''پہلے تم مما کو اکیلے چھوڑنا نہیں چاہتی تھیں، اوکے ہم مان گئے، اچھے بھلے رشتے ٹھکرا دیے۔ اب مما فہد کے لیے لڑکی دیکھ رہی ہیں۔ تمہاری اور فہد کی اکٹھی شادی کرنا چاہتی ہیں اور خوش قسمتی سے رشتے بھی اچھے مل گئے ہیں۔ دونوں ہی اچھی دیکھی بھالی فیملیز ہیں۔ لڑکے بھی دونوں اچھے ہیں۔ پھر کیا کوئی اور.....؟''

اس نے مما والا سوال دہرایا تھا۔

''نہیں یار۔'' پتا نہیں کیوں حوریہ کا دل ایک پل کو سکڑا تھا۔ ''کوئی اور ہوتا تو تمہیں نہ بتاتی..... بس میں سوچ رہی تھی کہ کسی ایک کو اقرار کرنے کا مطلب، دوسرے کو ناراض کرنا ہے اور مجھے ماہین اور عائشہ چاچی، دیا، جیا سب ہی بہت عزیز ہیں تو.....'' بات کا سرا جیسے اچانک ہی اس کے ہاتھ آیا تھا۔

''اوہ.....'' نوریہ نے جیسے اطمینان کا سانس لیا۔ ''تم بھی ناں..... نہیں ہوتا کوئی ناراض۔ دونوں ہی برا ڈمائنڈڈ ہیں اور پھر یہ کوئی ایک دو دن کی بات تو نہیں ہے کہ تم کسی کی ناراضی کے ڈر سے فیصلہ کر لو۔ ساری زندگی کا سوال ہے۔ تم خود اپنے دل سے پوچھو۔ زندگی تم نے گزارنی ہے اور ڈونٹ وری، کوئی ناراض نہیں ہوتا۔'' وہ اب ہلکے پھلکے انداز میں اسے سمجھا رہی تھی۔

حوریہ پھیکے سے انداز میں مسکرا کر رہ گئی۔

وہ سامنے ہوتی تو سمجھ جاتی کہ وہ کسی اور ہی الجھن کا شکار ہے۔ مگر اب کم از کم اس نے نوریہ کو تو مطمئن کر ہی لیا تھا۔ لیکن خود اس کا سکون رخصت ہو چکا تھا۔ اس نے جلد ہی کوئی فیصلہ کرنا تھا اور اس سے پہلے وہ اس اجنبی سے بات کرنا چاہتی تھی، جو ایک بار پھر کال کر کے، پتا نہیں کتنے مہینوں یا سالوں کے لیے غائب ہو گیا تھا۔

☆☆☆

''جی سر، اوکے سر۔'' فریحہ نے ریسیور کریڈل پر پٹخا اور سر تھام لیا۔

''کیا ہوا.....؟'' حوریہ جانتے بوجھتے انجان بنی تھی۔

''کیا ہوا.....؟'' فریحہ نے اس کے انداز کی نقل اتاری۔ ''جیسے تم تو جانتی نہیں۔ یہ تیسری دفعہ بلایا ہے سر نے۔ خود تو پتا نہیں کون سے زمانے کا دوست آیا ہوا ہے، اس کے ساتھ باتوں میں مشغول ہیں۔ دھیان اپنا کہیں اور ہے۔ سمجھ خود کو نہیں آ رہی اور کام میں نقص میرے نکال رہے ہیں۔ دو دفعہ سمجھا کر آ چکی ہوں، مگر نتیجہ پھر وہی ڈھاک کے تین پات..... اب یہ فائل مانگ رہے ہیں۔''

اس نے ہاتھ سے ٹیبل پہ پڑی فائل کی طرف اشارہ کیا۔

حوریہ ہاتھ ٹھوڑی تلے رکھے دلچسپی سے اسے دیکھے گئی۔ وہ بالکل تانیہ کی طرح بولتی تھی، نان اسٹاپ۔

''اور بھلا کتنا عرصہ ہو گیا، تانیہ سے ملے۔'' اچانک ہی اس کے خیال کی رو بھٹکی تھی۔

''اور باتیں پتا ہے کون سی کر رہے ہیں۔'' فریحہ نے اس کا دھیان زیادہ بھٹکنے نہیں دیا تھا۔ دوبارہ اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔

''کیا.....؟'' حوریہ نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

فریحہ نے پہلے ادھر، ادھر دیکھ کر تسلی کی، سب

UUNOVELS.COM

اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ کوئی خاص طور سے ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اس نے مطمئن ہو کر گفتگو کا سلسلہ پھر وہیں سے جوڑ لیا۔

''کہ اپنے کالج کے زمانے میں لڑکیوں سے، فلرٹ کیسے کرتے تھے۔ بڑے نوسٹلجیک ہو رہے تھے قسم سے۔ یادوں کو دہراتے ہوئے کہہ رہے تھے۔''

''ہائے وہ لمبی لمبی فون کالز..... وہ بغیر دیکھے ملے، کسی کو صرف آواز سے دیوانہ بنا لینا۔'' ان کی نقل اتارتے فریحہ کو ہنسی آ گئی تھی۔

''او مائی گاڈ۔'' حوریہ بھی ہنس پڑی تھی۔

''تمہارے سامنے شروع تھے۔'' وہ تھوڑا حیران ہوئی تھی۔

''نہیں چھپ کر سنی ہیں۔'' فریحہ نے شرمندہ ہوئے بغیر کہا۔

''جواب نہیں تمہارا۔'' حوریہ اسے گھور کر رہ گئی تھی۔

''یار، اتنا اونچا اونچا بول رہے تھے۔ دروازے سے دس فٹ دور تک آوازیں آ رہی تھیں۔ اب خود ہی پڑ گئیں کانوں میں، میں نہیں جا رہی اب۔'' فریحہ نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے تھے۔

''تم چلی جاؤ پلیز.....'' اس نے ملتجی انداز میں حوریہ کو دیکھا۔

''میں.....'' حوریہ نے انگلی سے اپنی طرف اشارہ کیا۔ ''مگر..... اچھا چلو، کون سی فائل ہے۔'' اسے فریحہ پر ترس آ گیا تھا۔

''ہاں یہ لو میری بہن، شاباش۔'' فریحہ کی تو جیسے دلی مراد بر آئی تھی۔ فٹ سے فائل اٹھا کر حوریہ کے حوالے کی تھی۔

حوریہ فائل لے کر سراعجاز کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

دروازہ ناک کرتے ہوئے اسے فریحہ کی بات یاد آئی، تو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ واقعی باتوں اور ہنسی کی آوازیں باہر تک آ رہی تھیں۔ ہنسی بمشکل روک کر اس نے خود کو کمپوز کیا اور دوبارہ دستک دینے کے لیے ہاتھ

الف لیلہ ہزار داستانیں

دلچسپ اور خوبصورت داستانیں جنھیں پڑھ کر بچے ہیری پوٹر کو بھول جائیں گے، ایسی داستانیں جنھیں بڑے بھی پڑھ کر لطف اندوز ہونگے

کتاب بذریعہ رجسٹری منگوائیں
-/300 روپے کا ڈسکاؤنٹ حاصل کریں
فی کتاب -/1200 روپے
ڈسکاؤنٹ -/300 روپے
آج ہی -/950 روپے
منی آڈر ارسال فرمائیں

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

UUNOVELS.COM

اٹھایا، مگر.....؟ اندر سے آنے والی آواز سن کر وہ ٹھٹک گئی تھی۔

"یار وہ الشفاء ہاسپٹل والی کا کیا بنا.....؟" دلچسپی سے استفسار کرتی آواز بلاشبہ سر اعجاز کی تھی۔

"تمہیں یاد ہے ابھی تک وہ....." اجنبی مردانہ آواز۔

حوریہ کا دل ایک پل کو ٹھہرا اور پھر گویا ہتھیلیوں میں دھڑک اٹھا۔

"بنتا کیا ہے وہی.....نہیں سوری رانگ نمبر۔" اجنبی ہنسا تھا۔

"ویسے لڑکی کافی ضدی اور باحیا تھی۔ تمہارا دس سالہ ریکارڈ توڑا تھا اس نے، ورنہ تمہاری یہ ٹرک خوب کام کرتی تھی۔ تیسری چوتھی کال پہ ہی لڑکی سیریس ہو جاتی تھی۔

"آخر آپ ہیں کون.....؟"

یہ وہ سوال کر کر کے سر کھا جاتی تھیں اور لنچ ہر دفعہ ہم میں سے کسی کے کھاتے میں پڑ جاتا تھا۔ یہ پہلی دفعہ تھا جب تم نے لنچ کروایا تھا۔" وہ دونوں بے ساختہ ہنسے تھے۔

"ہاں کیا دور تھا وہ بھی....."

بھاری مردانہ آواز، خوب صورت لب ولہجہ۔

حوریہ کا تو کاٹو تو بدن میں لہو نہیں والا حال تھا۔ بڑی مشکل سے خود کو سنبھالے، وہ کمرے سے آنے والی آوازوں کو سنے جا رہی تھی۔

"تب آتش جوان تھا۔ مختلف رانگ کالز پہ لڑکیوں کو تنگ کرنا ہی مشغلہ تھا۔ اب تو جب سے بچیاں کالج پہنچی ہیں۔ دل ہی نہیں کرتا۔ بوڑھے ہو گئے ہیں یار۔" بھاری گمبھیر لہجہ تھا۔

"کہاں بوڑھے ہوئے ہو۔ ابھی تک ویسے ہی ہینڈسم اور جوان لگتے ہو۔" سر اعجاز کے لہجے میں ستائش تھی۔

اور حوریہ کو مزید سننے کی تاب نہیں تھی۔

فائل ہاتھ میں لیے بمشکل خود کو کمپوز کرتی وہ واپس اپنے کمرے کی طرف پلٹی تھی۔

"الشفاء ہاسپٹل والا اجنبی، وہ فلرٹ بوڑھا تھا۔" سات آٹھ سال سے چلتے اس قصے کا کیا ڈراپ سین ہوا تھا۔

"اف۔" ابتدائی شاک سے نکلنے کے بعد اب وہ سنبھل چکی تھی۔ اچھی بھلی میچور ہو کر، دیا اور جیا کی باتوں میں آ کر، وہ کیا کرنے چلی تھی۔

"کیا ہوا.....؟ فائل واپس کیوں لے آئی ہو۔" فریحہ نے حیرت سے اس کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھا تھا۔

"یار، میں نہیں جا رہی۔ تم خود ہی جاؤ فائل لے کر۔ ان فلرٹی بڈھوں کے پاس۔" آخری الفاظ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر رہ گئی تھی۔

فریحہ اسے گھورتی ہوئی اٹھی تھی۔

"لاؤ دو، پہلے کہا ہی کیوں تھا۔"

وہ فائل اس کے ہاتھ سے لے کر، سر اعجاز کے کمرے کی طرف چلی گئی جبکہ اپنی سیٹ پہ بیٹھتی، حوریہ سوچ رہی تھی۔

"ہم لڑکیاں بھی عجیب ہوتی ہیں۔ کسی اجنبی کے دو الفاظ پہ ہی خوابوں کے تاج محل کھڑے کر لیتی ہیں۔ اس کی حقیقت جانے اور یہ سمجھے بنا کہ وہ یہ الفاظ کس نیت سے کہہ رہا ہے۔"

"ہاہ..... چلی تھی اپنا تجسس دور کرنے۔"

"اف....." اس نے زور سے آنکھیں میچیں۔

"شکر کہ ابھی اس نے اپنے خیالات خود تک ہی محدود رکھے تھے اور اس اجنبی سے کوئی بات نہیں کی تھی۔

کیونکہ.....

کچھ باتیں، ان کہی ہی رہ جائیں تو اچھا ہوتا ہے۔

"آپ کا کیا خیال ہے۔"

ویسے یہ تو واضح ہے کہ ہیروئین رشتہ آنے کے بعد بھی کسی کو بھائی کہے تو فیصلہ کس کے حق میں ہونا ہے۔

UUNOVELS.COM

زارا ہنجرا

پچھل پیری

برقی فانوس اور قمقموں کی جھلملاتی ست رنگی روشنیاں، خوشبوئیں، بھڑکیلے لباس اور دمکتے چہرے...... میرج ہال اس وقت بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ لیکن ست رنگی روشنیاں اور ظاہری آرائش و زیبائش بھی باطن کی بدصورتی کو کبھی چھپا سکی ہے۔

باطن کو اجلا اور ستھرا رکھنے کے لیے تو ذہنوں سے فتور اور دلوں سے بغض، حسد اور کینہ رخصت کرنا پڑتا ہے ورنہ اندر کی نفرتیں اور کدورتیں تیوریوں میں جھلکنے لگتی ہیں تو کبھی الفاظ بن کر زبان پر آجاتی ہیں۔

"ارے لڑکی! ہوش کے ناخن لو۔ یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے؟" عصمت جان نے بیٹی کو سرزنش کرتے ہوئے کٹیلی نظر اس کے پہلو میں کھڑی لبنیٰ پر جمائی جو جز بز سی ہوتی وہاں سے کھسکنے کا سوچ رہی تھی کہ عصمت جان کی اگلی بات نے اس کے قدم زمین میں گاڑ دیے۔

"تم ایک سہاگن ہو خیر سے اور سہاگن اور بیوہ میں فرق تو ہونا چاہیے مگر تمہیں کیا پتا۔ تم تو ہو ہی اتنی بھولی، جس نے جو کہا وہی مان لیا...... ویسے یہ ساس کہاں ہے تمہاری...... ذرا اس کی بھی خبر لوں کہ میری بیٹی کو ایک بیوہ کے برابر لباس لا کر دیا۔ کیا بازار میں اور رنگ نہیں تھے؟ غضب خدا کا۔ میری بچی کو کیسا اجڑا رنگ پہنایا ہوا ہے۔"

آس پاس بیٹھی کچھ مہمان خواتین بھی اسی

UUNOVELS.COM
UUNOVELS.COM

جانب متوجہ ہوگئیں جن میں اکثر تو اثبات میں سر ہلا کر گویا عصمت جان کی بات کی تائید کر رہی تھیں اور کچھ تو جیسے کوئی تماشا دیکھ کر محظوظ ہو رہی تھیں۔ بس اکا دکا کی نظروں میں لبنیٰ کے لیے ترحم اور ہمدردی نظر آئی تھی۔

وہ من من بھاری قدموں کے ساتھ ہال کمرے سے باہر نکل گئی۔ بوکھلائی سی مونا جسے ماں کی حرکت بہت ناگوار گزری تھی مگر دانستہ خاموش رہی کہ ماں سے بحث کر کے بات کو مزید طول نہیں دینا چاہتی تھی۔ وہ بھی الٹے قدموں دیورانی کے پیچھے لپکی۔

''رہنے دیں امی! بھینس کے آگے بین بجانے والی بات ہے۔ دیکھیں وہ کیسے آپ کی بات سنی ان سنی کر کے دیورانی کے پیچھے منمناتی ہوئی بھاگی ہے۔''

کنول منہ پھٹ تو تھی ہی، لحاظ نام کی بھی کوئی چیز نہیں تھی۔ نہ موقع دیکھتی، نہ جگہ..... بس جو منہ میں آتا بول دیتی۔

☆☆☆

عصمت جان بہت متکبر اور خود پسند سی خاتون تھیں۔ تمام عمر شوہر کی لگامیں اپنے ہاتھ میں رکھیں اور شوہر کی وفات کے بعد اپنے اکلوتے بیٹے پر بھی خوب دھاک بٹھائی۔ گھر کے تمام تر اختیارات بھی اپنے ہاتھ میں رکھے، اولاد تو ہمیشہ سے ہی ان کی ہم مزاج تھی مگر مونا (بڑی بیٹی) جب سے اس کی زندگی میں وسیم آیا تھا، وہ کافی حد تک بدل چکی تھی اور شادی کے بعد تو بالکل ہی شوہر کے نقش قدم پر چلنے لگی تھی اور سسرالیوں کے طور طریقے اپنا چکی تھی اور اس بات پر عصمت جان ہمیشہ خائف رہتیں اور بیٹی کو کم عقل، بے وقوف کہتیں کیونکہ ان کے نزدیک عقل مند عورت بس وہ ہوتی ہے جو شوہر کو اپنے اشاروں پر چلانا جانتی ہو۔ خود ماننے کے بجائے شوہر سے منوانے کا فن رکھتی ہو اور سسرالیوں پر اتنا رعب تو ہو کہ وہ کوئی بات مسلط کرنے کا سوچ بھی نہ سکیں۔ جبکہ ان کی نازوں پلی بیٹی کی زندگی اس کے برعکس تھی۔

مونا جوائنٹ فیملی سسٹم میں تھی۔ ماں کے لاکھ سمجھانے کے باوجود وہ کبھی بھی شوہر سے الگ گھر کی فرمائش نہ کر سکی کیونکہ اسے جوائنٹ فیملی سسٹم میں کوئی پریشانی نہ تھی۔ وسیم بہت محبت کرنے والا اور بردبار شخص تھا۔ ساس سسر، نند، دیور اور دیورانی سب بہت سمجھ دار اور صلح جو تھے۔

دو سال پہلے جب اس کا دیور ایک حادثے کی نذر ہو گیا تھا۔ لبنیٰ کی گود میں فقط تین ماہ کا بچہ تھا اور وہ اسی کے آسرے پر اپنی تمام زندگی گزارنے کا اعلان کر چکی تھی۔ کاروبار مشترکہ تھا اگر وسیم چاہتا تو اپنے مرحوم بھائی کی بیوی اور بچے کے ساتھ کسی بھی قسم کی ناانصافی کر سکتا تھا مگر اس نے بڑے بھائی ہونے کا پورا حق ادا کرتے ہوئے لبنیٰ اور اس کے بیٹے کی تمام ذمہ داریاں بھی اپنے سر لے لی تھیں۔ بس اسی دن سے وہ عصمت جان کو بہت کھٹکنے لگی تھی۔ کئی بار انہوں نے مونا کو بھڑکانے کی کوشش کی کہ اس کا کاروبار سے حصہ نکال کر اپنا بزنس الگ کرواؤ..... کسی اور کا گھر چلانا کہاں کی دانائی ہے..... شوہر کو اپنے قابو میں رکھو، وغیرہ وغیرہ۔

مگر مونا ماں کی باتیں محض سنتی تھی، کبھی عمل کرنے کی کوشش نہ کرتی کیونکہ وہ اپنی ازدواجی زندگی میں بہت خوش اور مطمئن تھی تو کیسے تنگ نظری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کوئی ایسا قدم اٹھاتی جو اس کے شوہر کو ناگوار گزرتا۔

☆☆☆

مونا نے دیورانی سے اپنی ماں کے رویے کی معذرت کی۔ وہ کیا سوچ رہی ہوگی کہ میرے میکے والوں کی سوچ کس قدر دقیانوسی ہے۔

ماں کی کہی باتوں پر وہ واقعی بہت شرمندہ تھی اور اس سے درخواست کی تھی کہ وہ اس بات کا ذکر کسی سے نہ کرے کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ شوہر یا ساس کی نظروں میں اس کا یا اس کے میکے والوں کا امیج خراب ہو۔

شومئی قسمت دلہن کی رخصتی کے بعد عصمت جان نے سمدھن کی خوب خبر لی۔

UUNOVELS.COM

"برا مت مانیے گا بہن! موقع تو مناسب نہیں مگر بات بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی..... ٹھیک ہے آپ کا بیٹے پر بہت کنٹرول ہے مگر میری بچی پر اپنی مرضی مسلط مت کریں۔"

"کیا مطلب..... میں سمجھی نہیں۔" سمدھن نے سوال کیا۔

"ارے نہ سمجھنے والی تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔ میری بیٹی اگر ہر معاملے میں آپ لوگوں کو ترجیح دیتی ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کی اپنی کوئی مرضی نہیں یا اس کی کوئی پسند ناپسند نہیں..... اسے اتنی آزادی تو دیں کہ وہ لباس کا انتخاب اپنی مرضی سے کرسکے..... ہونہہ! میری بچی کو ایک بیوہ کے برابر کا لباس لاکر دیا وہ بھی سفید..... غضب خدا کا۔"

"سفید رنگ میں کیا خرابی ہے۔ آپ کو پتا ہے کہ یہ پاکیزگی کی علامت ہے اور آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ہمارے مذہب میں بیوہ کے لیے ایسی کوئی ممانعت نہیں۔ آپ کی باتیں تو ہم پرستی پر مبنی ہیں۔ ہمیں اس قسم کی باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

سمدھن نے بڑے مدبرانہ انداز میں جواب دیا تھا۔

"کیسی توہم پرستی؟ حقیقت ہے یہ جسے آپ نہ جانے کیوں فراموش کررہی ہیں۔ ارے سب جانتے ہیں یہ لڑکی منحوس ہے۔ پیدا ہوئی تو باپ کھا گئی، بڑی ہوئی تو جس چچا نے پالا تھا، اسے بھی نگل گئی اور پھر شوہر..... یہ تو پچھل پیری ہے۔ ڈائن ہے یہ تو..... میں اپنی بچی پر اس ڈائن کا سایہ نہیں برداشت کرسکتی۔"

مونا کا سر شرم سے جھک گیا تھا کیونکہ جس بات کو وہ سب سے چھپانا چاہ رہی تھی اس کی ماں نے سرعام بڑے دھڑلے سے کہہ ڈالی تھی اور اب تو اس میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ لبنیٰ کے دل پر جو گھاؤ اس کی ماں نے لگائے تھے۔ وہ ان پر مرہم رکھتی۔

☆☆☆

وقت ذرا سا آگے سرکا تھا۔ عصمت جان، ارسلان اور کنول کی شادی کے فرض سے سبک دوش ہوگئی تھیں۔ اور بہت خوش بھی تھیں کہ ارسلان کے لیے لڑکی ان کی مرضی کے عین مطابق ملی تھی اور کنول کے لیے لڑکے کا انتخاب بھی خوب کیا تھا۔

کنول نے چند ہی دنوں میں شوہر کو مکمل اپنی گرفت میں کرلیا تھا کہ وہ بھی جلد ہی والدین سے الگ ہونے کے لیے پر تول رہا تھا۔ درپردہ منصوبہ بندیاں ہورہی تھیں اور ان پر عمل درآمد ہونے کی کوششیں بھی شروع ہوگئی تھیں۔

عصمت جان کی گردن کیوں نہ اکڑتی۔ ظاہر ہے داماد بھی ہم مزاج اور ہم سیال ہوتا جارہا تھا۔ مونا کی طرف سے تو وہ ہمیشہ جلی ہی رہتی تھیں مگر کنول نے صحیح معنوں میں ماں کا کلیجہ ٹھنڈا کیا تھا۔ جب شوہر غلام بن جائے تو باقی سسرال والوں کو کون منہ لگاتا ہے۔ یہاں بھی یہی معاملہ تھا۔

کنول نے ایک مہینے کے اندر ہی تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لے لیے اور ہر کام میں اپنی مرضی اور حکم چلانے لگی مگر..... اقتدار کی مدت بہت قلیل تھی۔ وقت نے کنول کو منہ کے بل گرادیا تھا۔ شادی کے دوسرے مہینے کا پہلا ہفتہ اور وہ بیوی سے بیوہ بن گئی۔ اس کا شوہر ایک حادثے میں جاں بحق ہوگیا تھا۔ کنول کے تو سر پر آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔ ایک مہینہ پہلے کی سہاگن جس کے ہاتھوں کی مہندی بھی پھیکی نہیں پڑی تھی، وہ آج بیوہ ہوکر اجڑ چکی تھی۔

"یہ منحوس ہے..... یہ ڈائن میرا اکلوتا بیٹا کھا گئی..... یہ پچھل پیری ہے جو اپنا سہاگ بھی نگل گئی ہے۔ میرے گھر کی خوشیاں، ہمارا وارث، ہمارا سہارا، اس کی نحوست کی نذر ہوگیا ہے۔ اس کے منحوس قدم ہمارے گھر میں آئے تو خوشیوں کی چکہ ویرانیوں نے ڈیرے ڈال لیے..... ارے یہ پچھل پیری ہے..... نکالو اسے یہاں سے..... یہ منحوس ہے....."

جناہ اٹھتے وقت کنول کی ساس کی آواز چہار اطراف گونج رہی تھی۔

☆

آج احمد یار خان سے میری بات ہوئی اور ہمیشہ کی طرح اس کی باتوں میں جھلکتے طنز، اس کے لہجے کی چبھن میں اپنے دل پر محسوس کرتا ہنس کے ٹالتا رہا۔ اسے تو اندازہ بھی نہیں ہوگا کہ میں اس پیار..... اس اپنائیت..... اس اعتماد کا کس قدر آرزومند ہوں جو کبھی اس کے لہجے میں میرے لیے جھلکتا تھا۔

"جس پہ گزرتی ہے، وہی جانتا ہے۔"

اس دن اتنے دنوں سے جاری بحث کو ختم کرنے کے لیے میں نے تنگ آ کے یہ جملہ بولا تھا اور واقعی نہ صرف بحث ختم ہوگئی تھی بلکہ اپنے تئیں تو میں نے شاید اس کی بولتی ہی بند کردی تھی۔

میری صبح کی فلائٹ تھی اور دو دن بعد مجھے دبئی کی ایک امریکن یونیورسٹی میں جوائن کرنا تھا۔

آج جب اس نے مجھے بتایا کہ اس کا بڑا بیٹا ارمغان ایف آر سی ایس کر کے پاکستان میں ہی پریکٹس کرے گا تو ایک لمحے کے لیے مجھے لگا وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ حالانکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ احمد جیسا کھرا انسان جھوٹ بول ہی نہیں سکتا۔ کھرا اور اڑیل.....

مجھے یاد ہے جب ہم لوگ پنجاب یونیورسٹی میں ساتھ پڑھتے تھے تو اس کے اکھڑ پن پہ میں اس کو اکثر چھیڑتا کہ تو نے تو اٹک کا نام ہی ڈبو دیا ہے، تو بات بات پہ اٹک جاتا ہے اور میرا بھی امپریشن خراب ہوتا ہے۔ سب سمجھتے ہیں کہ پٹھان میری طرح نرم، شگفتہ مزاج ہو ہی نہیں سکتے۔ لیکن حیرت تو مجھے اس بات پہ ہوئی کہ احمد نے اپنے بچوں کو اپنے مستقبل کا فیصلہ

UUNOVELS.COM

ثمینہ فرحان

احساس

UUNOVELS.COM

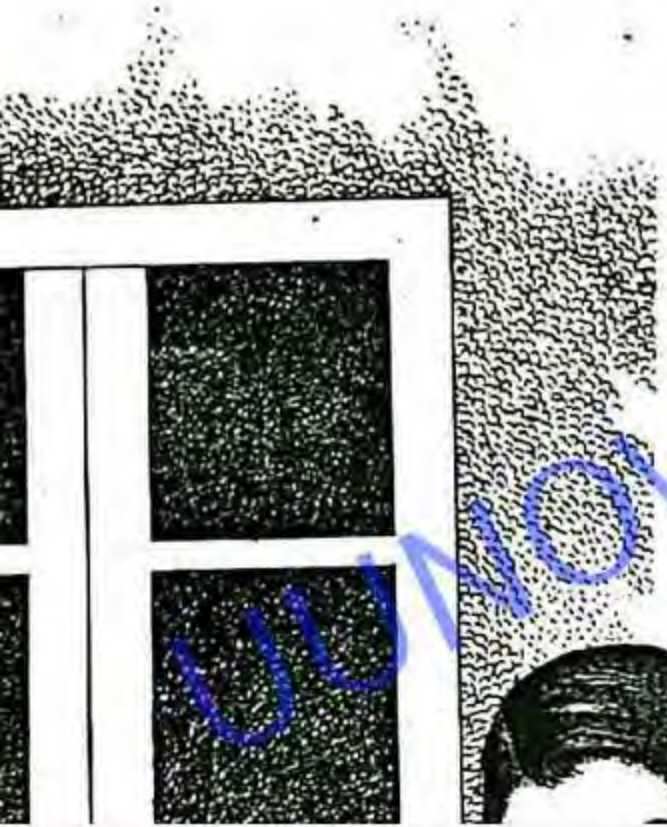

کرنے کی پوری آزادی دے رکھی تھی۔

امتحان پاس کرنے کی مبارک باد دیتے ہوئے میں نے ارمغان کو سرسری سا کریدا۔ وہ تو باپ سے بھی بڑھ کے محبِ وطن نکلا۔ ہزاروں میں ملنے والے پاؤنڈز کو ٹھکراتے ہوئے معیار کی فکر تھی اور اسی فکر میں وہ پاکستان آ رہا تھا۔

میرے دل پر پڑے بوجھ میں مزید اضافہ ہوگیا۔ یہ بوجھ تو میں بیس سالوں سے لیے پھر رہا

UUNOVELS.COM

ہوں۔ طالب علمی کے زمانے سے ملک وقوم کی خدمت کا جتنا بھوت مجھ پر سوار تھا، شاید ہی کسی اور پر ہو لیکن ڈیڑھ سال میں ہی میری ہمت جواب دے چکی تھی۔ بسوں اور لاریوں کے اڈے پر کھڑا، کنڈیکٹروں کی طرح ٹکٹیں پھاڑتا تو لگتا جیسے ماسٹرز کی ڈگری کے پرخچے ہوا میں اڑ رہے ہوں۔ جب ڈرائیوروں کی طرح بس چلاتا تو لگتا ٹائروں کے نیچے سرمئی سڑک نہیں اپنے کچلے ہوئے مردہ خوابوں پر سے گزر رہا ہوں۔ وہ خواب جن کا شرمندہ تعبیر ہونا ارمغان جیسے لوگوں کی قسمت میں لکھا ہوتا ہے۔

اسکین کیا ہوا ڈائری کا صفحہ پڑھنے کے بعد اس نے رحمان آفریدی نام کا فولڈر بند کر دیا۔ پھر کمپیوٹر بند کر کے اس نے اپنے موبائل سے فہد کو میسج لکھا۔

"کیا ہوا؟" ان دو گھروں کے سب سے کوآپریٹو بندے کا یہ حال تھا کہ تین دن سے ایک کام کہا تھا، پر نہ کام کا پتا تھا، نہ بندے کا.....

"اسٹڈی میں آجاؤ۔" تھوڑی دیر بعد فہد کا جواب موصول ہوا۔

بالکل شروع کی کتابوں کی الماریوں کے پاس ہی وہ اسے کھڑا نظر آ گیا۔

"یہ دیکھو، یہ کتابیں تو پاکستان میں ملتی بھی نہیں ہیں۔ میں نے تو آن لائن آرڈر کر کے منگوائی ہیں۔ ایسی کمال کی ریسپیز ہیں ان میں، یہ جتنے بھی ٹی وی پر کوکنگ شوز آتے ہیں۔ وہ ان ہی میں سے تو کاپی کرتے ہیں۔ اٹالین، چائنیز، عربی اور کانٹی نینٹل۔" کھانوں کی ترکیبوں سے آراستہ کتابیں وہ ایک کے بعد ایک اسے دکھاتا ہوا کہہ رہا تھا۔

"ان کو تو فوٹو کاپی کرانا بھی مشکل ہو گیا ہے۔" چمکتے ہوئے صفحوں اور رنگین تصویروں سے مزین بھاری بھرکم کتابیں، اپنے دونوں ہاتھوں میں بمشکل سنبھالتی وہ پرسوچ انداز میں بولی۔

"تمہیں کیا ضرورت ہے فوٹو کاپی کرانے کی جو بھی کچھ ٹرائی کرنا ہو، یہیں سے دیکھ کے بنا لینا۔" وہ اس کے ہاتھوں میں جکڑے وزن پر ایک اٹالین کوکنگ کتاب کا اضافہ کرتا ہوا بولا۔

"کوئی آسان سی، سمپل سی بک نہیں ہے؟ یا کوئی پاکستانی کھانوں کی کتاب؟" کتابوں کے ڈھیر کو نیچے کارپٹ پر رکھتے، وہ خود بھی نیچے بیٹھ گئی۔

"بھئی۔ سمپل نام تو میری ڈکشنری میں ہے ہی نہیں۔ مجھے ہمیشہ مشکل اور پیچیدہ چیزیں متاثر کرتی ہیں اور پاکستانی کھانوں کے لیے ریسپی کی کیا ضرورت ہے، وہ تو تم گل بی بی سے بھی پوچھ کے بنا سکتی ہو۔ افغانی پلاؤ سے لے کر بمبئی بریانی، پنجاب کے چنے اور بہاری کباب ایسے بناتی ہیں کہ مقامی شیف بھی کیا بناتے ہوں گے۔"

اپنے پیچھے قد آور کتابوں کی الماری سے ٹیک لگاتا، وہ خود بھی نیچے کارپٹ پر ڈھیر ہو گیا۔

"ویسے لیہا! تمہیں یہ اچانک کھانوں میں انٹرسٹ کیسے ہو گیا؟"

"تمہیں بھی تو ہے۔" دی سلور اسپون نامی کتاب کے صفحے پلٹتے اس نے مختصر سا جواب دیا۔

"مجھے انٹرسٹ نہیں ہے، میرا تو جنون ہے۔ میں تو بس اپنے رزلٹ کا انتظار کر رہا ہوں، پھر تم دیکھنا میرے ریسٹورنٹ کی کیسے دھوم مچے گی..... جگہ..... اسٹائل..... ڈیکور..... میں نے سب سوچ رکھا ہے۔ تم دیکھنا، سال کے اندر اندر اس کا شمار صف اول کے ریسٹورنٹ میں نہ ہوا تو تم نام بدل دینا۔"

"ریسٹورنٹ کا.....؟" کتاب سے نظریں ہٹائے بغیر اس نے سنجیدگی سے پوچھا تو وہ جھنجلا گیا۔

"نہیں پاگل۔ میرا..... میرا نام بدل دینا۔"

"ویسے میرال تو کہہ رہی تھی، تم لوگ کوئی بوتیک کھولنے کا ارادہ رکھتے ہو.....؟"

"ارے وہ تو میرال کو آج کل شوق چڑھا ہوا ہے بوتیک کھولنے کا۔ مجھے تو خوامخواہ ہر کام میں گھسیٹنا اس کی عادت ہے۔"

"بس یہاں ہی دیکھنا رہ گیا تھا۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کے تھک گئے تم لوگوں کو..... آج مووی دیکھنے نہیں جانا تھا؟" دو بڑی کتابوں کی الماریوں کے درمیانی

UUNOVELS.COM

راستے سے اندر آتے، میرال اکتاہٹ بھرے لہجے میں بولی۔ اس کے ساتھ فارہ بھی تھی لیکن شاید وہ اتنا بور محسوس نہیں کر رہی تھی۔

''اب اس وقت کون سا ٹائم ہے مووی دیکھنے کا؟'' فہد نے دائیں جانب اسٹڈی کی دیوار پر لگی گھڑی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ویسے میرو! اب کافی لیٹ ہو گئے ہیں۔'' فارہ نے بھی بھائی کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''اچھا سنو فہد!'' میرال نے اپنا جوش بحال کیا۔ ''تمہیں کیریمل پوپ کارن بناتے آتے ہیں نا؟'' تفریح کے معاملے میں میرال کی جیب میں پلان بی ہمیشہ موجود رہتا تھا۔

''کیوں، کیا خواب میں دیکھ لیے کیریمل پوپ کارن؟''

فہد شاید آج زیادہ تعاون کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

''بس پھر تم جلدی سے کیریمل پوپ کارن بناؤ۔ ابھی تھوڑی دیر میں دل تیرا دیوانہ کی نیو قسط آنے والی ہے۔ ہم کچھ تو انجوائے کریں۔ صبح سے بور ہو رہے ہیں۔''

صبح ''چائے خانہ'' سے ناشتہ پھر کھاڈی کی سیل، اس کے بعد واپسی پر گلوریا جینز سے کافی پیتے آئے تھے وہ سب اور اس پر یہ بوریت ایسا صرف سوچ کے رہ گئی۔

''اب تم پر بھی کھانوں کا بھوت سوار ہو گیا۔'' فارہ کی نظر اس کے ہاتھوں میں کھلی کتاب پر پڑی۔

''یا اللہ! کیا سارے شیف ہمارے ہی خاندان میں پیدا ہونے تھے۔'' میرال نے فوراً دہائی دینی شروع کر دی۔ ''تو ہمارے خاندان پر رحم فرما۔''

''کیوں، کیا برائی ہے اس پروفیشن میں؟'' فہد نے کڑے تیوروں سے دریافت کیا۔ وہ جلدی سے کتاب بند کر کے، قریب پڑے کتابوں کے ڈھیر کے اوپر رکھتی ہوئی کہنے لگی۔

''خیر ریسپی تو میں کوئی ٹرائی نہیں کر رہی لیکن دل تیرا دیوانہ دیکھنے کا بھی کوئی موڈ نہیں ہے۔''

''کیوں.....؟ ویسے تو تم بڑا پاکستان پاکستان کی رٹ لگائے رکھتی ہو۔ پاکستانی ڈرامے بھی دیکھو نا۔ پتا ہے، کتنے مشہور ہیں پوری دنیا میں ہمارے ڈرامے۔''

''مجھے پتا ہے میرال! مگر یہ جو اسٹوپڈ سی لو اسٹوری والے ڈرامے ہوتے ہیں نا، یہ مجھے سمجھ میں نہیں آتے۔ یعنی کہ پوری یونیورسٹی میں ہیرو کو وہ ایک ہی سب سے خوب صورت لڑکی پسند آجائے گی..... اور.....''

''تو تم کیا چاہتی ہو۔ ہیروئن کالی، موٹی، بھینگی بھدی ہو۔'' فہد نے اس کی بات کاٹتے ہوئے مذاق اڑایا..... ''تو پھر وہ ڈراما دیکھے گا کون.....؟''

''کالی موٹی بھدی نہ ہو۔ پر کم از کم عقل مند تو ہو۔ یعنی کہ بے وقوفیاں بھی ٹھیک ٹھاک قسم کی اور ان ساری ہائی اسٹینڈرڈ کی بے وقوفیوں کے باوجود وہ ہیرو صاحب کو پسند آجاتی ہے اور ہاں، سب سے امیر بندہ ہیرو ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ ذہین، قابل، سب کا ہمدرد انتہائی ہینڈسم۔''

''تمہارے خیال میں بھوکا ننگا ہیرو ہونا چاہیے۔'' فارہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''نہیں فقیر ہو، اندھا کانا، ہاتھ میں کشکول لے کے بھیک مانگتا ہیرو۔'' میرال نے کہتے ہوئے اندھے فقیر کی بھیک مانگتے ہوئے ایک ایکٹنگ کی تو ان تینوں کے منہ سے ہنسی کے فوارے ابل پڑے۔

''تمہارے لیے ڈھونڈیں گے ایسا ہیرو۔'' فہد نے اسے چھیڑا۔

''میرا مطلب ہے اتنا ان ریئلسٹک لگتا ہے ناں..... ہمیشہ ہی کوئی بہت ہی گڈ لکنگ، اسٹائلش سا بندہ ہی ہیرو ہوتا ہے۔ ایک اچھا سادہ سا انسان بھی تو ہیرو ہو سکتا ہے اور ہیروئن کے لیے بھی ضروری نہیں کہ بالکل ماڈل ٹائپ، سب سے حسین لڑکی ہی ہیروئن بنے، کوئی پڑھی لکھی، سمجھ دار، لڑکی بھی تو ہیروئن ہو سکتی ہے۔''

UUNOVELS.COM

"ہیرو ہیروئن کو کیسا ہونا چاہیے، کیسا نہیں۔ کیا یہ صرف اسٹڈی میں بیٹھ کے ہی ڈسکس کیا جاسکتا ہے۔" بالکل سامنے والی شیلف کے پاس سے نمودار ہوتے اسفندیار کے سر نے ان سب کے جوش کو ایمرجنسی بریکیں لگادیں۔

"ویسے تم لوگوں نے خوامخواہ ہی اسفی کو ہوا بنایا ہوا ہے۔" وہ بے پاؤں اسٹڈی سے کھسکتے ہوئے فہد نے بدمزہ ہوتے ہوئے کہا۔

"اچھا تم نہیں ڈرتے تو پھر سناتے نا اسے کھری کھری۔" اس سے ایک سال چھوٹی بہن نے اسے تڑاخ سے جواب دیا۔

"نہیں خیر..... کہا تو اس نے ٹھیک ہی تھا۔ وہ بے چارہ آفس کا کام کررہا ہوگا۔ کسی کونے کھدرے میں، ہم لوگوں نے اسے ڈسٹرب کردیا۔" راہداری سے گزرتے ہوئے اس نے اپنا بیان بدل دیا۔

"خیر اسفند کو ڈسٹرب ہونے کے لیے کسی وجہ کی ضرورت ہے بھی نہیں" فارہ کہاں چپ رہنے والی تھی۔ "وہ کبھی بھی، کہیں بھی کسی سے بھی ڈسٹرب ہوسکتا ہے بلکہ مجھے تو وہ خود اپنے آپ تک سے ڈسٹرب لگتا ہے۔" فارہ کا تیکھے لہجے میں چبا چبا کر کیا ہوا تبصرہ ابیہا کو بھی کسی حد تک ٹھیک ہی لگا۔

"بچپن میں تو وہ ایسا نہیں تھا بلکہ کچھ سال پہلے تک بھی۔"

"اب ایسی بھی بات نہیں ہے، اتنے لونگ ہیں بھائی۔" میرال کے پرزور احتجاجی مکالمے نے اسے بے موقع ماضی کے سمندر میں غڑاپ سے ڈوب جانے سے پہلے ہی گھسیٹ لیا۔

"تم تو رہنے ہی دو میرو! تمہیں تو ویسے بھی کوئی کچھ نہیں کہتا۔" فارہ نے جھلاتے ہوئے اسے چپ کرایا۔ "میری تو یہ سمجھ میں نہیں آتا، میں بھی تو اکلوتی بیٹی ہوں مجھے تو کبھی اتنی اہمیت نہیں ملتی جتنی تمہیں ملتی ہے۔ ارمغان ہے تو وہ تمہارے نخرے اٹھاتا ہے..... اسفی دنیا بھر سے منہ بنائے، آنٹی تک کو بعض اوقات زچ کردیتا ہے پر تمہیں کچھ نہیں کہتا اور ایک میں ہوں یہ میرالڑا کا بھائی جو پیار کے دو بول دو صدیوں میں بھی نہ بولے، لڑائی کے سوا کوئی کام آتا نہیں جیسے۔"

"ہاں تو میرے جیسے کوئی بڑے نخرے اٹھاتا ہے۔" دونوں بہن بھائی مقابلے پر دل کے بھپھولے پھوڑتے تھے۔ اس قسم کی طعنوں تشنوں پر مبنی گفتگو تقریباً ہر روز اور ہر موقع پر ہوا کرتی تھی جس کا نہ کوئی سر ہوتا تھا نہ پیر نہ کوئی مقصد..... اب تو وہ بھی ان بے سروپا باتوں کی عادی ہوچکی تھی۔

☆☆☆

اگلے دن صبح گیارہ بجے کے قریب وہ ٹیکسی میں بیٹھ کے نعیمہ آنٹی کی طرف چلی آئی۔ آج فارہ اور میرال نہیں تھیں اس کے ساتھ۔

"پھر آنٹی آپ نے کیا سوچا.....؟" گیلری سے گزرتے ہوئے اس نے پرامید نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

"ارے بیٹا! نعمان نہیں مان رہا۔ وہ کہتا ہے یہ کام بہت مشکل ہے، سارا کھانا اور محنت ضائع جائے گی..... اور پھر پکائے گا کون؟ ماریہ تو کالج چلی جاتی ہے۔" تھوڑی بہت تو اسے بھی اس قسم کے جواب کی توقع تھی۔ اچھے شریف سفید پوش لوگوں کو چھوٹے موٹے کام کرکے اپنا پیٹ پالنا معیوب لگتا ہے۔ زیادہ ڈر دنیا کا ہوتا ہے کہ لوگ کیا سوچیں گے۔

"تو وہ جو میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ تو اسٹارٹ تو کریں..... پھر جیسے جیسے کام بڑھے گا آپ کسی ملازمہ کا انتظام کرلیجیے گا اتنا مشکل تو نہیں ہے۔" وہ اپنا بیگ چارپائی پر رکھتے ہوئے خود بھی اوپر بیٹھ گئی۔

"یہ آج صبح صبح کیسے؟" عثمان منہ پونچھ کے تولیے کو صحن میں لگے تار پر اچھالتا اس کے قریب آیا۔

"تمہارا ناشتا کچن میں بنا ہوا رکھا ہے۔ جاؤ پہلے وہ لے آؤ۔" نعیمہ آنٹی بھی اس کے پاس ہی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے عثمان سے کہنے لگیں۔ "اور ہاں چائے کا پانی چڑھا ہوا ہے۔ دودھ حساب سے ڈال کر اپنے لیے چائے بنالو۔"

''میرے لیے بھی۔'' لیہا نے اس کے پیچھے سے آواز دی۔ ''یہ آپ لوگ ہر کام نعمان سے پوچھ کر کیوں کرتے ہیں.....؟ وہ خود تو کوئی کام کرتے ہیں نہیں..... گھر پر تو نہیں ہیں؟'' روانی سے بولتے اسے اپنے الفاظ کی سنگینی کا اچانک سے احساس ہوا۔

''نہیں۔'' سرد آہ بھرتے انہوں نے کہا۔ ''نوکری ہی کی تلاش میں نکلا ہوا ہے۔ بس وہ ایسی نوکری چاہتا ہے ناں کہ ساتھ ساتھ اس کی پڑھائی بھی ہو جائے۔''

''یہ دیکھیں۔'' اس نے ان کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔ ''میں تو یہ پمفلٹ بھی فوٹو کاپی کرا کے لے آئی ہوں'' کافی سارے سفید پرنٹ کیے ہوئے صفحے اس نے ان کی طرف بڑھائے جن پر ہیلدی فوڈ (صحت بخش کھانا) کے نام سے ہفتہ کے سارے دنوں کا مینو ترتیب سے پرنٹ ہوا تھا تھا۔

''جمعہ کو نہاری، ہفتہ کو سبزی، اتوار کو بریانی۔ اس دن یہ ہی ڈسکس کیا تھا نا ہم نے۔'' وہ یاد کراتے ہوئے بولی۔ ''یہ ہم بازار کے دکانداروں کو بانٹ دیں گے آٹھ سے دس بجے کے دوران وہ اپنا آرڈر عثمان کے موبائل نمبر پر بک کرالیں گے۔ اس طرح آپ کو کھانا پکانے کا ٹائم بھی مل جائے گا۔ کھانا ہی ہے ناں آنٹی اگر بچ بھی جائے گا تو آپ لوگوں کے تو کام آئے گا ہی ناں۔'' آپ ٹرائی تو کریں۔'' آخر میں وہ لجاجت سے بولی۔

''بیٹا! تم اتنی فکر کر رہی ہو ہماری۔''

''فکر وکر کوئی نہیں کر رہی، اس کو یہ سب بہت تھرلنگ لگ رہا ہے۔'' عثمان اسے چائے کا مگ پکڑاتے ہوئے بولا پھر چھوٹی سی میز پر اپنا انڈہ پراٹھا رکھتے ہوئے خود بھی سامنے بچھی چارپائی پر بیٹھ گیا۔

''ہاں سمجھ لو، مجھے یہ سب بہت تھرلنگ لگ رہا ہے تم بھی تھوڑی دیر کے لیے اسے ایسے ہی تھرلنگ اور انٹرسٹنگ سمجھ لو۔''

''یار! میں تو راضی ہوں لیکن نعمان نہیں مان رہا ناں۔''

''نعمان کو چھوڑو، جلدی سے ناشتا ختم کرو پھر یہ بازار میں دکانداروں کو بانٹ کر آتے ہیں۔ موٹر سائیکل ہے ناں۔'' صفحوں کو ایک کے اوپر ایک سلیقے سے جماتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''تم بھی چلوگی؟'' اس نے حیرت سے لیہا کو دیکھا۔

''ہاں۔'' اطمینان سے کہتے ہوئے اس نے بیگ کی زپ بند کی۔ ''یہ ذرا مجھے بھی ایک نوالہ دینا پراٹھے کا۔''

''ارے بیٹا! میں تمہارے لیے بھی پراٹھا بنا دیتی ہوں۔'' نعیمہ آنٹی اٹھنے لگیں تو اس نے روک لیا۔ ''ارے نہیں۔ بس صرف ایک ہی نوالہ چاہیے۔'' کہتے ہوئے اس نے آگے بڑھ کے خود ہی پراٹھے کا نوالہ توڑ لیا۔ ''دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے لیکن جو چائے پراٹھے کا کمبینشن ہے، اس کو کوئی بیٹ نہیں کر سکتا۔'' نوالے کے اوپر مزے سے گرم چائے کا گھونٹ بھرتے اس نے کہا۔

''میں تو کہتی ہوں، ایک دفعہ پھر نعمان سے بات کر کے دیکھ لیتی ہوں۔'' ڈرائنگ روم نما کمرے سے نکلتے نعیمہ آنٹی نے ایک بار پھر اسے روکنا چاہا۔

''نعمان سے پوچھنے یا کچھ اسے بتانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اتنا تو سمجھا چکی ہوں آپ کو آنٹی۔ اللہ تعالیٰ بھی اس قوم کی حالت نہیں بدلتے جو خود اپنے لیے کوشش نہ کرے۔'' وہ کچھ زیادہ ہی جوش میں آ گئی۔ ''اور چلیں، آپ سب کچھ مجھ پر ڈال دیجیے گا..... آپ کہیے گا کہ لیہا نے خود ہی دکانداروں سے کانٹیکٹ کیا اور عثمان کا نمبر دے دیا پھر جب آرڈر آیا تو بتانا پڑا۔ ایک دو دفعہ کر کے چھوڑ دیں گے ہم نے کون سا پوری زندگی کرنا ہے نقصان ہوا یا زیادہ فائدہ نہ ہو تو نہیں کریں گے۔ اپنے لیے بھی تو پکاتے ہیں ہی ہر روز، کیا ہے اگر گھر کا بنا صاف ستھرا کھانا کسی اور کے بھی کام آ جائے اور ساتھ ہمیں فائدہ بھی ہو جائے۔'' وہ گیلری سے تیزی سے نکلتے ساری تقریر کرتی چلی گئی۔

''آنٹی.....'' ان کو کسی طور پر مطمئن نہ دیکھ کے وہ روہانسی ہو گئی۔ ''کہہ تو رہی ہوں، سارا الزام مجھ پر ڈال دیجیے گا۔''

''بیٹا! تم اتنا ہمارے لیے سوچ رہی ہو۔ اتنا کر رہی ہو، اپنوں سے زیادہ تمہیں ہماری فکر ہے..... کون کہے گا اس شہر میں میرے دو سگے بھائی رہتے ہیں۔'' ان کی آنکھوں گوشے بھیگنے لگے۔

''آنٹی پلیز۔'' اس نے بے اختیار ان کے ہاتھ تھام لیے پھر باہر موسائیکل اسٹارٹ ہونے کی آواز پر وہ ان کا ہاتھ دباتی آگے بڑھ گئی۔

بازار کیا تھا، گند و غلاظت کا ایک ڈھیر لگ رہا تھا۔ کوئی صفائی ستھرائی کا خیال نہیں ایک تو پہلے ہی اتنی تنگ سڑک اوپر سے جس کا دل چاہے کہیں بھی ٹھیلا لگا کر اپنی دکانداری شروع کرے۔ بارش کا جمع پانی جوہڑ کی صورت میں پڑا ہے تو پڑا رہے، اس پر تیرتی، پھولی ہوئی غبارہ بنی پلاسٹک کی تھیلیاں تیرتی رہیں۔ کوئی فکر نہیں ٹھیلوں اور راہگیروں سے بچ بچ کر چلتے، صرف دو تین دکانداروں سے بات کرنے کے بعد ہی اس نے نہ صرف گلے میں پڑے دوپٹے کو چادر کی طرح پھیلا کر اوڑھ لیا بلکہ پاس سے گزرتی عورتوں کی طرح سر پر بھی لے لیا۔

''یہ دیکھو..... پارلرز بھی ہیں یہاں..... یہاں تو میں خود ہی اندر جا کر دے آتی ہوں اور وہ دیکھو۔ سامنے بھی ایک پارلر ہے۔'' سڑک کے پار سونی بیوٹی پارلر کے بورڈ کی طرف اشارہ کرتے اس نے عثمان سے کہا۔

''ٹھیک ہے پھر تم سامنے ہی رہنا۔ میں جب تک باقی کی دکانیں نمٹا لیتا ہوں۔'' وہ اپنے ہاتھ میں موجود پمفلٹ گنتا ہوا بولا۔

عجیب و غریب خرانٹ قسم کے مردوں سے بات کرنے کے بعد اب نازک سی بجی سنوری خواتین سے بات کرنا تو کوئی مسئلہ ہی نہ لگا۔ گھر کے بنے صاف ستھرے کھانے کی پبلسٹی کرتے ہوئے اسے اپنے اندر موجود مارکیٹنگ سے متعلقہ صفات کا ادراک آج

UUNOVELS.COM

خود پہلی بار ہوا تو خود بھی حیران رہ گئی۔ سڑک کے پار کے آخری پارلر میں تو خواتین نے پمفلٹ کم پڑنے کی صورت میں موبائل ہی میں نمبر نوٹ کر لیے کہ اس نے دعوت وغیرہ کے لیے شامی کباب، بریانی، قورمہ کا کچھ ایسے زبردست طریقے سے نقشہ کھینچا کہ ویکسنگ اور تھریڈنگ کراتی خواتین سمیت اس کے خود اپنے منہ میں بھی پانی آ گیا۔ خوشی خوشی پارلر سے باہر آ کے عثمان کی تلاش میں نظریں ادھر ادھر دوڑاتے ابھی وہ اسے موبائل پر کال کرنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ وہ اسے سڑک کراس کرتا دکھائی دیا لیکن اس کا شکر کا سانس خارج ہوتے ہوتے اٹک کے رہ گیا بلکہ پھانس بن کے پھنس گیا۔ عثمان اکیلا نہیں تھا اسفندیار خشمگیں نگاہوں سے اس کو گھورتا عثمان کے ساتھ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''موٹر سائیکل ہے تمہارے پاس۔'' اس کے قریب پہنچ کر حسب عادت اسے مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے وہ عثمان سے مخاطب ہوا اور عثمان کے تابع داری سے اثبات میں گردن ہلانے پر۔

''او کے پھر ملتے ہیں۔'' کہتے ہوئے عثمان سے ہاتھ ملا کے وہ اس کی طرف پلٹا۔

''ادھر ہی کھڑی رہنا، میں یوٹرن لے کر آتا ہوں..... بنا کچھ پوچھے درشتی سے کہہ کر اب وہ دوبارہ سڑک کراس کر رہا تھا اور وہ اس وقت تک پتھر کی بنی رہی جب تک بلیک لینڈ کروزر بالکل قریب آ کے رک نہیں گئی۔'' اب نجانے کیا سنائیں گے محترم! شیشے کے پار دیکھتے اس نے سوچا۔ ''خیر میں نے کون سا ایسا کوئی برا کام کیا ہے جو ان سے ڈرتی پھروں۔ کن اکھیوں سے ایک لمحے کو اس نے اسفندیار کو دیکھا۔

اسے خاموشی پر الجھن سی ہونے لگی۔ اب یہ کچھ بک کیوں نہیں دیتا؟ اب پتا نہیں گھر جا کر ممی کو کیا سنائے ابھی ہی معاملہ نمٹ جائے تو اچھا ہے اس نے سوچا۔

''تمہیں اندازہ ہے کچھ، خالہ کتنی ٹینس رہتی ہیں تمہاری سرگرمیوں کی وجہ سے۔'' بازار کی تنگ گلیوں سے گاڑی نکل کر مین روڈ پر آئی تو اس نے اسفندیار کی سلگتی ہوئی آواز سنی۔

''اب ان کی نیچر میں ہی ضرورت سے زیادہ ہر بات کی ٹینشن لینا ہے تو میں کیا کر سکتی ہوں۔'' بالکل سامنے دیکھتے ہوئے اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''تمہیں کیا آفت پڑی تھی اس گندے بازار میں عثمان کے ساتھ آنے کی..... کیا کرنے آئی تھیں یہاں..... ہیں؟..... کیا اور کوئی پارلر دنیا میں نہیں ہے جو تم اس گھٹیا جگہ آ گئیں۔'' غصہ میں اس کے منہ سے الفاظ بھی صحیح سے نہ نکل رہے تھے۔''

''لو میں خوامخواہ ہی پریشان ہو رہی ہوں عثمان نے تو کچھ بتایا ہی نہیں ہے'' شکر'' پریشانی کی جگہ چہرے پر اچانک ابھرتی اطمینان بھری مسکراہٹ چھپانے کی خاطر جلدی سے بائیں طرف منہ موڑ لیا۔

''پارلر!'' سینے میں پھر پھراتی ہنسی کا گلا گھونٹتے ہوئے اس نے شکر کیا کہ ہاتھ میں کوئی پمفلٹ نہیں بچا تھا۔

☆☆☆

شام میں مما حسب معمول اپنے اور اس کے یہاں رہنے اور نازک ترین صورت حال کے کسی بھی وقت بدترین صورت حال میں تبدیل ہونے کے خدشہ کے حوالے سے اسے سمجھا رہی تھیں۔ وہ نیچے کارپٹ پر اپنا بڑا سا سوٹ کیس کھول کے بیٹھی ہوئی تھی۔

''دیکھو بیٹا! میری پوزیشن سمجھو، یہاں پر میں اپنی بہن کے گھر رہ رہی ہوں تمہارے خالو کو تمہارا ایسے نعیمہ کے گھر جانے کے بارے میں پتا چلے گا تو وہ کتنا ناراض ہوں گے۔'' سوٹ کیس کو پھرولتے اس کے ہاتھ رک گئے۔

''مما ابھی پچھلے ہفتے میرال بھی تو ہمارے ساتھ گئی تھی نعیمہ آنٹی کے گھر۔''

''لیکن تم اتنی بچی تو نہیں ہو، تمہیں اپنے خالو اور ان کی بہن کے تعلقات کے بارے میں تو پتا ہے نا۔ یہ لوگ عید بقرعید تک پر ایک دوسرے کے گھر نہیں

UUNOVELS.COM

آتے جاتے۔"

"وہ سگی بہن ہیں ان کی۔ احمد خالو کو ملنا چاہیے اپنی بہن سے۔ اتنے ویل آف ہیں، ان کو اپنی بہن کی ہیلپ کرنی چاہیے۔" اس نے ماں کو قائل کرنے کی کوشش کی۔

"دیکھو، اس کے حالات اسی کی وجہ سے ایسے ہیں تمہیں نہیں پتا۔ اس کے بڑے بیٹے نے کتنی بدتمیزی کی تھی احمد بھائی کے ساتھ۔ جب سے تو احمد بھائی دوبارہ جاتے نہیں ہیں نعیمہ کے گھر۔"

"سن چکی ہوں یہ واقعہ بھی۔ ممی۔" وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"نعمان نے صرف یہ کہا تھا کہ انہیں احمد انکل کے دیے ہوئے پیسوں کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اچھا میری بات سنو، نعمان نے کیا کہا۔ کیا نہیں۔ یہ ان کا ذاتی مسئلہ ہے تمہارا نعیمہ اور اس کی فیملی سے کوئی رشتہ نہیں۔ وہ اپنی بہن کی ہیلپ کریں نہ کریں، ملیں نہ ملیں تمہیں فکر کر کے میرے اور آپا کے تعلقات خراب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ارے ہمارے اپنے مسئلے کم ہیں؟ ابھی ہمیں اپنے لیے گھر دیکھنا ہے۔ شفٹ ہونا ہے۔ میں نے کہا ہے اسفند سے کوئی اچھا سا گھر دیکھے ہمارے لیے۔"

وہ سمجھاتے سمجھاتے تنبیہی انداز اختیار کر گئیں۔

"ارے سب بڑے بیٹھے ہیں یہاں اور تم آ گئیں کہیں سے ان کی خیر خواہ۔ نگہت اتنا خیال کرتی ہے ان لوگوں کا۔"

"جی، مجھے اچھی پتا ہے نگہت آنٹی کتنا خیال کرتی ہیں۔ ابھی جب پچھلے ہفتہ ہم لوگ گئے تھے۔ نگہت آنٹی نے ذولان کے سوٹ اور چند ہزار روپے میرے خیال میں چار پانچ ہزار ہوں گے۔ وہ بھیجے تھے فارہ کے ہاتھ۔ پتا ہے مما..... ماریہ نے تو اپنا سوٹ کھول تک کے نہیں دیکھا..... مما وہ فرسٹ ایئر میں پڑھتی ہے اس کو ہر بات کا پتا ہے اسے پتا ہے کہ انہیں غریب سمجھ کے ان کی مدد کی جاتی ہے۔ انہیں تحفے نہیں دیے جاتے۔"

"ہاں تو اس میں بھائیوں کا کیا قصور ہے۔ اس نے جو بویا وہی کاٹ رہی ہے۔ اپنی من مانی کی سزا بھگت رہی ہے۔ تمہیں اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے اس کے لیے۔" کہتے ہوئے وہ بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ "اور یہ تم جلدی سے سب چیزیں سمیٹو۔" وہ بیڈ پر پڑے کپڑوں اور پھیلی ہوئی کتابوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگیں..... "آپا چائے پر انتظار کر رہی ہوں گی۔ تم بھی جلدی سے یہ سب سمیٹ کے آجاؤ۔" اس کو ہدایت دیتے وہ کمرے سے باہر نکل گئیں۔

"کتنا آسان ہے یہ کہنا کہ کوئی انسان اپنے کیے کی سزا بھگت رہا ہے۔ کیا کسی کو سزا سے نجات دلانے کی کوشش نہیں کرنا چاہیے۔ کیا نعیمہ آنٹی کو پتا تھا کہ ان کے ساتھ ایسا ہوگا۔

ان ڈیڑھ دو مہینوں میں اتنا تو اسے پتا چل ہی چکا تھا کہ نعیمہ آنٹی نے گھر والوں کی مرضی کے خلاف اپنی پسند سے شادی کی تھی۔ ماں کی لاڈلی تھیں۔ ابا سر پر تھے نہیں۔ شادی کے ایک سال بعد ماں بھی ساتھ چھوڑ گئیں۔ شوہر نے پوری زندگی ان کو سکھ نہیں دیا جو روپیہ پیسہ بھائی دیتے۔ وہ بھی بیوی سے چھین کر اپنی عیاشیوں کی نذر کر دیتا۔ فارہ نے تو یہ بھی بتایا کہ ایک دفعہ تو احمد انکل نے یہاں تک کہہ دیا کہ تم اس گھٹیا انسان کو چھوڑ کر یہاں آجاؤ میں تمہاری اور تمہارے بچوں کی ذمہ داری اٹھاتا ہوں لیکن نعیمہ آنٹی راضی نہیں ہوئیں۔ اس وقت ان کی شادی کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔

"کاش وہ اس وقت خالو کی بات مان جاتیں۔ شاید اس وقت ان کو اپنے شوہر کے سدھرنے کی امید ہو۔" وہ سوچنے لگی۔

انہیں کیا پتا تھا جس شخص کی خاطر وہ بھائیوں کو چھوڑ رہی ہیں۔ وہ انہیں ایسے رسوا کرے گا۔ کچھ سال پہلے اس نے نعیمہ آنٹی کو چھوڑ کے دوسری شادی کر لی، اپنے جوان ہوتے بچوں کا بھی خیال نہ کیا۔ چار سال پہلے جب انکل احسن کو ہارٹ اٹیک ہوا تو

UUNOVELS.COM

نعیمہ آنٹی جب بھائی کو اسپتال دیکھنے گئیں۔ تب نگہت آنٹی اور ان کا تھوڑا بہت آنا جانا شروع ہوا۔ وہ بھی نگہت آنٹی کبھی خود کبھی ڈرائیور کے ہاتھ انہیں کبھی کچھ پیسے یا دوسری چیزیں وغیرہ بھیج دیتی تھیں البتہ یہاں کے دروازے ان پر ابھی بھی بند تھے۔ احمد خالو کا دل ابھی بھی بہن کے لیے موم نہیں ہوا تھا۔ چھوٹے بھائی اور بھاوج کا بہن سے دوبارہ سے میل جول انہیں ناگوار تو گزرتا لیکن انہوں نے شاید بھائی کی صحت کی وجہ سے برداشت کرلیا تھا۔ البتہ نعیمہ آنٹی خود کبھی نہیں آئی تھیں۔ شاید بڑے بھائی کی ناراضی کے ڈر سے دونوں گھر برابر برابر تو تھے۔

بیڈ پر ویسے ہی اس کی چیزیں بکھری پڑی تھیں۔ اس نے سوٹ کیس کو زپ لگا کے بند کیا اور خود کھڑکی کے پاس آگئی۔ باہر سے نظر آتا سرسبز لان اور کیاری میں کھلے خوشنما پھولوں کو دیکھتے ہوئے اس نے گل بی بی کو چائے کے لوازمات سے سجی ٹرے لیے سامنے سے گزرتے دیکھا دور لان چیئرز پر مما، خالہ خالو، میرال اور ارمغان بھائی بیٹھے ہوئے تھے۔ اسفند یار شاید ابھی ابھی آفس سے آیا تھا۔ بازو پر کوٹ لٹکائے کھڑے کھڑے میرال سے باتیں کرتا، اس کو چھیڑتا سب کے ساتھ ہنستا۔ کتنی مکمل اور زندگی سے بھرپور فیملی نظر آرہی تھی بالکل ویسی جس وہ سوچا کرتی تھی۔

وہ اکثر سوچتی تھی کہ پاکستان میں لوگ کتنے لکی ہوتے ہیں۔ کتنے سارے رشتہ ہوتے ہیں ان کے پاس۔ نانی، دادی..... پھوپھیوں، خالاؤں اور ڈھیر سارے کزنز کی فوج والے ڈرامے اسے بہت اٹریکٹ کرتے وہ اسے کسی اور ہی دنیا کا روپ لگتے۔

سامنے نظر آتے ہنستے مسکراتے خاندان کو دیکھتے ہوئے اس کے ذہن کے پردے پر نعیمہ آنٹی کا بکھرا بکھرا الجھا سا خاندان، اکھڑے پینٹ والے چھوٹے سے گھر میں۔ اپنی محرومیوں سمیت اچانک سے ابھرا۔ بڑا بیٹا جو نوکری کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ عثمان کی بے ترتیب سی پڑھائی۔ دوسری مرتبہ بی کام کے پیپرز دیے تھے اس نے اور ماریہ کی آنکھوں سے جھلکتے شکوے، ناراضی یا محرومی۔

☆☆☆

صبح اٹھ کے سب سے پہلے اس نے اپنے فون کے میسجز اور کالز چیک کیا کہ کل کے بانٹے گئے پمفلیٹس کا کیا بنا..... اف..... اس نے خود ہی تو آٹھ سے دس بجے کا ٹائم لکھا تھا آڈرز کا..... اور ابھی صرف سات بجے تھے۔ خدا خدا کر کے دس بجے اور اس عرصے میں نجانے کتنی مرتبہ اس نے موبائل کی اسکرین روشن کر کے کالز چیک کی تھیں۔ ٹھیک دس بج کر ایک منٹ پر اس نے فون ملا دیا۔

''آنٹی! کیا ہوا کوئی آرڈر آیا؟'' اس نے جتنے اشتیاق سے پوچھا تھا۔ جواب سے زیادہ ان کا لہجہ اسے افسردہ کر گیا گو کہ وہ اسے تسلی ہی دے رہی تھیں کہ پہلے دن کون سا کوئی آرڈر آجائے گا..... لیکن ان کے لہجے کی شکستگی اس سے مخفی نہ رہ سکی۔

پورا دن ایسے ہی گزر گیا وہ بولائی بولائی پھرتی رہی۔ دوسرے دن اس نے خود ہی فون نہیں کیا کہ نعیمہ آنٹی یوں اس کے بار بار فون کرنے پر کہیں شرمندہ نہ ہو جائیں۔ دوسرا اس میں خود ان کے مایوس سے لہجے کو سننے کا حوصلہ نہیں تھا لیکن شام کو اس سے رہا نہ گیا۔ فون عثمان نے اٹھایا تھا۔

''میں نے تو آپ سے پہلے ہی کہا تھا۔ یہ ہمارے لوگ ایسی باتوں کو لفٹ نہیں کراتے آپ کے پمفلٹ پہ تو کب کا انہوں نے سموسہ رکھ کے کھا لیا ہوگا بلکہ اچھی طرح ہاتھ بھی صاف کیے ہوں گے اس سے۔''

اس نے ہنستے ہوئے کہا لیکن نجانے کیسی ہنسی تھی کہ دل بے اختیار رونے کو چاہا۔ بہرحال کچھ تو اللہ نے رکھا ہوگا ان کے لیے۔ اس نے وضو کر کے عصر کی نماز پڑھی، جانماز پر بیٹھی بہت سے دل سے دعائیں مانگ رہی تھی کہ گل بی بی مما کا بلاوا لیے حاضر ہو گئیں۔

آج کل تقریباً روز ہی ان کے مستقل رہائش کے لیے کوئی نہ کوئی گھر ڈسکس ہوتا تھا ابھی تک تو وہ

UUNOVELS.COM

لوگ بڑے ٹھاٹھ سے خالہ کے ہزار گز کے بنگلے میں رہ رہے تھے۔ برابر میں احمد خالو کے چھوٹے بھائی احسن انکل کا گھر تھا۔ دونوں گھروں کی بیچ کی دیوار میں ایک چھوٹا سا دروازہ آنے جانے کے لیے بنایا گیا تھا کہ باہر سڑک سے ہو کر نہ جانا پڑے۔ اکثر شام کی چائے بھی ساتھ ہی پی جاتی تھی۔ چھٹی کے دن یا کبھی کبھار ویسے ہی لنچ یا ڈنر بھی سب ساتھ مل کر کریں۔

بظاہر تو خاندان خوشیوں کا گہوارہ ہی تھا اگر نعیمہ آنٹی والے مسئلے کو بیچ سے نکال کے دیکھا جاتا لیکن وہ تو ڈیڑھ مہینے پہلے جب وہ فارہ کے ساتھ اس کی سگی پھوپھی کے گھر گئی تو اتنی دل گرفتہ ہوئی کہ بعض اوقات ماں سے بھی الجھ پڑتی جبکہ فریحہ بیگم کا موقف بھی کچھ غلط نہ تھا ابھی تو وہ خود بہن کے گھر مہمان تھیں۔ اور ایسے میں ان کی اولین ترجیح اپنے لیے مستقل رہائش کا بندوبست کرنا تھا۔ نہ کہ دوسرے مسئلوں میں الجھنا، اسی سلسلے میں تقریباً روز ہی کوئی نہ کوئی گھر ڈسکس کیا جاتا۔ خالہ کا تو بس نہ چلتا تھا کہ بہن کو ہمیشہ کے لیے ہی اپنے گھر میں رکھ لیں لیکن فریحہ بیگم کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتی تھیں اور دوسرے یہ کہ خالہ کے گھر میں کچن اور لاؤنج وغیرہ صرف نیچے کی منزل میں ہی بنے ہوئے تھے۔

آج بھی چائے پیتے ہوئے اسی سلسلے میں بات ہو رہی تھی۔ اسفند یار نے کچھ گھر دیکھے تھے جس کا وہ ان لوگوں سے ذکر کر رہا تھا۔ خالہ کا گھر مین روڈ پر واقع تھا اور جس گھر کے بارے میں ابھی بات ہو رہی تھی۔ وہ پیچھے والی گلی میں کارنر کا گھر تھا۔

"سب سے اچھی بات یہ ہے کہ نیچے کا گھر ہے۔ ہمیں لان مل جائے گا۔ بھئی مجھے تو کسی پارک میں جا کے واک کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ واک کرنے کے لیے چلو اپنے ہی لان میں دو چار چکر لگا لیے۔" مما کی پلاننگ پر وہ انہیں دیکھ کے رہ گئی۔

"مجھے تو پسند آیا ہے۔ فیروز بلڈرز کا بنا ہوا ہے۔ چار بیڈ روم ہیں، اٹالین کچن ہے بہت اچھا بنا ہوا گھر ہے ایک دو روز میں آپ لوگوں کو بھی دکھانے کے لے چلوں گا۔"

"یہ پہلا موقع تھا کہ اسفند یار نے کسی گھر کے بارے میں اتنے حتمی انداز میں بات کی تھی۔

"ہماری ہی گلی میں کوئی گھر مل جاتا تو اور اچھا تھا۔" خالہ بہن کو قریب سے قریب تر رکھنے کی خواہش مند تھیں۔

"اور رینٹ کتنا ہے؟" اس دفعہ اس نے اسفند یار سے براہ راست پوچھا۔

"وہی جو فری خالہ سے ڈسکس ہوا تھا اسی ہزار!"

"اسی ہزار کچھ زیادہ نہیں ہیں؟" اس کے سوال پر مما سے زیادہ اسفند یار کو حیرت ہوئی۔

"زیادہ ہے.....؟" وہ اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ "ایک کنال کا پورا پورشن مل رہا ہے، اس حساب سے سستا ہے ورنہ ڈیفنس میں ایک پورشن کا ایک لاکھ سے کم نہیں ہے۔"

"بیہ! کمال کرتی ہو تم۔" مما نے فوراً اسے ٹوکا۔ "دبئی میں تو ہم اس سے کہیں زیادہ رینٹ دیتے تھے۔"

"دبئی کی بات اور تھی مما۔" وہ انہیں کھل کر نہ کہہ سکی کہ وہاں آپ اور بابا دونوں بہت ہینڈسم سیلری لیتے تھے۔ اس بات کا اندازہ تو خود مما کو ہونا چاہیے۔ اسے الجھن ہوئی۔

"لو میں تو سمجھی تھی، تم خوش ہو گی۔ تمہیں تو بڑے بڑے لان، گارڈن، پارکس بہت پسند ہیں۔" مما بڑی بہن کے پاس آ کے بالکل بچی بن چکی تھیں۔

"وہ مما! ہمارے دو پلاٹس بھی تو ہیں۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔ "ہم وہ بیچ کر اگر ایک بنا بنایا گھر لے لیں؟ یا کسی ایک پلاٹ پر ہم اپنا گھر تعمیر کرا لیں تو..... اچھا نہیں ہے۔ ہم ہر مہینے کے کرائے کی ٹینشن سے بھی بچ جائیں گے۔"

"ارے بیٹا! تم کیوں فکر کرتی ہو، تمہارے بابا کی کافی سیونگ (پس انداز رقم) ہے۔" مما کو امیر کبیر بہن کے سامنے یوں اس کا پیسے کے لیے فکرمند

ہونا اچھا نہیں لگا۔

دو چار دن ایسے ہی گزر گئے، اس کی پلاٹ بیچ کر گھر خریدنے والی تجویز کو کسی نے بھی خاص اہمیت نہیں دی۔ مما اور خالہ پچھلی گلی والا گھر دیکھ کے پسند بھی کر آئیں۔ اب اسے بھی ساتھ چلنے کا کہہ رہی تھیں تاکہ سودا فائنل کیا جائے۔

☆☆☆

نعیمہ آنٹی کی طرف سے بھی مکمل خاموشی تھی۔ وہ جو دن میں پہلے پہل بیس پچیس مرتبہ ان کی کال چیک کیا کرتی تھی، اب دو تین مرتبہ ہی موبائل پر نظر ڈالتی کہ شاید کوئی اچھی خبر سننے کو ملے۔

آج اس نے چار دن بعد خود ہی ہمت کر کے فون ملا لیا، اس کے حال چال پوچھنے کے جواب میں بالآخر اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھ ہی لیا گو کہ اب اسے کسی آرڈر کے بارے میں پوچھنا شرم سے پانی پانی کیے دے رہا تھا۔

''ہاں بیٹا! کل یہ بازار کی کسی دکان سے دو پلیٹ سالن کا آرڈر آیا تھا۔''

''اور آج.....؟'' اس نے جلدی سے پوچھا۔

''ابھی تک تو کسی نے فون نہیں کیا۔ میں تو سارا وقت اپنے ساتھ ہی فون رکھتی ہوں۔'' اس کا دل دکھ سا گیا۔

اسی وقت موبائل پر وقت دیکھا۔ گیارہ بج رہے تھے۔ اب کیا خاک کوئی آرڈر آنا تھا۔ ادھر اُدھر کی باتیں کر کے اس نے فون رکھ دیا، خواہ مخواہ ہی ان سادہ سے لوگوں کو امید دلائی۔ اسے اپنا منصوبہ بالکل فلاپ لگا۔ ''صحیح کہتی ہیں مما، میں جلد باز ہوں۔ بغیر سوچے سمجھے شروع ہو جاتی ہوں۔ پتا نہیں میرا یہ پلاٹ بیچ کے گھر خریدنے والا آئیڈیا بھی ٹھیک ہے کہ نہیں۔'' اس کا اعتماد چٹخنے لگا۔ لیکن ایک کوشش تو کرنی چاہیے، اگلے ہی لمحے اس کی ازلی خود اعتمادی نے بل کھا کے سر اٹھایا۔

اگلے دن وہ فہد کو لے کر ڈیفنس کے کمرشل ایریا میں بیٹھے اسٹیٹ ایجنٹوں کے آفسوں کے چکر کاٹ رہی تھی۔

''صحیح کہہ رہا تھا اسفند۔ اس سے کم کرائے پہ گھر ملنا بہت مشکل ہے۔'' گول مارکیٹ کے پارکنگ لاٹ میں گاڑی پارک کرتے فہد نے اسے مزید خواری سے بچانے کی کوشش کی۔

''اچھا ذرا اپنے پلاٹ کی قیمت تو لگواتے ہیں۔ تم چلو تو۔'' سیڑھیاں چڑھتے اسے اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ فہد کو کسی کام پر آمادہ کرنا کتنا مشکل کام ہے اور تین اسٹیٹ ایجنٹس سے مغز ماری کے بعد فہد کی تو ہمت بالکل ہی جواب دے چکی تھی اور اس کا فیول ڈلوانے یعنی اسے کافی پلوانے کے لیے انہوں نے گلوریا جینز کا رخ کیا۔

''دیکھو، اگر ہمارا پلاٹ ڈھائی تک کا نکل جائے تو.....'' وہ بالکل اسٹیٹ ایجنٹوں والا لب ولہجہ اختیار کر چکی تھی۔ ''تو تھوڑے پیسے اور ملا کے ہم بارہ مرلے کا گھر آرام سے لے سکتے ہیں۔ کم از کم ہر مہینے کرائے کے جھنجھٹ سے تو جان چھوٹے گی۔'' بھاپ اڑاتی کافی کے گھونٹ لیتی وہ جوڑ توڑ میں مگن تھی۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔''

فہد نے پتا نہیں ساتھ دینے کو کہا تھا یا واقعی اسے یہ تجویز اچھی لگی تھی۔ وہ اندازہ نہ کر سکی لیکن گھر آ کر جب مما سے بات کی تو وہ کسی طور راضی نہ ہوئیں اور نہ ہی خالہ راضی ہوئیں۔

''بھئی، ہم اکیلے کیسے رہیں گے..... اور ہمیں اتنی ایمرجنسی کیا پڑی ہے پلاٹ بیچنے کی اور گھر تعمیر کرانا کوئی آسان کام ہے۔''

مما تو گھر خریدنے یا بنانے کا سن کے اپنی کپٹی ایسے دبانے لگیں کہ جیسے مزدوروں کی جگہ خود مما نے ہی تو کام کرنا تھا۔ اتنی کم ہمت تو اسے کبھی نہیں لگی تھیں مما۔ مما نے اسے چائے بنانے کے لیے اٹھا دیا۔

''تمہارا مسئلہ کیا ہے؟ کیوں تم ایسا کرتی ہو۔ تمہیں ضرور سب سے الگ، سب سے نرالی بات بیچ میں لے کر آنی ہوتی ہے۔ اتنی خوش تھیں خالہ! آخر پیسہ ہوتا کس کے لیے ہے۔ انسان کے اپنی ذات پر

خرچ کرنے کے لیے ہی نا تو تم کیوں یہ بیوں والی حرکتیں کرتی پھر رہی ہو؟ اتنے کا پلاٹ بیچ دو، اتنے کا گھر خرید لو۔ اتنے پیسے بچالو۔ اتنے کا یہ کرلو..... کیا پوچھ رہا ہوں۔" وہ اس کے سر پر کھڑا برس رہا تھا۔ اس کی خاموشی اسے اور اشتعال دلا رہی تھی۔

"آپ پوچھ کچھ بھی نہیں رہے۔" چائے کے مگ نکال کر وہ کیبنٹ بند کرتے ہوئے اطمینان سے بولی۔ "آپ صرف غصہ کر رہے ہیں۔"

"جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے نہیں تمہیں دبئی سے آئے اور کبھی منہ اٹھا کے بازاروں میں نکل کھڑی ہوتی ہو۔ کبھی اسٹیٹ ایجنٹوں کے پاس چکر لگاتی ہو، یہ دبئی نہیں ہے۔ کچھ اندازہ ہے خالہ تمہاری حرکتوں کی وجہ سے کتنی پریشان ہوتی ہیں۔"

ہر بات کی تان اسی ایک بات پر آ کے ٹوٹتی تھی۔ جیسے پتا نہیں کس دہشت گرد گروپ سے اس کا تعلق تھا۔ اس نے لمبی سی اکتائی ہوئی سانس لیتے ہوئے تیسرے مگ میں چائے انڈیلنی شروع کی۔

"تمہارا اور خالہ کا اتنا آسان نہیں ہے اکیلے رہنا۔" وہ آج نجانے کتنے دنوں کا جمع شدہ غبار نکال رہا تھا۔ "ابھی ایک دو سال میں خالہ تمہاری شادی کردیں گی تو پھر کیا وہ اکیلی رہیں گی اس گھر میں..... بتاؤ۔" اس نے معاملات کی نزاکت کو ایک مختلف پہلو سے دکھایا۔

"تو کیا جو آپ کرائے کا گھر دیکھ رہے تھے، کیا اس میں مما میری شادی کے بعد اکیلی نہیں رہیں گی؟" ٹرے میں شکر دان رکھتے ہوئے اس نے اطمینان سے سوال کیا۔

"بے وقوف لڑکی! وہ گھر تو اتنا قریب تھا جب چاہتیں فری خالہ امی کے پاس آسکتی تھیں۔" اس کا واقعی اس کی عقل پر ماتم کرنے کا دل چاہا۔

"ہاں تو میں بھی کوئی انار کلی میں گھر خریدنے کا نہیں کہہ رہی..... ادھر ڈیفنس میں بھی تو کوئی خرید سکتے ہیں ناں؟" اور اسفند کے تو تلوؤں پر لگی اور سر پر بجھی۔ کتنی دیر تک تو وہ لب بھینچے کچھ بول ہی نہ پایا۔

"تمہاری ہٹ دھرمی کی وجہ سے اگر کوئی مسئلہ ہوا تو یاد رکھنا، میں تمہارا بندوبست کرنا بھی جانتا ہوں۔ اس لیے اپنی آدھی انچ کی عقل استعمال کر کے ڈیڑھ انچ کی مسجد نہ ہی بناؤ تو بہتر ہے۔"

اتنا سخت سلگتا ہوا لہجہ..... وہ جتنی بھی بہادر تھی، اس دفعہ حقیقتاً پوری جان سے لرز گئی تھی۔ پہلی دفعہ اسے پاکستان آنے کے فیصلہ پر پچھتاوا ہوا۔ اپنی ہمت خود ہی بندھاتی چائے کی ٹرے لیے جب وہ لاؤنج میں آئی تو مما، خالہ اور نگہت آنٹی کے گروپ میں اسفندیار کا اضافہ ہو چکا تھا۔

خالہ اور مما کے بغیر شکر کی چائے دینے کے بعد وہ نگہت آنٹی کے قریب پڑی سائیڈ ٹیبل پر ان کی چائے رکھ کے واپس آ کر ابھی اپنے لیے بنائی چائے اٹھانا ہی چاہتی تھی کہ وہ اسفندیار نے اٹھالی اور ایک گھونٹ لے کر ہی وہ جیسے بدمزہ ہوا تھا۔

"اتنی میٹھی چائے؟" ابرو چڑھاتا عجیب ناگواری سے پوچھتا وہ اسے زیر لگا۔ اس کا دل تو چاہا کہ اسے سنائے کہ چائے اٹھانے سے پہلے پوچھ تو لیتے، کس کی چائے ہے..... کہ وہ بول پڑا۔

"لیہا! پلیز ذرا زحمت کرنا، ایک کپ چائے تو بنا دینا..... یاد رکھو، اگر گل بی بی جاگ رہی ہیں تو ان سے کہہ دو....."

"بیٹا! تم خود ہی بنا دو..... وہ بے چاری صبح فجر کی اٹھی ہوئی ہیں۔ اب اتنی رات کو کیا انہیں بے آرام کرنا۔" مما کی آواز پر وہ جلتی بھنتی اٹھ کھڑی ہوئی..... جب دو دو چمچے بھر بھر کے چائے میں گھول رہی تھی، تب اسے نظر نہ آیا۔ میٹھی چائے کا باپ، مکار، چال باز..... جیسی تیسی چائے بنا کر چھوٹی سی ٹرے میں شکر دان کے ساتھ اس کے سامنے رکھے، سینٹرل ٹیبل پر رکھ کے وہ خود ذرا فاصلے پر نگہت آنٹی کے پاس رکھے فلور کشن پر آ کے بیٹھ گئی۔

ایک طرف خواتین کی محفل جمی تھی۔ دوسری طرف لاؤنج کی بڑی سی کھڑکی سے دور نظر آتا گول چمکتا چاند تھا۔ مما اور نگہت آنٹی بڑے ذوق و شوق

سے کچن گارڈن میں پھل، پھول اگانے کے ساتھ ساتھ گزشتہ کاشت کاریوں کے نتیجے میں حاصل ہونے والی نایاب سبزیوں کی خاصیت، رنگ وروپ، ذائقہ اور مٹھاس کے بارے میں زمین آسمان کے قلابے ملائے جارہی تھیں۔

''یہ تم ہی پی لو جائے، میں تو پی چکا۔'' اس کے قریب چائے کی چھوٹی سی ٹرے رکھتے ہوئے وہ جھکا۔ آواز پر چونک کر اس نے دیکھا، بس لمحہ بھر کو اس کی متحیر سادہ نظر کچھ جتاتی، مسکراتی نگاہوں سے ملی۔ دل بری طرح ڈوب کے ابھرا، جیسے کسی انہونی کا سگنل ہو یا کچھ گڑبڑ ہونے کا خطرہ...... اس کالی کلوٹی چائے کو پینے کا اس کا کوئی موڈ نہیں تھا اور نہ ہی اسے ٹینڈے، گوبھی، کدو، لان کے پچھلے حصے میں اگانے سے کوئی لگاؤ تھا، اس لیے خود بھی جلد ہی اٹھ گئی۔

کرائے کے گھر کے سلسلے میں کسی قسم کی پیش رفت کے بغیر، کچھ دن معمول کے مطابق ہی گزر گئے اور یہ بات اس کے لیے باعث اطمینان ہی تھی۔ اپنے موبائل پر عثمان کی مسڈ کال دیکھ کے اس نے نعیمہ آنٹی کو فون ملایا تو پتا چلا، بیلنس ختم ہے۔ ابھی ہفتہ پہلے ہی تو کارڈ ڈلوایا تھا...... وہ میرال کے آگے اپنے موبائل کے پیٹو پن کا رونا رو رہی تھی۔

''اس کو چھوڑو۔'' میرال نے اس کا موبائل ہاتھ سے کھینچتے ہوئے اسے خود بھی گرانے کے سے انداز میں بیڈ پر اپنے پاس بٹھایا۔ ''مجھے یہ بتاؤ، تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ تم لوگ، احسن چچا کے گھر شفٹ ہو رہے ہو، تم نے اتنی بڑی بات مجھ سے چھپائی اور فہد کو بتا دی؟''

''کون سی بات......؟ کس سے چھپائی، کون شفٹ ہو رہا ہے...... تم کیا کہہ رہی ہو؟'' وہ موبائل کے بیلنس کو بھول بھال اس کے عجیب وغریب سوال کے جواب میں خود سوالیہ نشان بن چکی تھی۔

''لو تم اور فری خالہ اگلے مہینے فارہ لوگوں کے اوپر والے پورشن میں نہیں شفٹ ہو رہے؟'' اس کی پریشان ہوتی شکل کو دیکھتے ہوئے وہ بیڈ سے جھٹکے سے اٹھی۔

''ہوسکتا ہے تمہاری مما تمہیں سرپرائز دینا چاہ رہی ہوں۔'' شانزے نے دوستانہ سے انداز میں اس کے چہرے پر چھائی پریشانی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ شانزے فارہ کے ماموں کی بیٹی تھی۔

''میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔'' اس نے مسکرانے کی کوشش کی اور پھر کچھ ہی دیر بعد وہ سب کے ساتھ کارڈز کھیلنے میں مصروف تھی۔ دوپہر کے کھانے کا خالہ نے گل بی بی کے ذریعے بلاوا بھیجا تو وہ جوش وخروش سے شانزے کے ساتھ کچن میں کھڑی الفریڈو پاستا بنا رہی تھی۔ الفریڈو پاستا جس کی خوشبو بھی یونیورسٹی کیفے ٹیریا میں سونگھ لیتی تو بھوک اڑ جاتی کہ مسز پیٹر ہفتہ کے چار دن الفریڈو پاستا ہی بناتی تھیں۔ گھر سے دور حصول تعلیم کے لیے مانچسٹر میں گزارے، وہ ماہ وسال اس نے مما کے ہاتھ کے پکے کھانوں کو مس کرتے گزارے تھے۔

''یار! آج کہیں باہر چلتے ناں......'' میرال نے جوان لوگوں کو لاؤنج کی سینٹرل ٹیبل پر پاستا کی ڈش اور پلیٹیں رکھتے دیکھا تو بجائے خوش ہونے کے الٹا منہ بنانے لگی۔

''چلو، اب انہوں نے اتنی محنت سے بنایا ہے، شام میں کچھ باہر سے کھالیں گے۔'' فہد نے اسے دلاسا دیتے ہوئے اپنے لیے پاستا نکالا۔

''تمہیں تو پاستا پسند ہے۔ کبھی گھر میں بھی خوش ہو کے کھالیا کرو۔''

آخر میں اس نے پیار سے ٹوکا۔ ایہا بھی اپنی پلیٹ لے کر شانزے کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ فارہ کا نا لے کر فہد کے ساتھ ہی نیچے کارپٹ پر اس کے ساتھ ہی شیئر کرنے لگ گئی۔

''ویسے ہم ابھی بھی جا سکتے ہیں، پتا ہے۔ ایم ایم عالم روڈ ایک نیو ریسٹورنٹ کھلا ہے اور اس پورے ہفتے ہر چیز آدھی قیمت پر ملے گی۔ جیسے اگر اک کھانا ہزار روپے کا ہے تو صرف پانچ سو روپے چارج ہوں گے۔'' میرال پلیٹ میں پاستا نکالتے ہوئے ان

لوگوں کو لالچ دلانے لگی۔

"ویسے میرو! تم اتنی کفایت شعاری کی باتیں نہ ہی کرو تو بہتر ہے کیونکہ تم نے کون سا پانچ سو روپے بچا کر گھر لے آنے ہیں۔ ان پانچ سو کی تم پانچ منٹ کے اندر اندر کافی پی لوگی۔" فارہ کی بات پر سب ہی کے قہقہے ابل پڑے۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو یار!" خلاتوقع میرال لہجے میں حسرت سموئے اداس سی صورت بناتے ہوئے بولی۔

"میں تو خود سوچتی ہوں، میرا کیا بنے گا؟"

"تم یہ کیوں نہیں سوچتیں کہ میرا کیا بنے گا۔" فہد کا جملہ ابھی مکمل بھی نہ ہوا تھا کہ ڈرائنگ روم سے منسلک دروازہ کھولتے ہوئے اسفند یار داخل ہوا۔

"کہیں تمہارا ابھی تو خالہ کے ساتھ یہاں شفٹ ہونے کا ارادہ نہیں ہے۔" میرال کو چھیڑتا وہ شانزے سے ہیلو ہائے کر کے ان کے برابر سنگل صوفے پر بیٹھ گیا۔ شاید اسے آفس سے آئے کافی دیر ہو چکی تھی، کپڑے وغیرہ تبدیل کیے، خاصا فریش سا لگ رہا تھا۔

"اگر تمہیں یاد ہو تو تم نے ہمیں آج زبردست سی آؤٹنگ کرانی ہے۔" شانزے نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔

"مجھے میں سکون سے بیٹھا اچھا نہیں لگتا اور آج تو ویسے بھی بہت بزی دن گزرا ہے آفس میں۔" وہ کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو سر کے پیچھے کرتے مزید آرام دہ انداز اختیار کر گیا۔

"یہ کیا بات ہوئی بھائی؟" میرال تو پیدا ہی گھومنے پھرنے کے لیے ہوئی تھی۔

"چلیں، میں آپ کو حرے دار سی چائے پلاتی ہوں، آپ کی فیورٹ مسالا چائے۔ آپ کی ساری تھکن دور ہو جائے گی۔"

"تمہاری چائے کوئی انرجی ڈرنک ہے کیا؟" فہد نے جیسے اس کا مذاق اڑایا۔

"یہ تو چائے پینے کے بعد اسفند سے ہی پوچھنا۔" وہ اعتماد سے بولی۔

"کیوں کیا ہمیں پرہیز ہے مسالا چائے سے، ہم بھی پئیں گے۔" فہد فوراً بولا۔

"اچھا چلو، میں سب کے لیے بناتی ہوں۔ تم لوگ بھی پیو گے نا۔" وہ لیہا اور فارہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں تو پینے سے زیادہ دیکھنے میں انٹرسٹڈ ہوں کہ تم یہ انرجی ڈرنک کیسے بناتی ہو۔" کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

ویسے بھی بالکل سامنے کسی کی نظر کی زد میں رہنا اسے مشکل میں ڈال رہا تھا اور جو کچھ اس کے ساتھ ہوا تھا، مما نے کیسے یہ بات اس سے چھپالی۔ انہیں مشورہ کس نے دیا، خالہ نے، خالو نے یا اسفند یار نے؟ اور بیٹی سے مشورہ تو کیا، تذکرہ تک نہ کیا۔ "مما.....! مجھے بابا نے اکیلا نہیں چھوڑا تھا، آپ نے چھوڑ دیا ہے۔" اس کے گلے میں آنسوؤں کا پھندا اٹکنے لگا۔

"دیکھو اس میں ابال آ گیا ہے نا۔" دار چینی، الائچی اور لونگ والے پانی کو ابلتا دکھاتے، شانزے نے اس سے کہا۔ "اب ہم اس میں پتی ڈال کے دم دے دیں گے۔ بعد میں دودھ گرم کر کے مکس کر دیں گے..... آسان ہے نا؟"

"ہوں....." مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور ہاں..... آخر میں پسا ہوا گرم مسالا بس ایک چٹکی ڈال دو تو بہت اچھا فلیور آتا ہے۔" اس نے مزید بتایا۔

"اچھا اب میں چلتی ہوں شانزے! مغرب کی نماز کا وقت نکل رہا ہے۔"

"ارے تو تم ہمارے ساتھ نہیں چلو گی؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"پھر کبھی یار..... آج تو صبح سے ادھر ہی ہوں۔ مما پریشان ہو رہی ہوں گی، ویسے بھی کل تو مل ہی رہے ہیں ناں ناشتہ پہ۔"

کل فہد اور شانزے مل کر ناشتہ بنا رہے تھے،

UUNOVELS.COM

ابھی لاؤنج میں بیٹھے بیٹھے ہی یہ پروگرام طے پایا تھا کیونکہ اگلے ویک اینڈ پر خالہ نے ارمغان بھائی کے سسرال والوں کی دعوت رکھی تھی کہ جب سے یہ لوگ آئے تھے، ملاقات ہی نہ ہو پائی تھی۔ حرا اور اس کی فیملی اسلام آباد میں رہتے تھے اور اگلے ہفتہ کچھ دنوں کے لیے لاہور میں مقیم اپنے ماموں کے گھر آ رہے تھے تو خالہ نے ابھی سے انہیں دعوت ڈالی تھی اور پھر کچھ دنوں تک فہد کا بھی اپنے دوستوں کے ساتھ ناران کاغان گھومنے کا پروگرام تھا تو کل کا چھٹی کا دن ہی موزوں ترین دن لگا کہ سب اکٹھے ناشتا کر لیں۔

☆☆☆

جتنا شور برابر والے گھر میں مچا ہوا تھا، خالہ کے گھر میں اتنا ہی سناٹا تھا۔ لاؤنج میں لیپ ٹاپ پر مصروف ارمغان بھائی سے ہیلو ہائے کرتی وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ سردیوں کے شروع کی اداس سی جلد ڈھل جانے والی شامیں، کھڑکی سے باہر نظر آتا اندھیرا اور اندر مکمل اندھیرا۔ وہ لائٹ بند کر کے بستر پر لیٹ گئی۔ آخر وہ سب بھی تو اتنے خوش ہیں۔ ایک میں ہی اداس ہوں..... اندر ہی اندر کچھ ملال سا تھا۔

بابا کے سر پر نہ ہونے کا دکھ.....

یا مما کے ضرورت سے زیادہ اپنے خاندان میں انوالو ہونے کا خیال.....

یا کسی کے ہاتھوں اپنی بے عزتی کا خیال.....

یا کچھ کھو دینے کا احساس.....

وہ اتنی جلدی ہمت نہیں ہارتی تھی۔ بڑے مضبوط اعصاب کا سمجھتی تھی خود کو..... لیکن جب بابا تھے، تب وہ اپنے گھر میں، اپنی چھت کے نیچے تھی۔

"بیہ..... ابھی سے سو رہی ہو؟" اندھیرے میں اسے مما کی آواز سنائی دی۔

"کیا بات ہے، کیوں اس وقت بستر پر لیٹی ہو۔" انہوں نے آگے بڑھ کر ٹیبل لیمپ روشن کیا۔

"میں تو سمجھی تھی، تم بھی سب کے ساتھ گئی ہو گی۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

"تمہیں احسن بھائی کے گھر شفٹ ہونے پر اعتراض ہے؟" مما نے پوچھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"پھر؟" انہوں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں مما! آپ پریشان نہ ہوں۔ کب شفٹ ہونا ہے؟" اس نے لیٹے لیٹے پوچھا۔

"اگلے مہینے بیٹا!" بیڈ پر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے انہوں نے کہا۔ "اگر تم راضی نہیں ہو تو میں منع کر دوں گی بیہ..... جیسے تم کہو نی!"

"مجھے کچھ مسئلہ نہیں ہے مما! آپ میری وجہ سے پریشان نہ ہوں۔"

"بیٹا! میں فی الحال اکیلے کہیں اور شفٹ ہونے کے لیے ذہنی طور پر خود کو آمادہ نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ گھر قریب تھا لیکن ڈیل کو فائنل کرنے میں اتنے دن لگے کہ وہ گھر ہاتھ سے نکل گیا..... دیکھو، ہم کہیں بھی رہتے تو کرایہ تو دیتے ناں۔ وہ ہم احسن بھائی کو دے دیں گے اور کچھ عرصہ میں کوئی اچھا سا گھر دیکھ کے اپنے گھر شفٹ ہو جائیں گے۔ اسفند نے پلاٹ کے سلسلے میں ایک دو اسٹیٹ ایجنٹوں سے بات کی ہے، جیسے ہی کوئی اچھی آفر ہوئی، وہ ضرور غور کرے گا۔ بیٹا یہ گھر اور پلاٹ کی خرید و فروخت ہم عورتیں نہیں کر سکتیں، اسفند لڑکا ہے۔ تم سے بڑا ہے۔ ان معاملوں میں اسے بہتر پتا ہے کہ کیا کرنا چاہیے۔"

اس دن کچن میں اسفندیار کے منہ سے شعلوں کی صورت میں نکلتے طعنوں کو مما ٹھنڈا اور شوگر کوٹ کر کے اسے سنا رہی تھیں۔ وہ شخص جو اپنی ناک پر مکھی نہ بیٹھنے دے لیکن دوسروں کی عزت اس کی نظر میں کوئی معنی نہ رکھتی تھی اور ایسے ڈبل اسٹینڈرڈ (دوہری شخصیت کے حامل) لوگوں میں اسے نجانے کب تک رہنا تھا، بابا کتنا ہر معاملے میں اسے سپورٹ کرتے تھے۔ ہمیشہ اس کا اعتماد بڑھاتے۔ یہاں اس کا اعتماد کیسے اس ایک شخص کی آنکھوں میں کھٹک رہا تھا۔ اسے سب نظر آ رہا تھا، اسفندیار خان کی چالیں، اس کی ہوشیاری، اس کی مکاری۔ اس نے کیسے مما کو شیشے میں اتار لیا تھا۔ صرف اسے نیچا دکھانے کے

UUNOVELS.COM

لیے۔

پہلے جب وہ بچپن میں خالہ کے گھر دو تین مرتبہ آئی تھی تو ارمغان بھائی کے ساتھ ساتھ اسفند بھی میرال کی طرح ہی اس کا خیال رکھتا، میرال اس سے دو سال چھوٹی تھی اس نے کبھی میرال اور اس میں فرق نہ کیا تھا اور اب کتنا فرق آ گیا تھا، ان دو تین دفعہ کی چھٹیوں کے ان گنت واقعات تھے اور حیرت کی بات تھی اسے یاد بھی تھے۔ جب مما اور خالہ دوپہر میں لمبی لمبی شاپنگ پر نکل جاتیں اور اس سے کھانا نہ کھایا جاتا تو ملازمہ سے لڑ جھگڑ کے اس کے لیے آلو کے چپس بنواتا۔

"یہ اس سے کھانا نہیں کھایا جا رہا۔ اسے مرچیں لگ رہی ہیں۔" حالانکہ اسے تو خود پتا نہیں چلتا تھا، اسے کیوں کھایا نہیں جا رہا۔ کتنا بڑا ہوگا، وہ دس بارہ سال کا۔ اسے کچھ بھی نہ بھولا تھا۔ اسے تو سائیکل کے وہ چھوٹے سے سپورٹ کے لیے لگے دو پہیے بھی یاد تھے، جو اس کے سائیکل چلانے کے دو دن بعد ہی اسفند نے سائیکل سے نکال دیے تھے کہ اب اس کے بغیر سائیکل چلاؤ۔ اس کے ساتھ ساتھ بھاگتا، وہ گرتی تو اسے تھام لیتا..... اور اب خود ہی دھکا دے کے گرا دیا۔

"تم بھی چلی جاتیں سب کے ساتھ..... یہاں اکیلی پڑی بور ہو رہی ہو۔" مما نے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔

"صبح کے لیے اب کوئی ڈھنگ کا سوٹ نکال لینا۔ ایسے ہی الٹے سیدھے حلیے میں گھومتی رہتی ہو۔" وہ اس کے ریشمی بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

اس نے لیٹے لیٹے اپنی ٹھوڑی ہلکے سے ہلائی، کچھ بولنے کے لیے نہ الفاظ تھے نہ ہمت۔ اتنی جلدی تو اس پر رقت طاری نہ ہوتی تھی، شاید سب لوگوں کے اسے چھوڑ کے جانے کی وجہ سے۔ شاید نعیمہ آنٹی کی وجہ سے۔

یا شاید کسی کے نظر انداز کیے جانے کی وجہ سے۔

☆☆☆

صبح اس کی آنکھ گل بی بی کے اٹھانے پر کھلی۔

"یہ بیٹا آپ کا فون میرال بٹی نے بھیجا ہے۔" شاید وہ کل میرال کے کمرے میں ہی اپنا موبائل بھول گئی تھی، اسے یاد آیا۔

"کہہ رہی تھیں کہ آپ کو اٹھا بھی دوں۔" مندی مندی آنکھوں سے اس نے سامنے دیوار پر لگی گھڑی میں ٹائم دیکھا۔ ساڑھے نو بج رہے تھے۔ گل بی بی اسے اٹھتا دیکھ کے باہر نکل گئیں۔ اسی وقت موبائل بج اٹھا۔

"صبح سے آپ کو فون کر رہے ہیں، کل بھی اتنے فون کیے آپ کو۔" بیڈ کی پشت سے ٹیک لگاتے اس نے ماریہ کی چہکتی آواز سنی۔

"پتا ہے، امی کو آج ایک تقریب میں بریانی بنانے کا آرڈر ملا ہے۔ وہ جس بیوٹی پارلر پہ آپ گئی تھیں نا وہاں نا۔ ادھر ہی کے اسکول کی ایک پرنسپل بھی تھیں۔ انہوں نے کل بھی امی سے بریانی بنوائی تھی اور آج ان کے گھر میلاد ہے تو انہوں نے امی کو بریانی اور کھیر کا آرڈر دیا ہے۔"

"کیا..... کیا کہہ رہی ہو؟" وہ جھٹکے سے بیڈ سے اتری۔

"جی، تیس لوگوں کے لیے بریانی کا آرڈر دیا ہے انہوں نے اور کل انہوں نے اپنے اسکول کی کینٹین کے لیے امی سے چکن سینڈوچز بھی بنوائے تھے نا تو ابھی فون آیا تھا ان کا..... انہوں نے کہا ہے کہ ان کے اسکول کی کینٹین کے لیے سینڈوچز بھی اب امی ہی بنایا کریں گی۔"

"مجھے یقین نہیں آ رہا۔" اس کی آواز خوشی سے بے قابو ہونے لگی۔

"ہاں ناں، ہمیں بھی یقین نہیں آ رہا..... پتا ہے وہ جو پرنسپل ہیں ناں، انہوں نے امی سے اتنی اچھی طرح بات کی۔ اتنی حوصلہ افزائی کی امی کی۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ گھر بیٹھی عورتوں کو اس طرح کے کام کرنے چاہئیں اور وقت ضائع کرنے کے بجائے

UUNOVELS.COM

محنت کر کے حالات کا مقابلہ کرنے والے لوگ ہی کامیاب ہوتے ہیں۔ شکر ہے، آج میری چھٹی ہے، کام اتنا زیادہ ہے۔"

اسے پتا ہی نہ چلا، وہ کب دروازہ کھول کے لان میں ننگے پاؤں یہاں سے وہاں چکر کاٹنے لگی۔

"امی تو اتنی خوش ہیں، کہہ رہی تھیں کہ یہ تو بازار میں کھانا بھجوانے سے بھی اچھا کام ہے۔"

"آپ ہی گئی تھیں ناں، پارلر میں۔" اس سے تو کچھ بولا ہی نہیں گیا، بس گرم گرم سا پانی آنکھوں سے نکلتا چلا گیا۔

"نعیمہ آنٹی کہاں ہیں؟" بڑی مشکل سے اپنے اوپر قابو پاتے اس نے پوچھا۔

"وہ امی تو بازار گئی ہیں نعمان بھائی کے ساتھ۔ سامان وغیرہ لینا ہے ناں رات کی دعوت کے لیے..... یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔" تشکر سے لبریز..... ماریہ کی زندگی سے بھرپور آواز۔

"اور پتا ہے میں کل تو کالج گئی ہوئی تھی ناں، کل نعمان بھائی نے امی کے ساتھ مل کے سینڈوچز بنائے..... اب تو روز بنانے ہوں گے۔ ہم نے کل آپ کو اتنا فون کیا..... شاید آپ کہیں باہر گئی ہوئی تھیں۔"

اس کے قدم رک چکے تھے لیکن کچھ کہا ہی نہیں جا رہا تھا۔ کچھ کہتی تو آواز بھیگنے لگتی۔

"اچھا ماریہ! میں بعد میں بات کرتی ہوں۔" آنسوؤں سے تر چہرہ ہاتھوں سے پونچھتے وہ جیسے ہی مڑی، مخالف سمت سے اسفند یار شاید جاگنگ کرتا آ رہا تھا اور اس وقت رک کر اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ جذبات کی قوس قزح سے رنگیں ہوتے چہرے کو زبردستی سپاٹ بناتے، اس نے قدم اندر کی طرف بڑھا دیے۔ خوشیاں ایسی ہی تتلیاں ہوتی ہیں، جب آپ کے اردگرد منڈلاتی ہیں تو ہر چیز خوب صورت لگنے لگتی ہے۔

ناشتہ کی دعوت کے لیے وہ نہا دھو کے بڑے دل سے تیار ہوئی۔ آف وائٹ انگرکھے کے اوپر کھلتے رنگوں کی کڑھائی سے میچ کرتا شیفون کا بڑا سا دوپٹہ لیے۔

"اگر تم ڈھنگ کے کپڑوں اور حلیے میں رہو تو خاصی خوب صورت نظر آؤ۔" کچن میں پڑے شیشے کے مرتبان سے اخروٹ اور بادام نکال کر کھاتے ہوئے میرال نے شاید ان لفظوں میں اس کی تعریف کی تھی۔

"یہ تم یہاں ہی الا بلا کھا کر پیٹ بھر لو گی تو وہاں کیا کھاؤ گی؟" اپنے پیچھے سے اسے اسفند یار کی آواز سنائی دی اور پھر وہ تب تک نہ مڑی، جب تک اسے یقین نہ ہو گیا کہ وہ چلا گیا ہے۔

"بھئی جس طرح موٹر مکینک کی دکانوں میں ایک چھوٹا ہوتا ہے ناں، صبح سے میں چھوٹے کا رول نباہ رہی ہوں۔ فارہ! آلو چھیل دو..... فارہ! دھنیا کاٹ دو..... فارہ! آٹا گوندھ دو..... فارہ! کٹلری نکال دو..... صبح سے ہمارے گھر میں اسی قسم کی آوازوں کے جلترنگ بج رہے ہیں۔ کھانے کی میز پر پلیٹیں چمچے رکھتے ہوئے فارہ ساری روداد ہمیشہ کی طرح نمک مرچ لگا لگا کر سنا رہی تھی۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا فہد! اتنے زبردست پین کیک تم نے بنائے ہیں۔" گرم گرم پین کیک کے اوپر شہد اور پگھلتے مکھن کی سوندھی سوندھی خوشبو کو اپنے اندر اتارتے اس نے چھری کانٹے کی مدد سے پین کیک کا بڑا سا ٹکڑا شہد میں ڈبو کر منہ میں ڈالا۔

"بھئی، یہ صرف انگلش بریک فاسٹ ہی ملے گا یا کچھ ہم جیسوں کے لیے بھی بنایا ہے۔" اسفند اس کے سامنے ارمغان کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"انگلش بریک فاسٹ سے تو صرف ابتدا کی ہے۔ آگے آگے دیکھیے آتا ہے کیا۔" فارہ نے کہتے ہوئے شانزے کی طرف اشارہ کیا جو ہرا دھنیا ہری مرچوں اور کٹی ہوئی ادرک کی سجاوٹ کے ساتھ شیشے کا بڑا سا چوکور شکل کا ڈونگا لیے آ رہی تھی۔

"یہ لیجیے جناب تلی والے پائے۔" بڑی ادا سے

اس نے میز پر ڈونگا رکھا۔ "کھائیے اور مجھے داد دیجیے۔"

"ہاں یہ ہوئی نا بات۔" اسفند کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "لاؤ بھئی...... خوشبو تو زبردست آرہی ہے۔" ارمغان کے بھی عزائم آج کولیسٹرول وغیرہ کے جھنجھٹ کو بھلا کے خوب انصاف کرنے کے تھے۔

"پائے واقعی بہت اچھے بنے ہیں۔ تم بھی لونا لیہا......! خالہ نے اس کی پلیٹ میں پین کیک کا آخری چھوٹا سا ٹکڑا دیکھا تو۔ ڈونگا اس کی طرف بڑھادیا۔ "نہیں خالہ! میں یہ اب پوری لوں گی۔"

"کیا تم پائے نہیں کھاتیں لیہا؟" ارمغان نے کھاتے کھاتے اسے حیرت سے دیکھا۔

"نہیں وہ مجھ سے صبح صبح زیادہ مرچوں والی چیزیں نہیں کھائی جاتیں۔" اس نے پوری کے ساتھ آلو کی بھاجی اپنی پلیٹ میں نکالتے ہوئے معذرت کی۔

"صبح صبح کیا تمہیں تو ویسے بھی چٹپٹی چیزوں کا شوق نہیں ہے۔" میرال نے جتانے والے انداز میں اس سے کہا۔

"کوئی نہیں میں تو کھاتی ہوں شوق سے چٹپٹی چیزیں وہ اس دن نہیں کھائے تھے وہ......" وہ فارہ کی طرف یاد دلانے کے لیے دیکھتے ہوئے بولی۔

"وہ...... وہ جو منہ میں جا کے پھٹ جاتے ہیں۔ وہ جو لبرٹی میں کھائے تھے۔"

"گول گپے؟" فارہ نے منہ بناتے ہوئے یاد دلایا۔

"الٰہی میں تو ڈر گیا۔ پتا نہیں تم لوگوں نے اسے کون سے بم کھلا دیے جو منہ میں جا کے پھٹ گئے۔" فہد کی بات پر سب ہنس پڑے۔

"وہ چٹ پٹے تھے!" فارہ نے اسے گھورا......

"اتنی زیادہ تیکھی چٹنی تم نے ان میں بھر دی تھی۔ اور پانی بھی کھٹے کے بجائے میٹھا شربت لگ رہا تھا۔"

"کوئی نہیں مجھے تو بہت مزے کے لگے تھے۔" وہ مزے سے حلوہ پوری کھاتی ہوئی بولی۔

ناشتے کے بعد سب کا مشترکہ خیال لان میں بیٹھ کر موسم سے لطف اندوز ہوتے ہوئے چائے پینے کا بن رہا تھا۔ بادلوں سے ڈھکے آسمان سے کہیں کہیں سے جھانکتی نرم گرم سی دھوپ ٹھٹھرے جسموں کو گدگداتی تازگی بخشتی بڑی بھلی معلوم ہو رہی تھی۔

"چلو شکر ہے گھر کی ٹینشن تو ختم ہوئی۔ خالہ نے شکر کا کلمہ با آواز بلند پڑھا۔

"ویسے مجھے تو لیہا کا مشورہ بھی اچھا لگا تھا۔" ارمغان نے براہ راست اسفند کو مخاطب کیا۔ ارمغان کی بات پر اس کے نہ صرف کان کھڑے ہو گئے بلکہ سانس کے ساتھ ساتھ دھڑکتا دل بھی رک گیا۔

"بلکہ اسفی تم ایسا کرو...... پلاٹ بیچ کے جو گھر خریدو، اسے کرائے پر چڑھا دو۔"

"اس سے کیا ہوگا؟"

"بھئی فائدہ ہی ہوگا ناں خالہ کو۔" ارمغان نے کہتے ہوئے چائے کا مگ ہونٹوں سے لگایا۔

"فری خالہ کے دونوں پلاٹ جس جگہ ہیں، وہ ایریا ابھی ڈیولپ نہیں ہوا۔ ایک دو سال میں جب سڑکیں بن جائیں گی، بجلی آجائے گی تب اس جگہ کی قیمت ڈبل ہو جائے گی۔ ابھی اونے پونے بیچنا بے وقوفی کے سوا کچھ نہیں۔ دو سال کا کرایہ خالہ کو کتنا پڑے گا ایک لاکھ بھی مہینے کا لگائیں تو دو سال کا چوبیس لاکھ (حالانکہ وہ جانتی تھی کہ احسن انکل کا گھر پچاس ہزار میں لیا ہے) تو جہاں خالہ کو ایک ڈیڑھ کروڑ کا فائدہ ہو رہا ہے وہاں چوبیس لاکھ کی کیا حیثیت ہے۔"

اس نے کہا ارمغان سے تھا پر سنا تو سب نے تھا۔ اب وہ شرمندہ سی دوبارہ فلم کی اسٹوری میں گھس جانا چاہتی تھی کہ ارمغان نے اسے پکارا۔

"لیہا۔" اور اسے لگا ارمغان کی طرف دیکھتے وہ بہت ہی احمق نظر آرہی ہے۔

"میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ اس معاملے میں اسفند کی معلومات مجھ سے زیادہ ہیں، اسے کرنے دو جو کر رہا ہے۔"

ہفتہ بھر پہلے جب کرائے کے گھر کا قصہ صبح شام

پیٹا جاتا تھا تب ایک دن بڑے جوشیلے انداز میں دلائل دے دے کر اس نے ارمغان بھائی کو اپنا ہم خیال بنایا تھا۔ آج وہ بے چارے اپنے دل کے پوچھ کو کم کرنے کے چکر میں تھے کہ وعدہ جو اس سے کر بیٹھے تھے اسفند کو قائل کرنے کا.....

کوئی اور موقع ہوتا تو شاید وہ سارا دن ہی اس حسین موسم کی نذر کر دیتی لیکن فی الحال اسے فارہ لوگوں کے گھر کا اوپر والا پورشن شفٹنگ اور فرنیچر کی سٹینگ کے نقطہ نظر سے دیکھنا ہی مناسب خیال لگا۔ دونوں گھروں کے نیچے کی منزل تو تقریباً ایک جیسی ہی بنی تھی لیکن نگہت آنٹی کے اوپر کے پورشن میں باقاعدہ کچن بھی بنا تھا اور الگ سے سیڑھیاں نکال کر اسے مکمل طور پر علیحدہ پورشن کی شکل دی ہوئی تھی۔ سیڑھیوں کے فوراً بعد ایک چھوٹی سی راہداری تھی جس کے بائیں جانب ایک بڑا سا ہال نما کمرہ تھا راہداری کے بعد لاؤنج تھا جس کے بعد کچن اور پھر بیڈ رومز تھے۔

"مائیکرو ویو اور فریج لینا پڑے گا..... ہے ناں۔" پورے گھر کا جائزہ لینے کے بعد کچن سے نکلتے میرال نے اس سے کہا۔

"ہاں" اس کے بجائے فارہ نے جواب دیا۔

"کوکنگ رینج تو ہے۔"

"یہ دیکھو لیہا!" میرال نے آگے بڑھ کے لاؤنج کی پوری دیوار پر محیط بڑی سی کھڑکی کے سفید جالی کے پردے ہٹاتے ہوئے کھڑکی سے نظر آتے نیچے سرسبز لان اور اوپر بادلوں سے ڈھکے آسمان کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "کتنا خوب صورت ویو (منظر) ہے ناں یہاں سے..... ہمارے لاؤنج سے ایسا ویو نظر نہیں آتا ناں۔"

"تو تم لوگوں کے بیڈ رومز سے نظر آتا ہے ناں۔"

"ہاں صحیح کہہ رہی ہو۔" ..... وہ اسے ساتھ ملائے آپس میں تبصرہ کر رہی تھیں۔

"پاپا! ایسا گھر لیں گے جس میں میرے بیڈم روم میں سے لان نظر آئے گا۔"

"لیں گے کیوں ہم بنوائیں گے اپنی بیٹی کی پسند کا..... تم خود ڈیزائن کرنا ناں اپنا گھر۔"

صرف دو سال پہلے کی تو بات تھی وہ کرسمس کی چھٹیوں میں دبئی آئی ہوئی تھی۔

"بابا! میں اپنے گھر کی خود ساری سٹینگ کروں گی۔ بابا آپ کو Window Seat کا پتا ہے ہم اپنے لاؤنج میں ناں Window Seat بنوائیں گے۔ پوری دیوار کی کھڑکی ہوگی جس میں سے خوب صورت سا لان نظر آتا ہوگا اور کھڑکی کے آگے کوئی زبردست سا بیٹھنے کے لیے کاؤچ ہوگا جس کے سائیڈوں میں کتابوں کا ریک ہوگا۔ مزے سے آپ کاؤچ پر بیٹھ کے کوئی کتاب بھی انجوائے کریں اور خوب صورت سا منظر بھی اور جب میں اس کی پکچر فیس بک اور انسٹاگرام پر لگاؤں گی ناتو سب لوگ دیکھتے کے دیکھتے رہ جائیں گے۔" اس کی چہکتی ہوئی آواز آج بھی فضا میں گھوم رہی تھی۔

"بیٹا! تم سب کچھ کرنا مگر اپنے لیے۔ لوگوں کو دکھا کے حیران کر کے یہ احساس دلانا کہ ہمارے پاس یہ چیز ہے، تمہارے پاس نہیں..... یہ اچھی بات نہیں ایسی باتوں سے تکبر جھلکتا ہے۔"

"چلیں ٹھیک ہے نہیں اپ لوڈ کروں گی پکچرز۔"

فارہ اور میرال شاید نیچے جا چکی تھیں..... وہ کھڑکی کے سامنے کھڑی خالی نظروں سے تکتے کہاں کی کہاں پہنچی ہوئی تھی۔ آپ نے کتنے وعدے کیے تھے بابا۔ آپ کوئی بھی وعدہ پورا نہ کرتے بس آپ ہمیں چھوڑ کے نہ جاتے۔ آپ ہمارے ساتھ رہنے کا وعدہ کر لیتے۔ اس کے آنسو تواتر سے بہنے لگے۔ کھڑکی کے کھلے سلائیڈنگ ڈور سے آتی سرد ہوا اس کے بالوں کے ساتھ ساتھ یادوں کے صفحے بھی ادھر ادھر بکھیر رہی تھی۔

"حامد ذرا انچی ٹیپ لے آنا اوپر۔" اسفندیار کی تیز آواز پر اس نے مڑ کے بائیں جانب دیکھا اسے

UNOVELS.COM

اندازہ ہی نہ ہوا۔ کب مما اور شانزے سیڑھیوں والا دروازہ کھول کے راہداری میں داخل ہوئیں اسفند یار ابھی بھی کھلے دروازے سے نیچے سیڑھیوں میں کسی کو ہدایت دے رہا تھا۔

"فارہ سے پوچھو۔ اسے پتا ہوگا کہاں ہے۔"

وہ فوراً ہی پہلے نمبر پر آتے بیڈ روم میں گھس گئی۔ یہ یہاں تو آپ Console Set رکھیے گا آنٹی! گھر میں داخل ہوتے ہی پہلی نظر پڑے گی اور ادھر صوفہ گم بیڈ اچھا لگے گا۔ ہے نا اسفی....." شانزے کے مشورے سنتے وہ بالکونی میں نکل آئی۔ سیڑھیوں سے اترتے اس نے دیکھا نگہت آنٹی کا نوکر پالش کرنے کا اونچی ٹیپ لیے اوپر چلا آرہا تھا۔

☆☆☆

اگرچہ ابھی کافی سارے فرنیچر کی خریداری رہتی تھی پھر بھی وہ لوگ اپنے مختصر سے سامان کے ساتھ نگہت آنٹی کے اوپر والے پورشن میں شفٹ ہو چکے تھے لیکن زیادہ تر وقت نیچے خالہ کی طرف ہی گزرتا تھا۔ کھانا پینا بھی ابھی تک خالہ ہی کی طرف تھا۔ البتہ چائے ناشتہ وغیرہ دو تین دن سے اپنے نئے گھر میں بن رہا تھا۔ فہد کے ساتھ جا کے وہ شوروم سے گاڑی بھی پسند کر آئی تھی شکر تھا کہ اس معاملے میں اسفند یار نے کوئی مسئلہ کھڑا نہیں کیا تھا۔ دو تین دن میں ساری کاغذی کارروائی تقریباً مکمل ہو چکی تھی۔ بس آج فہد کے ساتھ جا کے گاڑی شوروم سے لے کر آنا تھی۔ فہد کے خیال میں انگلینڈ اور دبئی کے ڈرائیونگ لائسنس کے ہوتے ہوئے اب اسے پاکستانی ڈرائیونگ لائسنس کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

وہ شوروم جانے کے لیے کافی دیر سے تیار اپنی ای میلز چیک کر رہی تھی۔ کمرے میں نیٹ کے سگنلز ٹھیک نہیں آرہے تھے تو لیپ ٹاپ اٹھائے وہ لاؤنج میں چلی آئی۔ صبیحہ خالہ کل کے لائے ہوئے ڈیکوریشن کے نمونے مختلف جگہوں پر رکھ کے چیک کر رہی تھیں۔

"میں سوچ رہی ہوں لیہا!" وہ گلدان کے پھولوں کو سیٹ کرتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئیں۔ "اس دفعہ حرا کے گھر والے آتے ہیں ناں تو میں ان سے ارمغان اور حرا کے نکاح کی بات کرتی ہوں۔"

"ابھی بھی صرف نکاح خالہ؟ آپ کو تو اب ڈائریکٹ شادی کا سوچنا چاہیے۔" اپنی جاب کے سلسلے میں ای میل کا جواب لکھتے ہوئے اس نے پر زور انداز میں کہا۔

"نہیں۔ شادی تو میں دونوں بھائیوں کی ایک ساتھ کروں گی۔"

"لیں کیوں؟" وہ کی بورڈ پر تیزی سے انگلیاں چلاتی بولی۔ "آپ ارمغان بھائی کی تو پہلے کریں اسفند کی تو آپ دو سال بعد بھی کر سکتی ہیں۔"

"لو بھئی اسفند! لیہا تو کہتی ہے۔ تمہاری شادی دو سال بعد کرنی چاہیے۔" بوکھلاتے ہوئے اچانک اس نے سر اٹھایا تو کمرے میں آتے اسفند کو دیکھ کر گڑبڑاتے دوبارہ لیپ ٹاپ میں سر گھسا لیا۔ عجیب خفت سوار ہوئی انگلیاں کہاں کی کہاں ٹائپ کر رہی تھیں۔

اچانک سے سنائی دیتی فہد کی آواز پر اس نے جھکے جھکے تھوڑا سا منہ موڑ کے اس کی سمت دیکھا۔

"مبارک ہو تائی جان! آپ کے بیٹے کی خالہ کی بیٹی کی گاڑی بخیر و عافیت پورچ میں قدم رنجہ فرما چکی ہے۔"

"ارے بھئی بہت مبارک ہو۔ فری کہاں ہے؟" ان کا چہرہ جگمگانے لگا۔

"فری آنٹی میرال کے ساتھ بہو کا..... سوری گاڑی کا پورچ میں سواگت کر رہی ہیں۔ کیا ہے کہ ان کے رخ روشن پر اس وقت وہی جذبات و تاثرات موجود ہیں جو حرا بھابھی کو دیکھ کر آپ کے چہرے پر امڈ امڈ آتے ہیں۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ فری خالہ کی کوئی بہو تو ہو نہیں سکتی اور گاڑی کو میں داماد کہہ نہیں سکتا۔"

"اچھا اب بس بند کرو یہ بکواس۔"

"چلیں امی..... فری خالہ بھی باہر ہی ہیں۔"

ماں کے گرد بازو جمائل کیے وہ دروازے کی طرف بڑھا تو وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ویسے آپس کی بات ہے، اس قسم کے محبت آمیز نظارے صرف بہوؤں ہی کی قسمت میں کیوں آتے ہیں؟ وہ بھی صرف شادی سے پہلے کے دور میں..... دامادوں کو لوگ اتنے پیار سے کیوں نہیں دیکھتے؟" وہ اس کے برابر چلتا بڑی سنجیدگی سے انتہائی فضول قسم کی بکواس کر رہا تھا۔

"داماد اگر تمہارے جیسے نہ ہوں تو شاید کوئی چانس بن بھی جائے۔" آگے چلتے اسفندیار نے گردن موڑ کے اسے جواب دیا تو لمحہ بھر کو وہ بھی ان تمسخر اڑاتی نگاہوں کی زد میں آ گئی۔

"دیکھو، اللہ کے فضل سے سارے کام آہستہ آہستہ ہو ہی رہے ہیں فریحہ!" مما سے زیادہ تو خالہ خوش نظر آ رہی تھیں۔

"جی آپا! اللہ کا شکر ہے۔ بس اب کل پرسوں باقی کے فرنیچر کا معاملہ بھی نمٹ جائے۔ حرا لوگوں کے آنے سے پہلے گھر سیٹ ہو جائے تو اچھا ہے۔"

"ارے گھر بھی سیٹ ہو جائے گا..... کیوں فکر کرتی ہو..... ابھی تو پورا ہفتہ پڑا ہے۔ اگلے جمعہ کو آئیں گے وہ لوگ۔" صبیحہ خالہ نے بہن کو تسلی دی ویسے آنا تو انہوں نے اس ہفتہ کو تھا، پر حرا کو ہی ہاسپٹل سے چھٹی نہیں ملی۔"

اس نے سست روی سے قدم اندر کی جانب بڑھا دیے۔ کتنا شوق تھا اپنی گاڑی خود ڈرائیو کر کے گھر لانے کا۔ دو گھنٹے سے تیار ہوئی بیٹھی تھی۔

بے دلی سے محض چند قدم ہی چلی تھی کہ تیز تیز قدم اٹھاتا، اسفندیار اسے اپنی جانب آتا دکھائی دیا۔ اس کے قریب پہنچ کے کوٹ کی جیب سے غالباً گاڑی کی چابی برآمد کی گئی۔

"یہ لو..... اب یہ نہ ہو کہ تم گاڑی دوڑائے زمانے بھر کی خاک چھانتی پھرو....." اہانت آمیز تنبیہی انداز..... "اور خاص طور پر یہ نعیمہ آنٹی کے گھر کا تو بھول کے بھی رخ نہ کرنا..... وہاں کی ٹریفک بہت بری ہے۔ تمہارے پاس بھلے سے جتنے بھی ملکوں کے ڈرائیونگ لائسنس ہوں، لاہور خاص طور پر اندرون لاہور کی سڑکوں پر گاڑی چلانا آسان نہیں..... سمجھیں؟ ابھی کچھ دن ڈیفنس کے اندر اندر ہی گاڑی چلانا اور اکیلی ہرگز نہ نکلنا۔"

آخری جملے کے مکمل ہونے کے بعد اس نے اس کے دو منٹ سے فقیروں کی طرح پھیلائی ہوئی تھیلی پر چابی بادل ناخواستہ ہی پٹخی تھی۔ اسے تو پہلے ہی سمجھ جانا چاہیے تھا کہ اس شخص کے رنگ میں بھنگ ڈالے بغیر، ٹانگ اڑائے بغیر اس کا کوئی بھی کام پایہ تکمیل کو پہنچ ہی نہیں سکتا تھا۔

بوجھل دل کے ساتھ وہ بیچ کا چھوٹا سا دروازہ کھول کے فارہ لوگوں کی طرف آ گئی' ویسے بھی فارہ ایم ایس سی کے امتحان دے کر فارغ تھی۔

سامنے فارہ آرام دہ کرسی پر رسالے کے ساتھ ساتھ جھول رہی تھی۔ میرال کے ہاتھ میں موبائل تھا۔

"بیہ! تم بتاؤ۔ کسی انسان کی بات کا اثر کس وجہ سے سب سے زیادہ ہوتا ہے۔" اسے دیکھتے ہی وہ شروع ہو گئی۔ "اس کے الفاظ کی وجہ سے..... یا اس کے لہجے کی وجہ سے یا..... الفاظ میں چھپے معنی کی وجہ سے۔" فارہ شاید رسالے میں دیا گیا کوئی سوال نامہ ٹائپ پزل حل کر رہی تھی۔

"اب یہ نہ ہو تم گاڑی دوڑائے زمانے بھر کی خاک چھانتی پھرو....." توہین آمیز الفاظ، چبھتا لہجہ۔

"سب ہی چیزوں سے شاید۔" تھوڑی دیر بعد اس کی مری مری سی آواز نکلی۔

"غلط۔" فارہ چہکی۔ "لہجہ کی وجہ سے سب سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔ اور یہ تم ایسے کیوں پڑ گئی ہو؟" اسے بیڈ پر پاؤں اوپر کر کے دراز ہوتے دیکھ کر اسے تشویش ہوئی۔ "فرنیچر دیکھنے نہیں جانا کیا؟"

"آج تو نہیں جانا۔" اس نے سر کے نیچے تکیہ ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں میڈم! ابھی تمہارے آنے سے بس ایک منٹ پہلے اسفی کا فون آیا تھا کہ ابھی بس آدھے

UUNOVELS.COM

گھنٹے تک نکلنے کا پروگرام ہے۔ بتا رہا تھا انکل کے کسی جاننے والے کا بڑا زبردست شوروم ہے۔"

"یار! کل چلے جاتے ناں، آج ہمت نہیں ہو رہی۔"

"تم نے کون سے پہاڑ توڑے ہیں جو تمہاری ہمت ختم ہوگئی۔" فارہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"وہ بے چارہ صبح کا نکلا۔ پہلے آفس گیا، وہاں مغز ماری کر کے تمہاری گاڑی لینے شوروم گیا، تھکا ہارا واپس آ کر ابھی پھر تیار ہے سب کو لے کر جانے کے لیے اور تم نہا دھو کر کپڑے تبدیل کر کے تھک گئیں۔" فارہ نے اسے اچھی طرح لتاڑا۔

"اچھا ابھی تو آدھا گھنٹہ ہے ناں۔" کسل مندی سے کہتے ہوئے اس نے گلابی مخملیں کمبل میں خود کو چھپا لیا۔

☆☆☆

پتا نہیں وہ شوروم کا مالک تھا یا سیلز مین۔ پر اس کا بس نہ چلتا تھا کہ فرنیچر باندھ کے ان کے ساتھ روانہ کر دے۔ تین منزلوں پر مشتمل یہ ایک جدید طرز کا وسیع و عریض شوروم تھا۔ پہلی اور دوسری منزل پر کچھ مخصوص آئٹمز پر رعایتی سیل بھی لگی ہوئی تھی۔ اس وقت وہ لوگ تیسری منزل پر سفید ڈیکوریشن کے ایک جہازی سائز کے ڈبل بیڈ کے سامنے کھڑے تھے۔

"یہ کلاسک ہے، آپ کو لاہور میں تو کیا پورے پاکستان میں یہ ڈیزائن نظر نہیں آئے گا اور یہ ہر ایک کو پسند بھی آئے گا، بہت الگ ٹیسٹ رکھنے والے لوگ ہی اس طرف متوجہ ہوں گے۔" تسبیح کے دانے گراتے ہوئے بڑے میاں کی قصیدہ گوئی جاری تھی۔

"کچھ زیادہ بڑا سائز نہیں ہے مما؟" ابھی اس کے منہ سے نکلا ہی تھا کہ وہ صاحب کیلکولیٹر لیے آن موجود ہوئے۔ "سائز کیا ہے کمرے کا۔ ابھی اندازہ کیے لیتے ہیں۔" کیلکولیٹر پر انگلیاں چلاتے وہ تیزی سے بولے۔

"نہیں، رہنے دیجیے۔" مما کو بھی شاید اتنا زیادہ پسند نہیں آیا تھا۔

"اچھا تو یہ دیکھیے، یہ اینٹک اسٹائل میں بنا ہوا ہے۔" وہ ایک اور ڈبل بیڈ دکھاتے ہوئے کہنے لگے۔ "کام دیکھیے، کس قدر نفیس ہے۔ یہ دیکھیے، یہ کیٹلاگ کا ڈیزائن ہے۔" جتنی دیر میں انہوں نے کیٹلاگ سے ڈیزائن ڈھونڈ کے نکالا، مما کسی اور ہی ڈبل بیڈ کی طرف متوجہ ہو چکی تھیں۔

"اس کی کیا قیمت ہے؟"

"ارے آپ پسند کیجیے، آپ لوگوں سے گھر والی بات ہے۔ اسفند صاحب کے آفس کا سارا فرنیچر ادھر سے ہی گیا ہے۔ مجھے تو پہلے ہی اندازہ تھا آپ لوگوں کو کوئی خاص چیز ہی پسند آئے گی۔"

ان کی باتوں کے کچھے تو بڑھتے ہی جا رہے تھے، سیدھا جواب دینا تو گناہ تھا ان کے لیے۔ ذرا فاصلے پر اسے ایک کتابوں کی الماری نظر آئی تو وہ اسے دیکھنے لگ گئی پھر فارہ کے ساتھ نیچے تیس فیصد کی رعایت کے ساتھ ایک صوفہ سیٹ اور چھ کرسیوں والا شیشے کا ایک ڈائننگ ٹیبل پسند کر کے جب دوبارہ اوپر آئی تو مما، اسفند اور شائزے کے ساتھ کسی اور ہی ڈبل بیڈ کے سامنے کھڑی تھیں۔

"مجھے تو اچھا لگا، کیا خیال ہے۔" بالآخر مما کو کچھ پسند آ ہی گیا، ان کے عقب سے آتے اس نے سوچا۔

"دیکھ لیں خالہ! آپ کی بیٹی کو شاید اتنا مہنگا پسند نہ آئے۔" اسفند یار کہتا ہوا آگے بڑھ کے دراز کھول کے چیک کرنے لگا۔

"اچھا ہے نا لیہا؟" اس کے قریب پہنچنے پر انہوں نے اس سے پوچھا۔ "بس قیمت تھوڑی زیادہ ہے۔"

اس کے کچھ کہنے سے پہلے وہ صاحب بول اٹھے۔

"ارے قیمت کی آپ بالکل ٹینشن نہ لیں۔ ایسا کریں آپ پچیس چھوڑ دیں، صرف چھ کر لیں۔"

"چھ کیا؟" وہ الجھی۔

UUNOVELS.COM

''چھ لاکھ..... زیادہ ہیں نا؟'' مما خود بھی کنفیوز ہو رہی تھیں۔ اسے جھٹکا لگا..... اور اس شدید نوعیت کے جھٹکے میں وہ اپنے بارے میں چند لمحے پہلے کیا گیا طنزیہ تجزیہ یکسر بھلا چکی تھی۔

''بہت زیادہ مما!''

''میں تو تمہارے لیے ہی دیکھ رہی تھی۔'' وہ اس سے بولیں۔

''نہیں مما! میں اتنا مہنگا ہرگز نہیں لوں گی۔'' اس کے قطعی انداز پر بڑے میاں جز بز ہو کے رہ گئے۔

''ارے بیٹا! آپ کام تو دیکھیں..... اور پھر امپورٹڈ ہے۔ اگر پیسوں کا مسئلہ ہے تو آپ.....''

''پیسوں کا مسئلہ نہیں ہے۔'' وہ فوراً بولی۔

''ہاں تو ظاہر ہے، ہمیں تو اندازہ ہے احمد یار خان صاحب کی فیملی کا۔ بھئی خوش نصیب ہیں وہ جنہیں اللہ دے اور وہ اپنے اوپر دل کھول کے خرچ کریں۔''

اس کا دل چاہا، کہے کہ خوش نصیب وہ ہیں جنہیں اللہ جو بھی دے، وہ اس کا صحیح استعمال کریں۔ چاہے دولت ہو یا عقل اور ایک بیڈ پر لاکھوں خرچ کر دینا کہاں کی عقل مندی ہے اور پھر ہر انسان کو اپنا حساب تو خود ہی دینا ہے ناں۔ بابا نے کچھ اس طرح اس کی سوچ کی پرورش کی تھی کہ وہ خود تو چلے گئے تھے لیکن وہ ابھی تک ان کی کھینچی لکیروں پر ہی چلتی تھی۔ شاید اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اولاد کو صدقہ جاریہ کہا ہے۔ اپنی کی گئی تربیت کا پھل والدین اولاد کے ذریعے ہی کھاتے ہیں۔

نیچے کے فلور پر ڈسکاؤنٹڈ ریٹ میں ڈبل بیڈ سیٹ بھی موجود تھے۔ مما پریمیم اور بیسٹ کوالٹی کے چکر میں اوپر آ گئی تھیں۔

''ویسے لیہا! ایک بار پھر سوچ لو، مجھے تو کوالٹی اتنی خاص نہیں لگ رہی۔''

سیڑھیوں سے اترتے شانزے نے اس سے کہا اور اس نے شکر کیا کہ مما لفٹ سے نیچے آ رہی تھیں کیونکہ اس قسم کی گفتگو سے مما کے دوبارہ سے ڈبل مائنڈڈ ہونے کے خاصے قوی امکانات تھے۔

''چلو، اس نے لیا ہے۔ تم نے تو نہیں۔ تم کیوں اتنا پریشان ہو رہی ہو۔'' اسفند کو شانزے کا فکر مند ہونا گراں گزرا تھا۔

''خیر، میں تو اتنا عام سا فرنیچر لے بھی نہیں سکتی۔'' اس نے تفاخر سے گردن اکڑا کے کہا۔

''شانزے کوئی چیز لیتی ہے تو وہ بہت خاص، بہت مہنگی ہوتی ہے۔ میں تو پہلے ہی دکان دار کو بتا دیتی ہوں کہ مجھے بیسٹ کوالٹی دکھاؤ۔ میں کچرا خریدنے نہیں آئی۔ کوالٹی پر میں کبھی کمپرومائز نہیں کرتی۔''

''میں کر لیتی ہوں۔'' وہ آہستہ سے بولی۔ ''بابا کہتے تھے زندگی جتنا ہو سکے، عام انسانوں کی طرح سادگی سے بسر کرنی چاہیے۔ اس طرح انسان تکبر سے بچا رہتا ہے کیونکہ اگر تکبر دل میں آ جائے تو ساری نیکیوں کو کھا جاتا ہے۔'' بہت آرام سے کہتے ہوئے اس نے آخری سیڑھی سے زمین پر قدم رکھا۔ لفٹ کے سامنے مما ان کا انتظار کر رہی تھیں۔

گھر آ کر مغرب کی نماز ادا کر کے جب وہ لاؤنج میں آئی تو گھر کے تقریباً سب ہی افراد وہاں موجود تھے۔

''ویسے جب تم نے اتنا عام سا فرنیچر لینا تھا تو اتنے بڑے شوروم کی جانے کی کیا ضرورت تھی۔''

اس سے دو ڈھائی سال چھوٹی میرال بھری بیٹھی تھی اس کی برداشت کا امتحان لینے۔ یقیناً فارہ صاحبہ ساری روداد بمہ مسالا ٹرانسفر کر چکی تھیں۔ غیر ارادی طور پر اس کی نگاہ فارہ کی طرف اٹھی جو نظریں چرائے ٹی وی کے ریموٹ سے چینل تبدیل کر رہی تھی۔

''ایسے نہیں کہتے بیٹا! ہماری بیٹی کو جو پسند آیا وہ اس نے لے لیا۔'' احمد خالو بیٹی کو پیار سے ٹوکتے ہوئے لیہا کی طرف متوجہ ہوئے۔ ''آؤ بیٹا! یہاں بیٹھو، چائے پیو۔'' اس وقت کافی ٹھنڈ تھی، وہ لوگ ہیٹر لگائے لاؤنج میں بیٹھے تھے۔

''کاش آج شانزے ہی نہ ہوتی وہاں۔''

''کیوں؟'' اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

UUNOVELS.COM

"ایک دفعہ جا کر اس کا گھر دیکھ لو نا..... تو تمہیں اس کیوں کا جواب مل جائے گا۔" میرال تنک کے بولی۔

"اور بھائی! آپ کو بھی کیا ضرورت تھی اسے فون کر کے بلانے کی؟ مجھے تو رہ رہ کر اس بات پر افسوس ہو رہا ہے کہ شانزے بھی کیا سوچتی ہوگی۔"

اور اس نے اس بات پر شکر کیا کہ مما ابھی تک نماز پڑھ رہی تھیں۔

"اور پاپا! آپ بھی ہر دفعہ یہ قصہ نہ لے کے بیٹھ جایا کریں۔"

"جب آپ کے پاس کچھ نہیں تھا۔" وہ منہ پھلا کے بولی۔ "پھر آپ نے کیسے محنت کی اور کیسے ترقی کی۔"

"چچ چچ..... بڑے افسوس کی بات ہے میرال! تم کو تو اس بات پر فخر کرنا چاہیے۔" ارمغان نے رسان سے اسے سمجھایا۔

"کبھی شانزے کے ممی، پاپا ایسی باتیں کرتے ہیں؟" موٹی موٹی آنکھیں نکالتے اس نے خفگی سے پوچھا۔ "کتنا ہر وقت شانزے اپنی امارت کی شو مارتی ہے۔"

"ارے تو میرے بچے! تمہارے پاس کوئی کمی ہے کیا؟" احمد خالو بیٹی کی آہ و فغاں پر تڑپ اٹھے۔

"ارے چھوڑیں۔ آپ بھی کس کی باتوں میں آ رہے ہیں۔ جب شانزے شو مارتی ہوگی تو کیا یہ منہ میں گھنگھنیاں لے کے بیٹھی رہتی ہوگی؟"

خالہ کی قوت برداشت بھی آخر کہاں تک ساتھ دیتی۔ اسی وقت مما بھی لاؤنج میں چلی آئیں، موضوع بحث مما کی جاب کے گرد گھومنے لگا۔ ایک بہت اچھے پرائیویٹ اسکول میں انہیں پرنسپل کی جاب کی پیشکش ہوئی تھی، اسی سلسلے میں آج بات ہو رہی تھی۔

"میرا خیال ہے فریحہ بہن! آپ کو اس آفر پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔ کافی اچھی ریپوٹیشن ہے اس اسکول کی۔" خالو، مما سے بولے۔

"اور پھر سب سے اچھی بات ہے کہ گھر سے بھی قریب ہے۔" صبیحہ خالہ نے بھی ان کی بات سے اتفاق کیا۔

"خیال تو میرا بھی یہی ہے آپا! لیکن لیہا کی خواہش ہے کہ اپنا اسکول کھولا جائے۔" اور مما کی بات پر اسفندیار نے جن نظروں سے اسے دیکھا، اسے لگا جیسے چائے پیتے پیتے اس کے سر پر سینگ اگ آئے ہوں۔

"سمجھ میں نہیں آتا، یہاں کیا کچھ کھلے گا۔" وہ پہلو بدلتے بولا۔ "ایک صاحب مستقبل قریب میں ایک عدد ہسپتال کھولنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اس نے ارمغان کی طرف دیکھا۔ "ایک اور ہیں جو کمپیوٹر سائنس میں ماسٹرز کر کے ریسٹورنٹ کھولنے کے خواب دیکھ رہے ہیں، بہن صاحبہ ہیں کہ ابھی بی اے مکمل نہیں ہوا اور بوتیک کھولنے کا بھوت سوار ہے۔ اب یہ اسکول کھولنے کی کسر رہ گئی تھی۔ خالہ! میرا تو خیال ہے آپ کو یہ اسکول جوائن کر لینا چاہیے۔"

سب کے بخیے ادھیڑنے کے بعد وہ فیصلہ کن لہجہ میں مشورہ دے رہا تھا۔

اس کا دل چاہا کہ کہے بابا کی خواہش تھی پاکستان میں اسکول کھولنے کی اور یہی خواب لے کر وہ لوگ پاکستان آئے تھے۔ اس کے بابا دبئی کی ایک امریکن یونیورسٹی میں پروفیسر تھے۔ ماں باپ دونوں ہی ایک عرصہ تک درس و تدریس کے شعبے سے منسلک رہے تھے۔

اس نے اپنے والد کے منہ سے ہمیشہ یہ ہی سنا کہ بہت رہ لیا دیار غیر میں، اب اپنے ملک کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔ وہ تو صرف اس کے گریجویشن مکمل ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ انہیں کیا پتا تھا کہ بیٹی کی تعلیم مکمل ہونے سے پہلے ان کا دانہ پانی اس دنیا سے اٹھ جائے گا۔

☆☆☆

اس دن فہد کے ساتھ کچھ کاغذات فوٹو کاپی کرانے آئی تھی تو تب اس نے وہ اسکول دیکھا تھا۔ فیز فائیو سے تقریباً بیس منٹ کا راستہ ہوگا۔

UUNOVELS.COM

انڈر پاس کے پل سے دائیں طرف، بازار میں چوتھی یا پانچویں گلی کے کونے پر ایک مٹیالے رنگ کی عمارت پر اسکول برائے فروخت کا بورڈ لگا دیکھا تھا۔

اسکول جن صاحب کا تھا وہ کینیڈا میں مقیم اپنے بیٹے کے پاس مستقل طور پر شفٹ ہونے کا ارادہ رکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ ان کا بسا بسایا اسکول کوئی خرید لے۔ تین سو بچوں پر مشتمل یہ ایک ڈربا نما پرائمری اسکول تھا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب سے ساری ضروری معلومات حاصل کر لینے کے بعد وہ بچوں کی چھٹی کے ساتھ خود بھی اٹھ گئی۔

پورے بازار میں ہلکی نیلی شرٹ اور گہری نیلی پینٹ والے بچے نظر آ رہے تھے۔ لڑکیاں بھی تھیں لیکن تعداد میں ذرا کم۔ چوٹیوں میں لال ربن باندھے، اسی امتزاج کی شلوار قمیص پہنے، کاندھوں پر بیگ لٹکائے۔ بازار میں بہتی خود ساختہ نالیوں کو پھلانگتے پھلانگتے دوڑتے چھلیاں بھنواتے۔ گولہ گنڈا چوستے پرائمری کلاسوں کے دبلی پتلی جسامت والے بے فکرے طالب علم۔ کیا ان کا حق نہیں ہے، اچھی اعلا تعلیم کا؟ اپنے بالکل ساتھ چپک کے سائیکل چلاتے بچے کو اس نے مسکراتے ہوئے دیکھا اور گاڑی احتیاط سے ذرا سی بچائی کہ بچہ بھی ٹھیلوں سے بچ بچ کے چل رہا تھا۔ صرف ایف اے تک کی ٹیچرز بھی تھیں اس اسکول میں۔ ہیڈ ماسٹر صاحب بڑی حقیقت پسندی سے کافی سارے راز منتقل کر چکے تھے۔

بس لمحہ بھر کو اس کی رفتار ذرا کم ہوئی تھی کہ پیچھے سے ہارن دیتا ٹرک اس کے سر پر پہنچ گیا اور اس وقت جب وہ ایک طرف سے سوزوکی اور دوسری طرف سے ٹھیلوں سے بچ کے تھوڑی سی ہی رفتار تیز کر کے چلا رہی تھی کہ عین اس کی نظروں کے سامنے ایک آدمی نجانے کہاں سے آ گیا۔ بروقت بریک لگاتے اس نے سڑک کراس کرتے اس راہ گیر کو بچا تو لیا تھا لیکن اس کا پاؤں زخمی ہو گیا تھا اور اس ساری کاوش میں جتی وہ لمحوں میں پسینے میں شرابور ہو چکی تھی۔ اوپر سے اس کے خون میں لت پت پاؤں نے مزید بدحواس کر دیا۔

کب کس نے اس کے زخمی پاؤں پر کپڑا باندھا، کس نے اسے اس کی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈالا، اسے کچھ ہوش نہ تھا، آس پاس سے اکٹھے ہو کے بڑھتے ہجوم نے اس کو مزید حواس باختہ کر دیا۔

اسی بازار میں بائیں جانب سڑک کے پار نئے کلینک میں ڈاکٹر نے فوری معائنے کے بعد ٹانکے لگنے کا بتایا جس وقت نرس زخم صاف کر رہی تھی، حواسوں پر قابو پاتے پہلا خیال اسے ارمغان بھائی کو فون کرنے کا آیا، جب وہ گھر سے نکلی تھی وہ گھر پر ہی تھے۔ شاید ابھی بھی ہوں۔ ہیلو کی آواز اس کی قسمت ان کی نہ تھی۔

"ار..... ہیلو..... ارمغان بھائی ہیں....." بڑی مشکل سے اس کی ڈری ڈری مری مری آواز نکلی۔

"نہا رہا ہے..... کوئی کام؟" اس کی آواز شاید اتنی بھی بارعب نہیں تھی لیکن اسے مار ڈالنے کے لیے کافی تھی۔

"نن..... نہیں....." اپنی لرزتی آواز کا مزید تاثر دینا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ اس لیے جھٹ فون کاٹ دیا۔

ڈاکٹر اسے کوئی رحمت کا فرشتہ ہی لگا تھا۔

"یہ معمولی سا زخم ہے، ٹانکے لگ گئے ہیں، ان شاء اللہ جلد ہی زخم بھر جائے گا۔ شکر ہے فریکچر نہیں ہوا۔"

ڈاکٹر..... ڈاکٹر ہی ہوتے ہیں، انتہائی برا سوچ کے پھر شکر بھی کروا دیتے ہیں۔ دوائیوں اور ڈاکٹر کی فیس کے بعد اس کے پاس ساڑھے سات ہزار بچے تھے جو اس نے اس زخمی انسان رشید صاحب کے لاکھ انکار کرنے کے باوجود انہیں پکڑا دیے تھے۔

"ابھی آپ کو کچھ دن پٹی بھی تو کرانی ہو گی ناں کسی کلینک میں۔ دوائیاں بھی اور لینی پڑیں شاید..... پلیز انکار نہیں کیجیے۔" شائستگی سے منت کرتی اصرار سے پیسے دیتی..... ابھی وہ گاڑی تک پہنچی ہی تھی کہ ارمغان بھائی کا فون آیا۔

"ہاں لیہا! کال کی تھی تم نے۔" ہلکی سی فکر

مندی لیے نرم سے لہجے میں انہوں نے دریافت کیا۔
"جی، وہ آپ کہہ رہے تھے ناں، مما کے لیے ملٹی وٹامن جن میں وٹامن ڈی بھی ہو۔ آپ ان کا نام بتا دیجیے، میں لیتی آؤں گی۔" اب بتانے کا فائدہ نہیں تھا، بلائل چکی تھی۔ ڈاکٹر کی تسلی کے بعد اب وہ کافی حد تک پرسکون ہو گئی تھی۔
"ارے تم رہنے دو، میرے پاس ہیں۔ میں دے دوں گا خالہ کو۔" وہ ہمیشہ کی طرح رواداری نبھا گئے۔
پورچ میں گاڑی پارک کر کے اس نے کسی ماہر سراغ رساں کی طرح چاروں طرف سے بالخصوص سامنے سے گاڑی کو اچھی طرح جانچا۔ ہلکی سی مٹی میں ملی خون کی دھار کو اپنے گلابی دوپٹے سے کھڑے کھڑے چاروں طرف نظریں دوڑاتے، احتیاط سے ہیڈ لائٹ پر سے صاف کیا۔ پھر سیٹیں چیک کیں کہ کوئی خون کا دھبہ نہ رہ گیا ہو، ہر قسم کی تسلی کے بعد سہج سہج قدم اٹھاتی وہ اپنے پورشن کی طرف بڑھ گئی۔ مما کچن میں ہی مل گئیں اور وہ ان سے لپٹے بنا نہ رہ سکی، بلکہ شاید رو ہی پڑی۔
"ارے بیبہ! کیا ہوا..... ہنی..... بیبہ..... کیا ہوا بیٹا....." وہ پوچھتی رہ گئیں۔
"کچھ نہیں۔" اس کے منہ سے نکلا لیکن ماں کو جکڑے جکڑے "آئی لو یو مما.....!" کہا۔
"اچھا۔ صبح تو منہ پھلائے پھر رہی تھیں، اب یہ اچانک ماں پر پیار کہاں سے آ گیا؟" انہوں نے جتایا۔
"بس مما! میں جب بھی آپ کو ناراض کرتی ہوں، میرے ساتھ ہمیشہ برا ہی ہوتا ہے۔" وہ روہانسی ہوئی۔
"ارے ہوا کیا؟ یہ تو بتاؤ۔ اچھا ہٹو تو ذرا، کباب تو پلٹوں، جل نہ جائیں۔" انہوں نے اسے اپنے سے جدا کرنے کی کوشش کی۔
"جلنے دیں۔" ایسے ہی ماں کی گردن میں منہ گھسیڑے جواب آیا۔
"ارے بیٹا..... ہاں پلٹنا..... اچھا ہٹو ناں، دیکھو اسفی بھی کیا سوچتا ہوگا۔"
"میں کچھ نہیں سوچ رہا خالہ!" وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی۔ کچن کاؤنٹر کے پاس کھڑا وہ کباب پلٹ چکا تھا یا پلٹ رہا تھا۔ بہرحال گفگیر اس کے ہاتھ میں تھا، حواس باختہ ہوتے اسے تیزی سے کچن سے نکلنے کے سوا اور کچھ سمجھ نہ آیا۔
"ارے اسفی! چائے تو پیتے جاؤ۔ تیار ہے۔" بیڈ روم کے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے، اس نے لاؤنج سے آتی مما کی آواز سنی۔
"چائے کو چھوڑیں خالہ! ابھی آپ اس کو دیکھیں..... کیا برا کر کے آئی ہے۔ آج پہلی مرتبہ گاڑی لے کر نکلی تھی۔"
آخر یہ شخص کہیں چلا کیوں نہیں جاتا، بیڈ پر گرتے اس کا دماغ پھٹا۔ "کیا مصیبت ہے، اسے کون کہتا ہے کہ میرے آنے جانے پر نظر رکھے۔"
پھر رات آٹھ بجے سب سے چھپتے چھپاتے جب تک اس نے رشید صاحب کو فون نہ کر لیا، اس کی تسلی نہ ہوئی۔
دوسرے دن پٹی کرانے سے پہلے پٹی کرانے کے بعد جب فون کر کے اس کی خیریت معلوم کی تو شریف آدمی شرمندہ ہی ہو گیا کہ قسمت سے کتنا خیال کرنے والی باجی کی گاڑی سے ٹکرایا ہوں۔ تین دن بعد جب اس کی اچھی طرح تسلی ہو گئی کہ پاؤں کا زخم اب ٹھیک ہو گیا ہے تو اس کی اٹکی ہوئی سانس بحال ہوئی ورنہ تین دن تک تو وہ بے چین ہی رہی۔ کبھی سوچتی ارمغان بھائی کو ہمت کر کے بتا دے نہیں تو فہد ہی کو اس فضول ایڈونچر میں شریک راز کر لے۔

☆☆☆

جمعہ کے دن حرا لوگوں کی دعوت تھی اور بقول خالہ کے آج وہ چھوٹے کا رول نبھا رہی تھی۔ کھانے کے بعد سب بڑے ڈرائنگ روم میں اور وہ سب لاؤنج میں محفل جمائے بیٹھے تھے۔ آج ارمغان بھائی بھی بڑی ترنگ میں تھے۔

UUNOVELS.COM

"ہاں تو قصہ کچھ یوں ہے کہ ایک دن ایک نازک اندام حسینہ بڑی بے چینی اور دل گرفتی سے چلڈرن وارڈ کے چکر کاٹتی دکھائی دیتی ہیں۔ وہ محترمہ گائنی میں ہاؤس جاب کرنا چاہتی تھیں لیکن ان کا نام چلڈرن وارڈ میں آ چکا تھا۔ بے چاری شاید مستقبل کی کوئی بہت بڑی گائنا کالوجسٹ بننا چاہتی تھی۔ خیر جناب! میں ان سے ازراہ ہمدردی وعدہ کر بیٹھا کہ کسی سینئر سے کہہ کر ان کا ٹرانسفر گائنی وارڈ میں کرادوں گا۔"

"پھر؟" اس نے جلدی سے پوچھا۔

"پھر جناب!" ارمغان بھائی گلا صاف کرتے دوبارہ شروع ہوئے۔ "تین مہینے تو ایسے گزرے کہ بے چاری روزانہ کیفے ٹیریا میں چلڈرن وارڈ کی ڈیوٹیوں بمعہ زیادتیوں کے روداد سناتے، اپنے دل کے پھپھولے پھوڑتی اور میں اس کے لائے ہوئے کبابوں پر ٹوٹ پڑتا، ویسے حرا! وہ کباب بناتا کون تھا؟" ارمغان نے اچانک پوچھا۔

"ممانی جان کی کام والی بناتی تھی۔" حرا نے بھی لٹھ مار کے جواب دیا۔

"چلیں ناں پھر آگے بتائیں نا کیا ہوا؟" باقی سب تو یہ قصہ ہزار مرتبہ سن چکے ہوں گے، وہ پہلی دفعہ سن رہی تھی۔

"ہاں تو پھر ہوا یوں کہ میں روز اس سے وعدہ کرتا کہ کوشش کر کے اس کا ٹرانسفر گائنی میں کرادوں گا..... لیکن کباب اتنے مزے کے ہوتے تھے کہ میں کوشش ہی نہیں کرتا تھا۔"

"اف اللہ۔" اس کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا۔

اسی وقت احمد خالو بھی یہیں چلے آئے۔ "یہاں تو بڑی محفل جمی ہوئی ہے۔" خوش دلی سے کہتے وہ صوفے پر بیٹھ گئے۔

"حرا بیٹا! آپ کی ٹریننگ کیسی جا رہی ہے؟" بڑی اپنائیت سے انہوں نے اپنی ہونے والی بہو کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی بالکل ٹھیک انکل! بس چھ مہینے رہ گئے ہیں..... پھر فارغ۔" حرا نے مؤدب انداز میں ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"بس بیٹا! آپ کی ٹریننگ ختم ہو جائے پھر آپ ارمغان کے ساتھ مل کر اپنا ہسپتال کھولو۔"

"کوشش تو یہی ہے بابا!" ارمغان نے تابعداری سے سر ہلایا۔ "میرا ارادہ ایک بہت بڑا میڈیکل کمپلیکس کھولنے کا ہے جس میں میرے اور حرا کے علاوہ اور بھی اعلا ڈگری یافتہ ڈاکٹرز ہوں..... اور اس میں وہ ساری چیزیں ہوں گی جن سے مارکیٹ ویلیو بڑھتی ہے۔ جیسے کہ سینٹرلی ایرکنڈیشنڈ ہوگا۔ ویٹنگ ایریا بھی کشادہ اور آرام دہ ہوگا، جس میں ہم کرسیوں کے بجائے صوفے اور بڑے سائز کا ایل ای ڈی رکھیں گے۔ بچوں کے لیے پلے روم کے علاوہ ایک شان دار سا کیفے ٹیریا بھی وہاں ہوگا۔"

"یہ تم ہسپتال بنا رہے ہو یا فائیو اسٹار ہوٹل؟" اسفند نے ہنستے ہوئے اس کا مذاق اڑایا۔

"ہاں تو فائیو اسٹار ہوٹل سے کم بھی نہیں ہوگا۔ بھئی جب ہم اتنا لگا رہے ہیں تو فیس بھی اسی حساب سے لیں گے اور سرمایہ تو ایک ہی دفعہ لگانا ہوتا ہے، اس کے بعد تو منافع ہی کھانا ہوتا ہے ناں۔"

"اچھا تو پھر آپ کا گائنی میں ٹرانسفر ہوا ہی نہیں؟" رات کے تقریباً بارہ بجے دسمبر کی تھرتھراتی سردی میں مہمانوں اور میزبانوں پر مشتمل قافلے کے ہمراہ چلتے اس نے اپنی الجھن حرا سے دریافت کی۔

"ہاں ناں، یہی تو ٹوئسٹ تھا کہانی کا۔ محترمہ کا پھر چلڈرن وارڈ میں ایسا دل لگا کہ پھر کچھ اور اچھا ہی نہ لگا۔" ساتھ چلتی حرا کے بجائے سامنے فہد اور اسفند یار کے ساتھ چلتے ارمغان نے گردن موڑ کے جواب دیا تھا۔

"ویسے آپ کو پورا ڈے اسپنڈ کرنا چاہیے تھا۔" بغیر کسی تصنع اور بناوٹ کے یہ سادہ سی ڈاکٹر اسے بہت اچھی لگی تھی۔ "ابھی تو ہیں ناں آپ لاہور میں؟" اس نے حرا سے پوچھا۔

"میں تو ہوں، پر یہ جا رہے ہیں ناں انگلینڈ،

UUNOVELS.COM

اپنے کورس پر۔ سنڈے کی ان کی فلائٹ ہے ناں۔" حرا نے ارمغان کی پشت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اگلے دن کا سورج روپہلی دھوپ کے ساتھ چمکتا ہوا طلوع ہوا تھا۔ مما ہلکا پھلکا ناشتہ کر کے خالہ کی طرف نیچے جا چکی تھیں۔

☆☆☆

اپنی بالکونی سے موسم کا نظارہ کرتے ہوئے اس کی آج بہت دنوں بعد نعیمہ آنٹی سے بڑی تفصیل سے بات ہوئی۔ انہیں اسکول کی کینٹین کے علاوہ دو اور بیکریوں کے آرڈر بھی ملنے لگے تھے۔ دوسرا فون فرنیچر والے صاحب کا موصول ہوا، ان کے کچھ فرنیچر کے رنگ و روغن کا کام ابھی باقی تھا۔ ان صاحب کا خیال تھا کہ دو دن بعد وہ تمام فرنیچر ایک ساتھ ہی پہنچا دیں تو بہتر ہے یہ ہی پیغام مما تک پہنچانے وہ لان سے گزر رہی تھی کہ فارہ نے اسے روک لیا۔

"تمہیں بہت شوق تھا ناں منال جانے کا۔ آج ہم سب وہیں لنچ کرنے جا رہے ہیں۔" نمک مرچ چھڑک کے کینوؤں پر ہاتھ صاف کرتی وہ خوش دلی سے بولی۔

"سچ.....؟ حرا کو بھی بلا لیتے ہیں ناں۔" وہ وہیں بیٹھ کے اس کا ساتھ دینے لگی۔

"حرا کے اعزاز میں یہ دعوت دی جا رہی ہے۔" فارہ نے کہا۔ "ابھی ابھی اسفند کا فون آیا تھا۔ وہ اپنی بھابھی صاحبہ کے ساتھ ساتھ ہم سب کو بھی آج زبردست سا لنچ کرا رہا ہے۔ اصل میں اور کوئی دن بن نہیں رہا تھا۔ کل ارمغان کی فلائٹ ہے لندن کی اور پرسوں فہد اپنے دوستوں کے ساتھ ناران کاغان کی سیر کو نکل رہا ہے۔"

اسی وقت فارہ کا موبائل بجنے لگا۔

"لو میرال کی بھی کال آ گئی..... اچھا تم تیاری پکڑو، ہمیں ایک بجے نکلنا ہے۔" جلدی جلدی ہدایت دیتے اس نے فون کان سے لگا لیا۔

اور وہ اپنا چھیلا ہوا کینو وہیں پلیٹ میں چھوڑ کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ بیچ کے چھوٹے دروازے کے بجائے اب وہ اپنے پورشن کو جاتی سیڑھیوں کی طرف قدم اٹھاتی جا رہی تھی۔ اوپر پہنچ کے اس نے فرنیچر کے شوروم کا نمبر ملایا۔

"وہ آپ سے کہنا تھا، جتنا بھی فرنیچر تیار ہے۔ وہ آپ آج ہی پہنچا دیں۔ جو رہ جائے گا، دو دن بعد آ جائے گا۔"

اور ٹھیک ایک بجے میرال کالج یونیفارم میں اس کے سر پر کھڑی برس رہی تھی۔

"یہ کیا مذاق ہے لیہا! میں نے تمہاری وجہ سے بھائی کو منال کا کہا تھا ورنہ تو وہ پی سی میں لنچ کرا رہے تھے اور تم یہ فضول فرنیچر کی سیٹنگ کی وجہ سے نہیں جا رہیں۔ یہ اتنا ضروری کام تو نہیں..... یہ تو کوئی بھی دیکھ لے گا یار!" وہ سخت چڑے ہوئے انداز میں جھلاتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھی۔

"میرو دیکھو، سیٹنگ تو ایک ہی دفعہ ہوتی ہے ناں، پھر کون اتنے بھاری سامان کو ہلاتا پھرے گا۔" وہ میز کو کھسکاتے ہوئے کمرے سے باہر نکالنے کی جدوجہد میں جتی ہوئی تھی۔ "یار یہ کام تو حامد بھی کر سکتا ہے، تم چلو نا پلیز۔" میرال روہانسی ہو کر پاؤں پٹخنے لگی۔

"کیا ہو گیا ہے میرال؟" وہ میز چھوڑ کر اس کے قریب چلی آئی۔ "اچھا چلو، میں فارغ ہو کر آ جاؤں گی۔" اس نے پچکارتے ہوئے اسے دلاسا دیا۔ "اگر کھانے پر نہ بھی پہنچ پائی تو مووی ہی دیکھ لوں گی، تم لوگوں کے ساتھ۔"

ان لوگوں کے گھر سے نکلنے کے صرف پندرہ منٹ بعد ہی سامان سے لدا پھندا ٹرک آن پہنچا۔ لیکن اس سے پہلے مما اس کی کلاس لینے اوپر پہنچ چکی تھیں۔

"بہت ضدی ہو گئی ہو تم لیہا! اتنا ناراض ہو کر گئی ہے میرال تمہاری وجہ سے۔" وہ لاؤنج کی دیوار سے ٹیک لگائے، سر جھکائے کھڑی تھی۔ "چلی جاتیں، وہ لوگ بھی خوش ہو جاتے۔ صرف دو گھنٹے کی

UUNOVELS.COM

تو بات تھی۔"

"صرف دو گھنٹے کی تو بات تھی بیہ!" وہ کچن میں کھڑا چھوٹے چھوٹے چائے کے سپ لیتا، ابھی تک یعنی کھانا کھانے کے بعد تک خفا لگ رہا تھا۔ "اب تک تو ہم کھانا کھا کے واپس بھی آ چکے ہوتے۔"

"نہیں ناں۔ میرا بہت سارا ٹائم ضائع ہو جاتا ناں۔" الیکٹرک کیتل میں پانی بھرتے ہوئے اس نے رسان سے کہا۔ "اور میں نے تو کہا تھا کہ آپ لوگ چلے جائیں ڈنر پر۔"

"لو تمہارے بغیر کیسے چلے جاتے؟ اور ویسے بھی میں تو چاہ رہا تھا تم تھوڑا سا ریلیکس ہو جاؤ۔ صبح سے پڑھ رہی ہو۔"

کل اس کا کیمسٹری کا پیپر تھا اور اس کی جان پر بنی ہوئی تھی اور اسفند کی صبح کی فلائٹ تھی پاکستان کی۔

جب سے کیمبرج میں ایڈمیشن ہوا تھا، یہ دوسرا موقع تھا کہ وہ دبئی سے ہوتا ہوا پاکستان جا رہا تھا۔ یہ فلائٹ لی ہی اس لیے تھی کہ خالہ خالو سے ملاقات ہو جائے گی۔ یہاں آیا تو پتا چلا کہ لیہا کے اے لیول کے فائنل امتحان ہو رہے ہیں۔ اس سے پہلے جب وہ دبئی آیا تھا تو وہ او لیول کے امتحان دے کر فارغ تھی۔

"لڑکی! اگر تمہیں پڑھنا ہی ہے تو اسٹرانگ سی کافی پیو یا یہ جو فضول سی چائے ہم لوگوں کو پلا رہی ہو، یہ پیو گی۔ اس سے تو تمہیں نیند آ جائے گی۔" اسے چاکلیٹ پاؤڈر کے چمچے بھر بھر کے گرم پانی میں مکس کرتے دیکھ کر اس نے ٹوکا۔

"لیکن پڑھائی کی ٹینشن میں ویسے ہی مجھے نیند نہیں آتی۔" اکتاہٹ بھرے لہجے میں کہتے ہوئے وہ اس کی طرف مڑی۔ "کیا واقعی بہت بری چائے بنی ہے۔ ویسے میں کچھ بھی کر لوں، مجھ سے چائے اچھی نہیں بنتی۔ مما کو بھی مشکل ہی سے پسند آتی ہے لیکن بابا پی لیتے ہیں۔"

"پسند خالو کو بھی نہیں آتی ہو گی، وہ بے چارے تمہاری محبت میں پی لیتے ہوں گے۔ جیسے آج میں پی رہا ہوں..... اور "کچھ بھی" کر لینے سے چائے اچھی نہیں بن جاتی۔ دودھ پتی اور پانی کے صحیح تناسب سے چائے اچھی بنتی ہے۔"

مسہری، صوفوں اور کرسیوں کی اٹھک پٹخ سے پیدا ہونے والی آوازوں پر پانچ سال پرانی آوازوں کی بازگشت حاوی تھی۔ سارے سامان کو ٹھکانے لگاتے لگاتے تین سے چار گھنٹے تو لگ ہی گئے۔ مٹی اور گرد نے الگ حلیہ بگاڑ کے رکھ دیا۔

پانچ بجے کے قریب جب وہ نیچے آئی تو بھوک اور سردی سے برا حال ہو رہا تھا اور زیادہ برا حال دیگچی کا ڈھکن اٹھا کے ہوا۔ وہ بھوک سے مر بھی رہی ہوتی تو شلجم گوشت بھی نہیں کھا سکتی تھی۔

"مجھے دھیان ہی نہیں رہا لیہا! تمہارا۔ آپا کا خیال تھا کہ آج سب لوگ باہر لنچ کریں گے تو آج شلجم گوشت بنا لیتے ہیں۔ اصل میں تو میرا ہی بڑے دنوں سے دل چاہ رہا تھا، آپا کے ہاتھ کا بنا شلجم گوشت کھانے کا۔" اسے شلجم گوشت اور اس کی ہسٹری میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

"چلو، تم یہاں کیوں ٹھنڈ میں کھڑی ہو، ہیٹر کے پاس جا کے بیٹھو۔ بال بھی سوکھ جائیں گے ورنہ زکام ہو جائے گا۔ میں گل بی بی سے کہتی ہوں، تمہارے لیے کچھ بنا دیں۔"

تقریباً پون گھنٹے بعد ہیٹر کے پاس فلور کشن پر بیٹھے اس نے ابھی پہلا ہی نوالہ لیا تھا کہ پوری پلٹن لاؤنج کے دروازے سے اندر آتی نظر آئی۔

"یہ تم اتنا زبردست سا لنچ چھوڑ کے، آلو کی بھجیا کھا رہی ہو۔" اس کے قریب ہی دوسرے فلور کشن پر بیٹھتے ہوئے فارہ نے اس کی پلیٹ میں سے آلو کا قتلہ اٹھا کے منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"ویسے ہم تمہارے لیے بھی پیک کرا کے لائے ہیں۔" فہد نے اسفندیار کے ہاتھ میں موجود شاپنگ بیگ کی طرف اشارہ کیا۔ جو وہ اگلے ہی لمحے ڈائننگ ٹیبل پر رکھ کے خود سامنے ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

"بیٹا! وہ چاکلیٹ کیک تو نہیں ہے فریج میں۔"

UUNOVELS.COM

اسی لیے گل بی بی مزید شرمندہ کرنے چلی آئیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے جب وہ بھوک سے نڈھال ہوتے فریج کی چھان بین کر رہی تھی تو وہ کام گل بی بی کے ذمہ لگا کر خود ٹھنڈ سے بچنے لاؤنج میں چلی آئی تھی۔

"ارے کوئی بات نہیں یو!! وہ اصل میں آج شلجم گوشت بنا تھا نا، وہ لیبا کھاتی نہیں۔"

ممانی بات کاٹ کے خالہ پھر شروع ہو گئیں۔

"ارے مجھے کیا پتا تھا، لیبا تم لوگوں کے ساتھ نہیں جائے گی ورنہ میں نہیں پکاتی۔ وہ تو میں نے ہی اس سے کہا کہ کل والا کیک چائے کے ساتھ کھالے، جب تک گل بی بی کچھ بنا دیتی ہیں کھانے کے لیے۔"

خالہ سارے اسرار و رموز سے تفصیل سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ اسے لگا، اس کا چہرہ آگ کی طرح تپ رہا ہو جیسے۔ تب ہی نگہت آنٹی بڑی سی ٹرے لیے اندر داخل ہوئیں۔

"تم لوگ بھی ادھر ہی جم کے بیٹھ جاتے ہو۔" خفگی کے اظہار کے طور پر انہوں نے فارہ اور فہد کو گھورتے ہوئے چائے کی ٹرالی دھکیلتی گل بی بی کو ٹرے پکڑائی۔

"اصل میں آج حامد گیا ہوا ہے ناں۔ گاڑی کی سروس کروانے۔ گل بی بی جب آئیں تب کھانا تیار نہیں تھا۔" صوفے پر بیٹھ کے سانس ہموار کرتے انہوں نے کہا۔ "اور یہ تم کیا کھا رہی ہو، میں لائی ہوں نا تمہارے لیے چائنیز۔ مجھے بتایا تھا گل بی بی نے کہ تم شلجم گوشت نہیں کھاتیں۔"

اور اسے زندگی میں پہلی مرتبہ شلجم گوشت نہ کھانے پر افسوس ہوا۔ خاموشی سے اپنی پلیٹ گل بی بی کے حوالے کر کے اس نے چائے کا کپ اٹھا لیا اور خدا کا شکر کیا کہ چائے کا دور شروع ہوا اور احمد خالو کی حاضرین محفل میں شمولیت کے بعد اس کی بھوک اور شلجم گوشت کے خجالت آمیز فسانوں سے ہٹ کر ارمغان بھائی کے ہاسٹل اور فریحہ بیگم کی جاب کے بارے میں بات ہونے لگی۔

"فریحہ بہن! آپ نے بالکل ٹھیک فیصلہ کیا ہے اسکول جوائن کرنے کا۔ اتنے اچھے سیلری پیکیج کے ساتھ آپ کو پاکستان میں بطور پرنسپل کام کرنے کا تجربہ بھی ہو جائے گا پھر کچھ عرصہ بعد جیسا کہ لیبا چاہتی ہے، آپ اپنا اسکول آسانی سے کھول سکیں گی۔" احمد خالو ممانی کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بولے۔

"خیر جیسا اسکول لیبا کھولنا چاہتی ہے، ویسا تو خالہ نہ ہی کھولیں تو بہتر ہے۔" صوفے سے اٹھ کر ان کو چائے کا کپ پکڑاتے ہوئے میرال نے بےزار لہجے میں کہا۔

"کیوں بھئی، آخر ہماری بیٹی کیسا اسکول کھولنا چاہتی ہے۔" لہجے کی شگفتگی کو برقرار رکھتے ہوئے انہوں نے گردن موڑ کر لیبا کی طرف دیکھا۔

"ایک دم بھنگیچر۔" میرال کے انداز پر خود اس نے اپنی مسکراہٹ بمشکل چھپائی۔

"ایسا ہے لیبا؟" خالو شرارت سے متبسم ہوئے۔

"اور کیا پتا نہیں کس قسم کا تھرڈ کلاس اسکول کھولنا چاہتی ہے۔ بالکل عام سے علاقے میں 'لوئر مڈل کلاس' کے بچوں کے لیے...... بھئی اسکول ہی کھولنا ہے تو کسی اچھے پوش علاقے میں کھولو۔ کوئی نام تو ہو اس کا۔ پتا ہے شانزے کی مما جس اسکول میں پڑھاتی ہیں، کتنا زبردست اسکول ہے وہ۔ لگتا ہی نہیں کہ یہ اسکول پاکستان میں ہے، لگتا ہے کسی یورپین کنٹری کا اسکول ہو جیسے۔ اتنی تو فیس ہے وہاں کی، اب سوچو جب اتنی فیس لیتے ہیں تو جن کا اسکول ہے، انہیں کتنا فائدہ ہوتا ہوگا۔"

"ویسے میرال ٹھیک کہہ رہی ہے لیبا!" ارمغان بھائی بھی شروع ہو گئے۔ "ایک طرف تو تم کہتی ہو فیس بھی کم ہو جو کہ عام شہری افورڈ کر سکیں اور پھر تم اعلا تعلیم یافتہ استاد بھی چاہتی ہو جو کہ ظاہر ہے کم تنخواہ پر تو ہرگز راضی نہ ہوں گے..... تو تمہیں منافع کیا ہوگا؟"

UUNOVELS.COM

''منافع کم ہوگا لیکن سوچیں کتنے بچوں کا مستقبل سنور جائے گا۔'' اس پورے عرصہ میں اس نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔ ''کتنے بچے اعلا تعلیم حاصل کر کے اچھے عہدوں پر فائز ہوں گے، کتنے خاندان خوش حال زندگی گزار سکیں گے۔''

''اور جس کا اسکول ہے، اس کا بیڑا غرق ہو جائے گا۔'' میرال نے ٹکڑا لگایا۔

''ایسا نہیں ہوگا ان شاء اللہ۔'' وہ اپنا دفاع کرتے ہوئے بولی۔ ''انسانی خواہشات تو جتنا بڑھاؤ، بڑھتی ہی چلی جاتی ہیں۔ ہمیں اپنے آپ کو لمیٹڈ کرنا بھی آنا چاہیے۔''

''لیہا! مسئلہ صرف منافع کا نہیں، مسئلہ عزت کا بھی ہے۔'' سب سے زیادہ ارمغان بھائی ہی اس کی مخالفت میں بول رہے تھے۔

''ہماری عزت، ہمارے کام، ہمارے پیشے سے ہی جڑی ہے۔ جب کوئی متعارف کراتا ہے تو آپ کے کام، آپ کے عہدے، آپ کے ادارے سے ہی سلسلہ جوڑتا ہے۔ ایک چھوٹے سے لوئر کلاس کے لیے کھولے گئے، عام سے اسکول کا کیا حوالہ ہوگا۔ کیا نام اور کیا عزت؟'' اگر میں بھی ایک چھوٹے سے علاقے میں کلینک کھول کے چار ڈاکٹر بٹھا دوں تو اچھے معزز لوگ وہاں اپنا علاج تو کیا بلڈ پریشر تک چیک کرانا پسند نہیں کریں گے اور جب آپ کی اپر کلاس وہاں کا رخ نہیں کرے گی تو نہ نام ہوگا نہ شہرت اور نہ عزت۔ پھر آپ اپنے جونیئر ڈاکٹروں کو ترقی کرتا دیکھ کے ان کے نامی گرامی ہسپتالوں کی آمدنی اور منافع کا اندازہ لگا لگا کر کڑھ کڑھ کے خود ایک نفسیاتی مریض بن جاتے ہیں۔''

''نام تو جب تک ہم اس دنیا میں ہیں، تب تک ہے۔'' اس نے خالی کپ ٹرالی کے نچلے خانے میں رکھتے ہوئے آرام سے کہا۔ ''کل نہ ہم ہوں گے نہ ہمارا نام ہوگا لیکن ہمارے اچھے کام، ہمارے نیک اعمال کی صورت میں ہم سے بھی پہلے اوپر پہنچ چکے ہوں گے اور سب سے اہم بات۔ ہمیں کیسے پتا کہ جو لوگ اتنے شہرت یافتہ..... اداروں کے مالک ہیں، اعمال کے حساب سے ہمارا رب ان سے راضی ہے بھی کہ نہیں۔''

''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو تم لیہا!'' نگہت آنٹی پرجوش انداز میں کہنے لگیں۔

''ضروری تو نہیں کوئی دھچکا لگے تب ہی انسان اللہ کو راضی کرنے کی فکر کرے، اپنے احسن انکل کو ہی دیکھ لو، جب سے ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ پانچ وقت کی نماز مسجد میں جا کر پڑھتے ہیں اور پہلے گھر میں بھی مشکل ہی سے پڑھتے تھے، میں تو تمہارے ساتھ ہوں۔ اچھا ہے۔ میری بی ایڈ کی ڈگری بھی کسی کام آجائے گی۔''

''چلو ہم بھی سوچتے ہیں، شاید کوئی ایسا راستہ نکل آئے کہ دین اور دنیا دونوں میں کامیابی..... کامیابی ہو جائے۔''

''تم نے تو بڑی جلدی ہتھیار ڈال دیے۔'' اسفند نے ارمغان کو چھیڑا۔

''ہاں شاید..... اصل میں اس طرح سے کبھی سوچا نہیں۔'' ارمغان بھائی کے پرسوچ انداز میں ایمان داری سے کیے اعتراف کو سنتے اس کی نظر بلا ارادہ ہی احمد خالو کی طرف اٹھ گئی۔

احمد خالو جو گھر کے افراد کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں ہمہ وقت متحرک اور سرگرم عمل دیکھنے کے متمنی تھے، اس سارے بحث و مباحثے میں خاموش رہے تھے۔

☆☆☆

فہد کو ایئرپورٹ چھوڑنے وہ سب ساتھ جا رہے تھے۔ دسمبر کی ڈھلتی شام کا نرم گرم سا سورج اور اس سے نکلتی نارنجی شعاعیں دھند کی سرمئی میں مدغم ہوئے عجیب سا سحر طاری کر رہی تھیں۔

''فون بج رہا ہے لیہا!'' میرال کے جھنجوڑنے پہ اس نے ہینڈ بیگ سے موبائل نکال کے کان سے لگایا۔

''باجی! وہ آپ سے جی ضروری بات کرنی

تھی۔" اسے چند لمحے لگے رشید صاحب کی آواز کو پہچاننے میں، جو اس پرسکون ماحول میں اضطراب انڈیل چکی تھی۔

"ابھی میں باہر ہوں گھر کے، آپ سے بات کرتی ہوں۔" اپنے آپ کو سنبھالتے آہستگی سے کہتے ہوئے اس نے فون بند کردیا۔

"کون تھا؟" اسے بغور دیکھتے میرال نے پوچھا۔

"وہ اسکول والے صاحب تھے۔" بھلا ہوا جو اسے بروقت جواب سوجھ گیا۔

اس سے پہلے کہ میرال مزید کوئی سوال کرتی، فرنٹ سیٹ پر اسفند کے ساتھ بیٹھے فہد نے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

"لیہا! تم نے کیا گاڑی کھڑی کرنے کے لیے خریدی ہے۔ کبھی چلاتے تو دیکھا نہیں۔" آن واحد میں اس کے ذہن کے پردے پر پہلی اور آخری مرتبہ گاڑی چلانے کے نتیجے میں ہونے والے ایکسیڈنٹ کا جھماکا ہوا۔

"چلو، آنٹی اسکول جوائن کریں گی تو کسی معرف میں تو آئے گی گاڑی۔" اس کے ہراساں چہرے پر سے نظریں ہٹا کے وہ سیدھا ہو کے بیٹھ گیا، باقی کا سفر اس کا وسوسوں اور پریشانیوں میں تمام ہوا۔

گھر پہنچ کے اس نے سب سے پہلے رشید صاحب کو ہی فون کیا۔

"جی رشید صاحب! کیسے ہیں آپ؟ زخم تو ٹھیک ہے نا آپ کا؟" اس نے اپنے دل کو جکڑے خدشے کے بارے میں ہی پوچھا۔

"وہ جی اسی کا بتانا تھا..... کچھ دن سے سوجن اور تکلیف بہت بڑھ گئی ہے جی۔ ڈاکٹر کہتا ہے اندر پیپ پڑ گئی ہے۔"

"اوہ!" اس کے منہ سے بے اختیار افسردگی سے نکلا۔ اس بے چارے غریب کو کتنی تکلیف اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ "اچھا آپ ایسا کریں نیچے ادھر جو ڈیفنس کا بڑا ہسپتال ہے۔ یہاں آجائیں۔ میں بھی آجاؤں گی وہاں، آپ کا زخم کسی اچھے بڑے ڈاکٹر کو دکھا دیتے ہیں۔"

"میں تو جی ابھی بھی آسکتا ہوں۔ بڑی پریشانی ہو رہی ہے اس زخم کی وجہ سے کتنے دنوں سے کام پر بھی نہیں جا سکا، اگر آپ تھوڑی مدد کردیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔" مسکین سے لہجے میں اس نے اپنا مدعا بیان کیا۔

"ابھی....." اس نے ٹائم دیکھا۔ ساڑھے چھ بج رہے تھے۔ "اگر آپ آسکتے ہیں تو..... میرے گھر سے تو یہ ہسپتال قریب ہے، میں سات بجے تک پہنچ جاؤں گی۔"

رجسٹریشن کروانے اور فائل بنوانے میں ہی بیس منٹ لگ گئے۔ ہسپتال کے باہر بنے اے ٹی ایم سے وہ دس ہزار بھی نکال کے لے آئی۔ ابھی بھی رشید صاحب کا نمبر آنے میں پون گھنٹہ باقی تھا، البتہ ایک جونیئر ڈاکٹر ان کا تفصیلی معائنہ کر کے جا چکا تھا۔ سب کچھ جلدی جلدی کرتے ہوئے بھی ساڑھے آٹھ بج چکے تھے۔ گھر پہنچ کر گاڑی سے احتیاط سے نکلتے ہوئے اس نے سب سے پہلے اپنی بالکنی کی طرف دیکھا پھر مدھم روشنی میں نظر آتے لان پہ ایک تفصیلی جانچتی نظر ڈال کر وہ گاڑی کا دروازہ لاک کرنے کو مڑی ہی تھی کہ دھک سے رہ گئی۔ اس سے دو فٹ کے فاصلے پہ اسی کی گاڑی سے ٹیک لگائے۔ اسفندیار لب بھینچے اسی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جمی کی جمی رہ گئی، اتنی ہمت نہ تھی کہ اسے نظر انداز کر کے گزر جائے۔

"تم جہاں کہیں سے بھی آرہی ہو لیکن خالہ کو یہی بتانا کہ نیچے ہی تھیں۔" برف سے سرد لہجے میں کہتے ہوئے اس نے ایک قدم اس کی جانب بڑھایا۔

"وہ..... وہ میں مما کی میڈیسن لینے گئی تھی۔"

"پتا نہیں اس نے یہ بے وقوفانہ قسم کا عذر کیوں اور کس وجہ سے دیا۔

"شٹ اپ لیہا!" اس کا جیسے پیمانہ چھلک پڑا۔ "گھر کے سارے مرد، سارے ڈرائیور، نوکر کہاں مر گئے ہیں جو رات کے نو بجے دوائیاں لیتی

UUNOVELS.COM

پھر رہی ہو۔"

"ابھی تو نہیں بجے۔"

"گیٹ لاسٹ فرام ہیئر۔" دانت پیستے اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیا کر ڈالے۔

"بابا زندہ ہوتے تو میں دیکھتی، آپ کیسے مجھ سے اس لہجے میں بات کرتے ہیں۔" وہ کہہ نہ سکی۔ آنسو صاف کرتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ گئی۔

"تم فارہ کی طرف تھیں؟" روسٹ کو اوون سے نکالتے مما نے اس پر ایک نظر ڈالی۔

"جی۔" وہ سنک میں ہاتھ دھونے لگی۔

"اسفند نہیں آیا اوپر؟ اچھا بتاؤ فروزن نان نکالوں روسٹ کے ساتھ، ویسے تو میں نے گارلک بریڈ بھی بنائی ہے۔ سلاد بھی بنا پڑا ہے فریج میں۔"

"نہیں، پھر ٹھیک ہے، نان رہنے دیں۔" وہ فریج سے سلاد نکالنے لگی۔

"کیا میں مما کو بتا دوں، اتنا بڑا مسئلہ تو نہیں ہے۔ ایک ذرا سی چوٹ ہی تو لگی ہے اس شخص کو..... لیکن فائدہ کیا ہوگا۔ ہاں اگر ارمغان بھائی ہوتے تو ان کو بتا سکتی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو لیہا!"

"کچھ نہیں مما!" اپنی پلیٹ میں گارلک بریڈ نکالتے ہوئے اس نے انہیں مطمئن کیا۔

"بیہ! تم کتنی چپ ہو گئی ہو ناں، جب تمہارے بابا تھے تو تم کتنا زیادہ ہر وقت بولتی رہتی تھیں۔"

"بابا تو ابھی بھی ہیں۔" اپنی پلیٹ میں سلاد ڈالتے اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"بس ہمارے ساتھ نہیں رہتے۔" اس نے مزید مسکراتے ہوئے ماں کو دیکھا۔

"بیہ! میں سوچتی ہوں، ہم کتنے اکیلے رہ گئے ہیں ناں۔" چھ کرسیوں کے ڈائننگ ٹیبل پر آمنے سامنے بیٹھے انہوں نے ویران سی آنکھوں سے لاؤنج کو دیکھا۔

"ابھی تو مجھے آپا کی وجہ سے بڑی ڈھارس ہے۔"

"ابھی آپ تھوڑے دنوں میں اسکول جوائن کر لیں گی تو آپ دیکھیے گا، کتنی مصروف ہو جائیں گی۔" اس نے انہیں تسلی دی۔

"بیہ! تمہیں بابا یاد نہیں آتے؟"

گلاس میں پانی ڈالتے اس کے ہاتھ لرز گئے۔

"یہ پوچھنے کی بات ہے۔" پھیکی سی ہنسی ہنستے اس نے گلاس منہ کو لگا لیا۔

"تم کبھی ذکر جو نہیں کرتیں، ہمیشہ میں ہی بات کرتی ہوں۔" انہوں نے معصومیت سے کہا۔

"اور آپ ہمیشہ غلط موقع پر ہی بات کرتی ہیں۔ اتنا اچھا روسٹ بنا کے صرف سلاد ڈالے بیٹھی ہیں۔ ابھی گرم ہے بعد میں اکڑ جائے گا تو کھایا بھی نہیں جائے گا۔" اس نے لیگ پیس کاٹ کے ان کی پلیٹ میں ڈالا۔

"مما! اگلے ہفتے سے آپ نے اسکول جانا ہے، آپ کو کوئی شاپنگ وغیرہ نہیں کرنی اپنے کپڑوں کی؟"

"بہت ہیں میرے پاس کپڑے۔" ان کے لہجے میں بے زاری تھی، پر کم از کم چھری کانٹے سے روسٹ کاٹنے لگ گئی تھیں۔

☆☆☆

چار دن بعد رشید صاحب کا ڈاکٹر سے چیک اپ تھا۔ وہ اسے ہمیشہ سے زیادہ متفکر اور پریشان لگے، ان کے لیے گئے خون کے ٹیسٹوں میں شوگر کے مرض کی تشخیص ہوئی تھی، اسی لیے ان کے پاؤں کا زخم ٹھیک نہیں ہو رہا تھا۔

"دیکھیں، یہ تو اچھا ہی ہوا ناں کہ آپ کا مرض پکڑا گیا ورنہ تو پتا ہی نہ چلتا تھا کہ آپ کو شوگر ہے۔ اب کم از کم علاج تو شروع ہو جائے گا۔" وہ فون پر انہیں تسلی دیتی ہوئی بولی۔

"ہاں جی۔ بس خرچا ہی خرچا ہے۔ وہ جو گولیاں ملتی ہیں ناں بازار میں۔ چائے میں ڈالنے کے لیے..... شکر کے بجائے اب وہ ڈالنی ہوں گی۔"

"اگر آپ تھوڑے دنوں تک پھیکی چائے پئیں

UUNOVELS.COM

گے تو آپ کو پھیکی چائے کی عادت ہو جائے گی پھر آپ کو میٹھی چائے اچھی بھی نہیں لگے گی۔ میری امی اور خالہ کو بھی شوگر ہے، وہ تو پھیکی چائے پیتی ہیں۔ آپ کو کرنا کیا ہے صرف میٹھی چیزوں سے پرہیز کرنا ہے۔ باقی تو دال، سبزی، گوشت آپ سب کھا سکتے ہیں۔"

"ہاں جی بتایا ڈاکٹر نے۔" وہ شکست خوردہ لہجے میں بولے۔ "نرس نے بھی بتایا کس کس چیز کا پرہیز کرنا ہے، دوسرے شوگر والے ڈاکٹر نے بھی چیک کیا..... ظاہر ہے اتنی اتنی فیس لیتے ہیں تو چیک تو جی پھر ٹھیک طرح سے کرنا ہے ناں آپ کے کہنے پر یہاں آیا تو مرض پکڑا گیا ورنہ ادھر ہمارے علاقوں کے ڈاکٹر کہاں یہ سب ٹیسٹ کراتے ہیں۔ انہوں تو جی پچاس روپے کی پرچی کاٹنی ہوتی ہے۔ جلدی جلدی مریض کو دیکھا۔ دوائی کی پڑیا پکڑائی اور بس..... بس جی اللہ غریب کو بیمار نہ کرے۔"

"ابھی آپ ہسپتال میں ہی ہیں؟ کچھ سوچتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"ہاں جی۔ بس نکلنے لگا تھا سوچا۔ آپ کو بھی بتا دوں۔"

"آپ ایسا کریں وہیں رکیں..... بس میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔" مما اور اس کا جوائنٹ اکاؤنٹ تھا، یہ تو شکر تھا کہ انہوں نے ابھی تک اس سے پوچھا نہیں تھا کہ اتنے پیسے وہ کہاں لگا رہی ہے۔

اگلے کچھ دنوں تک تو خیریت ہی رہی اور جب وہ بالکل بھی توقع نہیں کر رہی تھی کہ رشید صاحب کے پاؤں کا زخم پھر سے بڑھ سکتا ہے اتنا کہ ڈاکٹر تیس ہزار کے ٹیسٹ بتا دے..... ایک ذرا سا زخم تقریباً ایک مہینہ لے چلا تھا۔ اسے اس پورے عرصے میں پہلی مرتبہ خوف محسوس ہوا۔ کسی نہ کسی سے تو شیئر کرنا پڑے گا، فی الحال فارہ کو اعتماد میں لے کے اس سے بات کرنی ہوں سوچتے ہوئے وہ نیچے آ گئی ابھی وہ بات شروع بھی نہ کر پائی تھی کہ میرال منہ لٹکائے کمرے میں داخل ہوئی۔

"اسائنمنٹ نے تھکا مارا ہے یار۔" دہائی دیتے وہ صوفے پر ڈھیر ہو گئی۔ "تمہیں پتا ہے فارہ ابھی دو مہینے رہتے ہیں شانزے کی برتھ ڈے میں اور اس نے ابھی سے وہ جو فیئر فور میں اٹالین رسٹورنٹ ہے ناں، اس میں بکنگ بھی کرالی ہے۔" رشک اور حسد کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ پریشانی کی اصل وجہ بھی سامنے آئی۔

"دیکھو ابیہا! ایسے ہوتے ہیں لوگ۔ ہماری طرح نہیں کہ برتھ ڈے سر پہ ہے اور بکنگ کے لیے کوئی جگہ ہی نہ ملے۔" حسرت سے بولتے ہوئے اسائنمنٹ والی بیزاری اور تھکن رخصت ہو چکی تھی۔

"کہیں تمہیں اپنی برتھ ڈے کی تو فکر نہیں پڑ گئی میرو! تمہیں اور کوئی کام نہیں ہے جو یہ فضول سی فکریں پالتی رہتی ہو۔"

"ہاں تم تو جیسے بڑے پہاڑ سر کر رہی ہو ناں یہ فضول سے رسالے چاٹ چاٹ کر۔" میرال کو تو جیسے پتنگے لگ گئے۔

"بڑے کام کی باتیں ہوتی ہیں ان میں۔" فارہ کی رسالے میں دلچسپی ہنوز برقرار تھی۔ "اچھا ابیہا تم بتاؤ۔"

"Love اور infatuation میں کیا فرق ہے؟

"یہ یہ کام کی بات ہے انتہائی فضول اور واہیات سوال ہے۔" میرال نے جیسے مذاق اڑایا۔

"تم تو چپ ہی کرو میرو..... خود کو جو آنکھ کھولتے ہی پالنے ہی میں محبت ہو گئی تھی۔ دوسروں کے جذبات تو فضول اور واہیات ہی لگیں گے۔"

"پالنے کیا.....؟" کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس نے لڑائی کے بیچ میں تعجب سے پوچھا۔

"تم چھوڑو اسے ایسا اس کا تو دماغ چل گیا ہے۔" میرال نے اسے کہتے ہوئے فارہ کو عصیلی نظروں سے گھورا۔

"اور تمہارے تو دل و دماغ دونوں ہی رخصت ہو چکے ہیں..... میں فہد نہیں ہوں جو بغیر سوچے سمجھے

UUNOVELS.COM

تمہاری ہاں میں ہاں ملاتی جاؤں۔'' جھٹکے سے رسالہ بند کر کے فارہ گویا میدان جنگ میں کود پڑی تھی۔

''بکواس مت کرو۔'' میرال ہتھے سے اکھڑ گئی۔ ''میرا ہی دماغ خراب تھا جو یہاں چلی آئی۔'' وہ غصہ سے کمرے سے نکلتے نکلتے پلٹی ''اور ہاں مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے کچھ بھی فکر کرنے کی، بابا نے پہلے ہی مجھ سے وعدہ کر رکھا ہے میں جہاں چاہوں گی میری وہاں برتھ ڈے ہو سکتی ہے.....''

وہ تن فن کرتی کمرے سے نکل گئی۔ اپنا مسئلہ چھوڑ کے وہ باقی کا وقت فارہ کا غصہ ٹھنڈا کرتی رہی۔

آج رات کا کھانا خالہ کی طرف ہی کھایا گیا تھا جس کمرے میں وہ لوگ شروع کے دو تین مہینے رہے تھے، ابھی بھی کبھی کبھار ادھر ہی قیام کر لیتے تھے آج بھی خالہ نے مما کو روک لیا تھا بلکہ خالہ خود بھی ابھی تک انہیں کے ساتھ تھیں اور وہی ہزار دفعہ سنائے پرانے قصے دہرائے جا رہے تھے۔

اس کا ذہن تو گھوم پھر کے رشید صاحب کے مسئلے کی رد میں آ جاتا تھا یا اللہ کاش فہد ہی ہوتا کچھ تو اسے مشورہ دیتا کسی اور ہاسپٹل میں ہی انہیں چیک کروا لیتے۔

ارمغان بھائی کے آنے میں تو ابھی پورا مہینہ پڑا تھا اسفند کا تو ہونا نہ ہونا برابر تھا جو انسان صرف آپ کی خامیوں پہ نظر رکھے اس سے آپ کیا توقع رکھ سکتے ہیں اور اسے تو شاید ایک اور موقع مل جاتا اس کی تذلیل کرنے کا..... اور میرال..... کیا پتا جاگ رہی ہو۔ میرال اسے اتنی میچور نہ لگتی تھی۔ کمرے کی لائٹ تو آن ہی تھی وہ ہلکی سی دستک دے کر اندر چلی آئی۔ رائٹنگ ٹیبل پہ لیپ ٹاپ کھولے فارہ کوئی کام کر رہی تھی اور سامنے بیڈ پہ بکھری ہوئی کتابوں فائلوں اور صفحوں کے درمیان میرال عجیب بدحواسی کے عالم میں دو تین کتابیں اپنے سامنے کھولے جلدی جلدی کچھ لکھ رہی تھی۔

''اس پیراگراف کو تو ایسے ہی کاپی پیسٹ کر دیتی ہوں۔'' فارہ نے اسے آتے دیکھ تو لیا تھا پر میرال سے مخاطب تھی۔

''ہاں دیکھ لو..... مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا بارہ بجنے والے ہیں اور ابھی تک صرف آدھا کام ہوا ہے۔'' وہ سامنے کھلے رجسٹر پہ تیزی سے ہاتھ چلاتے ہوئے بولی۔

''اوہ ہو تم بس جو پرنٹ ہو چکے ہیں، انہیں فائل میں لگاتی جاؤ..... ایک ڈیڑھ گھنٹے میں اسائنمنٹ کمپلیٹ ہو جائے گا تم ٹینشن نہیں لو۔ میں کر رہی ہوں ناں۔'' ایسے ریلیکس کرتے ہوئے وہ کھٹا کھٹ چھاپ رہی تھی۔

''لیہا۔'' میرال نے اسے مخاطب کیا۔ یار فارہ کے لیے چائے بنا لاؤ پلیز..... اتنی لجاجت سے اور وہ بھی فارہ کے لیے، وہ سوچ کے رہ گئی۔

''نہیں نہیں رہنے دو لیہا!''

''ایسا کرو۔ اسفند کو فون کرو۔ وہ بہت اچھی کافی بناتا ہے ابھی تک تو جاگ ہی رہا ہوگا۔'' وہ بیڈ کے کونے پہ ٹکی دونوں کی کارفرمائی دیکھتی رہی۔

''لیہا! تم پیو گی؟''

''نن..... نہیں۔'' اس کے منہ سے بغیر سوچے سمجھے فوراً نکلا۔

اور ٹھیک دس منٹ بعد میرال کے موبائل پہ کافی تیار ہونے کی اطلاع آ گئی۔

''دیکھا میرو کی بات کو کون ٹال سکتا ہے۔'' فارہ نے رخ موڑ کے بیڈ کے نیچے سے چپل نکالتی میرال کو چھیڑا جواب میں میرال صاحبہ شرمیلی سی ناز و ادا سے بھرپور مسکراہٹ لیے چل دیں۔ میرال کی جگہ وہ بیڈ پہ بیٹھ کے صفحے ترتیب سے فائل میں لگانے لگی۔

''میں آ رہی تھی بھائی!'' دروازہ کھول کے ٹرے ہاتھ میں لیتے ہوئے میرال نے کہا۔

''کوئی بات نہیں..... ویسے وقت پہ کام کر لیا کرو تو آخری وقت کی پریشانی سے بچ جاؤ۔'' اس نے ایک نظر بہن کے حلیے اور کمرے کی حالت پہ ڈالتے ہوئے کہا لیکن لہجہ شہد میں گھلا ہوا تھا۔

''پاٹ چاکلیٹ کا تم نے کہا تھا۔'' فارہ نے کافی

UUNOVELS.COM

کے دمگ کے ساتھ ایک ہاٹ چاکلیٹ کا مگ دیکھا تو میرال سے پوچھا۔

"نہیں تو۔" پرنٹر سے صفحے نکالتے ہوئے میرال نے کہا۔

"چلو پھر لیجیے یہ ہاٹ چاکلیٹ تم ہی لے لو شاید اس نے غلطی سے بنا دی یا سوچتا ہوگا کہ کیا تم ہمارا منہ دیکھو گی..... میں تو اب پانچ منٹ کا ریسٹ لوں گی۔" گردن کو دائیں بائیں گھماتے ہوئے وہ تھکن کے بل نکالنے لگی اور تقریباً تین بجے تک جاگ کے انہوں نے میرال کا سائینمنٹ مکمل کیا اور گیارہ بجے جب وہ اور فارہ سو کر اٹھے تو میرال تو کالج جا چکی تھی لیکن اس کے لیے سب سے بڑی خوشی کی خبر فہد کی غیر متوقع آمد تھی۔

دوپہر کے کھانے کے بعد وہ موقع کی تلاش میں ہی رہی کہ کب فہد سے وہ رشید صاحب والا مسئلہ ڈسکس کرے لیکن میرال ہی کے قصے تمام نہ ہوتے تھے۔ اس وقت وہ لوگ فہد لوگوں کی طرف والے لان میں بیٹھے تھے آج شانزے بھی آئی ہوئی تھی۔

"یہ شانزے آخر بنا کیا رہی ہے؟" گزشتہ تین گھنٹوں سے فارہ اور شانزے کچن میں گھسی ہوئی تھیں۔ فارہ ان لوگوں کو چائے پکڑا کے دوبارہ شانزے کو کمپنی دینے چلی گئی تو میرال نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تم کیوں فکر کر رہی ہو..... جو بھی بنا رہی ہو تمہارے گھر پہنچ جائے گا۔" بڑے معنی خیز انداز میں کہتے ہوئے فہد نے سامنے ٹیبل پر سے اپنا چائے کا کپ اٹھایا۔ "ابھی دیکھا نہیں..... حامد بھی تو چائے سے بھری کیتلی تمہارے گھر لے کر گیا ہے۔"

"ویسے فہد تمہاری کزن ہے بہت سگھڑ..... اس کے اور تمہارے شوق بھی کافی ملتے جلتے ہیں..... تم اگر غور کرو تو۔" چائے میں شکر گھولتے اس نے شرارت سے اسے دیکھتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"ڈیر کزن! آپ بہت بڑی بدھو ہیں۔ میں جہاں غور کر رہا ہوں، وہ آپ کی غیر استعمال شدہ عقل بلکہ ان بچ عقل کی سمجھ میں اگر چہ نہیں بھی آیا تو خیر کوئی بات نہیں۔" کہتے ہوئے اس نے ایک نگاہ میرال پہ ڈالی جس کی چہرے پہ مدھم سا شوخ تبسم ٹھہر چکا تھا۔ "لیکن شانزے جہاں غور کر رہی ہے، وہ تو کسی اندھے کو بھی نظر آ جائے۔"

"کیا.....؟" وہ جو اسے چھیڑنے چلی تھی اتنی بل کھاتی بات پہ الجھ کے رہ گئی۔

"بیبہ! تمہارا کیا خیال ہے، یہ مسالہ چائے کی بھری ہوئی کیتلی کس کے لیے بھیجی گئی ہے۔" اپنی مسکراہٹ دباتے لہجے کو سرسری سا بناتے میرال نے پوچھا۔

"بھری ہوئی کیتلی ہے تو اس حساب سے سب کے لیے ہی ہوگی۔" ان دونوں کی شرارت سے چمکتی براؤن آنکھوں کو دیکھتے ہوئے وہ مزید الجھن کا شکار ہونے لگی۔

"ہائے ہائے ..... حساب دل کا کاش کے اتنا آساں ہوتا!" فہد نے ہنستے ہوئے کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔

رات کا کھانا بھی ہو گیا..... اس کے بعد کافی اور ڈرائے فروٹس کا دور بھی گزر گیا نیند سے بھری آنکھیں لیے ایک آخری کوشش کے تحت ادھر ادھر تانکتے جھانکتے وہ اسے کچن میں مصروف عمل نظر آ ہی گیا..... رات کے گیارہ بجے ڈبل روٹی کے سلائس پہ پیاز ٹماٹر سجاتے یہ فہد کے علاوہ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

"فہد! مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" وہ ایک بھی منٹ ضائع کیے بغیر شروع ہو گئی ہاں کہو..... مشروم کا کین کھولتے اس نے ایک نظر اس کے پریشان چہرے پہ ڈالی۔

"وہ اصل میں نا ..... ایک بہت ہی غریب آدمی ہے، اس کو نا ڈاکٹر کو دکھانا ہے۔ میرا مطلب ہے چیک اپ کرانا ہے..... تمہارا کوئی جاننے والا ڈاکٹر ہے؟" عجیب بے ربط سے انداز میں بتاتے بتاتے وہ پوچھنے لگی۔

UUNOVELS.COM

"ہاں ہے ناں۔ یہ اپنا ارمغان۔" وہ فریج کھول کے پتا نہیں کیا ڈھونڈنے لگا۔ "وہ تو میں بھی جانتی ہوں کوئی ایسا ڈاکٹر جو اس کو ابھی چیک کر سکے۔"

"یہ کہیں تم مالی کے بیٹے کی تو بات نہیں کر رہی ہو؟ ارے لیہا ایک نمبر کا جھوٹا ہے وہ ..... الٹے سیدھے ڈھونگ رچا کے اسے پیسے بٹورنا خوب آتا ہے۔" فہد نے شملہ مرچ کو دھوتے ہوئے اسے سمجھانا ضروری سمجھا۔

"نہیں بھئی۔" وہ جھلائی "تم ڈاکٹر کا تو بتاؤ پھر میں تمہیں پوری اسٹوری سناتی ہوں۔"

"پریشان کیوں ہوتی ہو میرا کزن..... یہ شانزے کا بھائی ڈاکٹر ہے نا، اس کو دکھا دیں گے۔" کٹنگ بورڈ ہاتھ میں اٹھائے وہ یہاں وہاں نظر دوڑائے پتا نہیں اب کیا ڈھونڈ رہا تھا۔

"فہد! میری بات سنو۔" اس نے کاؤنٹر پہ سے چھری اٹھا کر اسے پکڑائی۔

"جس آدمی کا میں بتا رہی ہوں ناں اسے ٹخنے میں چوٹ لگی ہے جس کی وجہ سے انفیکشن ہو گیا ہے۔ وہ ایک آرتھوپیڈک ڈاکٹر کو ادھر ڈیفنس میڈیکل سینٹر میں پہلے ہی دکھا چکا ہے جس نے اسے کافی مہنگے ٹیسٹ لکھ کر دیے ہیں۔ تو میرا خیال ہے اسے آرتھوپیڈک ڈاکٹر کو ہی دکھانا چاہیے ناں۔" وہ اصل مسئلے کی طرف آئی۔

"تو ارمغان کو فون کر کے پوچھ لیتے ہیں شاید وہ اپنے کسی جاننے والے ڈاکٹر کا بتا دے۔" شملہ مرچ کے ٹکڑے سجاتے فہد نے اس کا مسئلہ حل کر دیا۔

"A4 سائز کے پیپرز ہوں گے تمہارے پاس، کل ان لوگوں نے میرال کے اسائنمنٹ میں پورا دستہ ہی ختم کر دیا۔" اسفند کی بھاری آواز اس کے پیروں میں پٹاخے چھوڑ چلی تھی۔

"ہاں وہ کمپیوٹر ٹیبل کی دراز میں ہوں گے۔" سگھڑ عورتوں کی طرح کاؤنٹر صاف کرتے فہد نے کہا۔

"نہیں میں، میں دیکھتا ہوا آ رہا ہوں۔" وہ نفی میں سر ہلاتا ہوا بولا۔

"اچھا تو پھر۔" وہ سوچنے لگا۔ "میں چیک کرتا ہوں ایک منٹ۔" اوون کھول کے اس نے بیکنگ ٹرے اندر رکھی..... ارے اسفند! تمہارا وہ دوست شارق آرتھوپیڈک سرجن ہے ناں..... لو لیہا تمہارا کام ہو گیا۔" فہد کے اس قدر پرجوش انداز پہ اسفند نے الجھن زدہ نظروں سے ان دونوں کو باری باری دیکھا۔

"یار لیہا کو حسب معمول کسی مجبور و بے کسی انسان کو چیک کرانا ہے ویسے لیہا تم کوئی فلاحی تنظیم کیوں نہیں کھول لیتیں۔ اس نے مذاقاً کہا۔" ارے اسفی تمہارا وہ دوست شارق ڈیفنس میڈیکل سینٹر میں بیٹھتا ہے ناں؟" اور اسفند کا جواب سننے سے پہلے وہ لیہا کی طرف رخ کرتا ہوا بولا۔ "اور لیہا جس آدمی کا تم بتا رہی ہو وہ ابھی ادھر ہی چیک کروا رہا ہے ناں.....؟

اور فہد کے ساتھ ساتھ اب اسفند بھی اس کی تردید یا تصدیق کا منتظر تھا..... اس بات سے پھرنا یا مکرنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا کیونکہ چند لمحوں پہلے کا چشم دید گواہ خود اس پہ سر پہ کھڑا پوچھ رہا تھا..... اور اس کے لیے سر ہلانا ایسا ہی تھا جیسے اقبال جرم کرنا!

"اور نام کیا ہے اس ڈاکٹر کا جس سے وہ چیک کرا رہا ہے۔"

"ڈاکٹر..... سعید!" اس کے حلق سے بمشکل پھسلا تھا۔

"ہاں تو وہی ہو گا ناں ڈاکٹر شارق سعید، فہد نہایت اہم قسم کا معمہ حل کر لینے کے بعد بڑے جوش سے تالی مارنے کے سے انداز میں ہاتھ بلند کرتا ہوا بولا۔ یہ اور بات کہ لیہا تالی مارنے کے لیے ہاتھ تو کیا پیش کرتی۔ اس کی صورت تک دیکھنے کی بھی روادار نہیں تھی۔ ہوا میں بلند ہوتا اس کا ہاتھ اسفند کے استعجاب زدہ سرد ہاتھ پہ آ کے گرا۔

"چلو پھر اسفند! تم اس کو اپنے دوست کو فون کر دینا..... وہ بے چارہ غریب آدمی ہے..... شارق سے کہنا۔ ذرا فیس میں رعایت کر کے دیکھ لے اسے،

UUNOVELS.COM

ٹھیک ہے نا لیہا.....؟

"نام کیا ہے جس کو چیک کروانا چاہتی ہو؟" اسی مخصوص تحکم آمیز لہجے میں پہلا باضابطہ براہ راست حملہ بولا گیا۔

"رشید احمد نام ہے۔" اس نے اپنے آپ کو کہتے سنا۔

"ٹھیک ہے۔ میں شارق کو فون کر دوں گا۔" اس سے کہہ کر وہ فہد کی طرف مڑا۔ "تم پیچز تو نکالو۔" اب شاید اسے اپنے صفحوں کی کچھ زیادہ ہی جلدی تھی جو تفصیل میں جانے کے بجائے باقی کا جملہ عجلت میں کہتا فہد کے ہمراہ کچن سے نکل گیا۔

☆☆☆

صبح اس نے فہد کو ہسپتال کے لیے ساتھ چلنے کا میسج لکھا۔ مما کو اسکول چھوڑ کے واپس آئی تو لان میں فہد کو ٹریک سوٹ پہنے تندہی سے ایکسرسائز کرتا دیکھ کے اس کا پارہ پھر چڑھنے لگا۔

"تم ابھی تک تیار نہیں ہوئے۔" وہ مریض تو پہنچ بھی چکا ہوگا اب تک فہد۔" وہ گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے ذرا بگڑتے ہوئے بولی۔

"لیہا! میرے جانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔" وہ پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان جھک کے اپنے ہاتھوں سے اپنے پاؤں چھوتا ہوا بولا۔ "میں نے اسفند سے بات کر لی ہے وہ جا رہا ہے تمہارے ساتھ۔" اس کے سامنے لان میں کوئی بم بھی پھٹ جاتا تو اسے اتنا شاک نہ پہنچتا بے وقوف دوست سے عقل مند دشمن بہتر ہے۔ اس بات کی سچائی کا آج احساس ہوا تھا۔

"جو میسج تمہیں بھیجا تھا۔ اللہ کے بندے وہ صرف تمہارے لیے تھا، اس کو خبرنامے کی طرح نشر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" اس کے اندر اٹھتے زلزلوں سے بے خبر وہ آڑا ترچھا ہوتے ہوئے بولا۔

"تم جاؤ..... وہ تمہارا انتظار کر رہا ہوگا۔" اسی لمحے فہد کا فون بجا۔

"جاؤ..... وہ تمہارا گیٹ پہ انتظار کر رہا ہے..... جاؤ ناں۔"

دانت کچکچاتی انگلیاں چٹخاتی طوعاً و کرہاً وہ آگے بڑھنے لگی گیٹ کے باہر شہزادہ جان عالم کی سواری رکی ہوئی تھی۔

"وہ آپ نے فون کر دیا..... اپنے فرینڈ کو..... وہ ڈاکٹر شارق کو؟" بڑی دقت سے لہجے کو ہموار رکھتے اس نے پوچھا۔

"نہیں۔ بات نہیں ہو سکی۔ اس کا فون بند جا رہا تھا۔"

بڑے معمول کے سے انداز میں اس نے ہاتھ بڑھا کے فرنٹ ڈور کھولا۔ "بیٹھو۔" جسے وہ روز صبح اسی کے ساتھ تو جاتی ہو۔

"نہیں۔ وہ آپ فون کر دیجیے گا ناں۔" وہ جھجکی "ابھی تو شاید وہ مریض ہاسپٹل بھی نہ پہنچا ہو۔"

"پھر تم کیوں جا رہی تھیں.....؟" وہ چکرا گئی ابھی تھوڑی دیر پہلے فہد کو ساتھ چلنے کے لیے اس نے خود میسج لکھا تھا "نہیں، وہ آپ کو خواہ مخواہ تکلیف ہوگی۔" محض اس شخص سے جان چھڑانے کی خاطر یہ فضول سا جملہ اس کے منہ سے نکل گیا اور اگلے ہی پل اس کے چہرے پہ درج استہزاء کو دیکھ کے اس کا مرنے کو دل چاہنے لگا۔

"ڈاکٹر شارق سعید نام کی تختی والے دروازے کے سامنے اسفند یار کی ساتھ کھڑے وہ ویٹنگ ایریا کی آخری لائن میں کونے میں دبکے رشید احمد کو دیکھ چکی تھی۔ "تو یار! کل ہی بتا دیتے تم۔" ڈاکٹر شارق اپنی بڑی سی میز پہ رکھے کمپیوٹر پہ آج کے مریضوں کی لسٹ چیک کر رہا تھا۔

"بس یار! یاد ہی نہیں رہا۔" اسفند نے جیسے بات بنائی۔

"یہ تو ہے جب ہم سارے اکٹھے ہو جائیں تو اپنی اتنی باتیں ہوتی ہیں کہ کام کی باتیں اکثر بھول جاتی ہیں۔" کمپیوٹر پہ سے ایک لمحہ کے لیے نظریں ہٹا کر اس نے مسکراتے ہوئے لیہا کو وضاحت دی۔

UUNOVELS.COM

''یار! یہ رشید احمد کا نام تو آج کے مریضوں کی لسٹ میں نہیں ہے۔'' اسے حیرت کے ساتھ ساتھ خدا کی خدائی پہ بھی یقین آ گیا۔ باہر اپنی باری کا انتظار کرتا مریض ڈاکٹر شارق کی لسٹ میں موجود ہی نہیں تھا، شاید اللہ نے اس کا پردہ رکھ لیا تھا۔

''ہوسکتا ہے۔ وہ لیٹ آئے..... جب آئے تو آپ چیک کر لیجیے گا۔'' نکلنے کے لیے پرتولتے اس نے اسفند کی طرف دیکھا۔ اسفند بھی شاید اٹھ ہی جاتا جو ڈاکٹر اپنی پریشانی کا ذکر نہ کرتا ''لیکن میں نے اس پورے ہفتہ اس نام کے مریض کو چیک نہیں کیا۔'' پرسوچ لہجے میں کہتا وہ سسٹر کو ہدایت دینے لگا۔ سسٹر آپ ویٹنگ ایریا میں چیک کیجیے۔ رشید احمد کے نام کا کوئی پیشنٹ تو نہیں ہے۔ میڈیسن کاؤنٹر اور فارمیسی میں بھی چیک کیجیے۔'' پھر اس نے فون ملایا۔ ''ڈاکٹر خرم اس پیشنٹ کو دیکھیں، اس کے میڈیکل ریکارڈ نمبر سے چیک کریں ہم نے اس پیشنٹ کو لاسٹ ٹائم کب چیک کیا ہے اور کون سے ٹیسٹ کروانے کا کہا ہے۔''

جس مریض کا پورے ہوسپٹل میں ڈھنڈورا پیٹا جا رہا تھا۔ وہ ہسپتال کی بغل میں دبکا بیٹھا تھا۔

''پھر ہم چلتے ہیں۔'' اس نے اٹھنے کے لیے اسفند کی طرف دیکھا۔

''تم اسے فون کرو نا۔ پوچھو کہ کہاں ہے وہ، اسفند نے جیسے اس کی عقل پہ ماتم کیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی یا کرتی، دروازہ کھول کے اس دن والا جونیئر ڈاکٹر اندر داخل ہوا۔''

''سر! وہ رشید احمد وہی پیشنٹ ہے نا جو ankle swelling (ٹخنے کی سوجن) کے ساتھ آیا تھا..... وہ ہائی بلڈ شوگر والا۔'' روانی میں کہتے اس کی نظر ایہا کی طرف اٹھی۔

''آپ آئی تھیں ناں اس پیشنٹ رشید احمد کے ساتھ۔'' آپ کی گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہوا تھا نا اس کا اس سے تو لاکھ درجے بہتر تھا کہ وہ سیدھی طرح بتا دیتی کہ ذرا سی ٹکر لگی تھی اس کی گاڑی سے اور اس کے علاوہ

وہ محسوس کر سکتی تھی کہ اسفند کو کتنی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا اپنے دوست کے سامنے، ابھی وہ اپنی حواس باختہ ہوتی حالت پہ سنبھل بھی نہ پائی تھی کہ دروازہ کھلا اور سسٹر سدرہ رشید احمد کے ہمراہ اندر تھیں۔ رشید صاحب کا ہمیشہ سے زیادہ سوجا پنڈلی تک پٹیوں میں جکڑا پاؤں اسے اپنے سینے پہ وزنی سل کی طرح محسوس ہو رہا تھا۔

''سوجن دوبارہ کب شروع ہوئی؟ تم تو بالکل ٹھیک ہو چکے تھے۔'' ڈاکٹر شارق کو شکل دیکھ کے اپنا مریض اچھی طرح یاد آ چکا تھا ''شوگر کی دوائی تو لے رہے تھے نا باقاعدگی سے۔ بدپرہیزی تو نہیں کر رہے تھے۔'' ڈاکٹر خرم کی مدد سے اسٹریچر پہ لٹاتے وہ پروفیشنل انداز میں سوالات کرنے لگے۔

''نن نہیں..... رہنے دیں جی!'' اس بے چارے سیدھے سادھے انسان پہ اتنے لوگوں کی موجودگی میں گھبراہٹ پیدا ہو چکی تھی چیک اپ کرانے سے ہچکچاتے ہوئے اپنے دونوں گھٹنوں کو اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لیتا ڈرا سہما سا..... وہ اسے ہمیشہ سے زیادہ مظلوم لگا۔

اب ساری بات کھل ہی چکی تھی تو کم از کم اس غریب انسان کا علاج ہی صحیح سے ہو جائے۔ اپنا بے جان جسم لے وہ کرسی سے اٹھ گئی۔

''نہیں رشید صاحب! آپ ڈاکٹر صاحب کو چیک تو کرائیں۔'' اسے اپنی آواز کسی کھائی سے آتی سنائی دی۔ اسفند کی طرف تو شاید وہ اب قیامت تک نظر اٹھا کے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

''ہاں..... اب چیک تو کراؤ۔'' شاید اس کے برابر کھڑے اسفند نے کہا تھا۔ اس کے بعد کمرے میں عجیب پراسراری خاموشی چھا گئی۔ ڈاکٹر خرم سسٹر سدرہ اسفند اور وہ خود دم سادھے ساکت کھڑے رشید احمد کو بے کسی کی تصویر بنے اور ڈاکٹر شارق کو ماہرانہ انداز میں پٹی کھولتے دیکھتے رہے یہاں تک کہ پاؤں اور ٹخنے کے اردگرد بہت ساری جڑی ہوئی روئی نظر آئی جسے اب وہ احتیاط سے الگ کر رہے تھے۔

UUNOVELS.COM

"پاؤں تو بالکل ٹھیک ہے آپ کا، پھر یہ اتنی لمبی چوڑی پٹی کیوں باندھے پھر رہے تھے۔"
ڈاکٹر شارق کی متعجب زوردار آواز پہ وہ چونکی ورنہ پاؤں تو وہ بھی ٹھیک دیکھ ہی چکی تھی۔
"کس پاگل نے یہ ڈریسنگ کی تھی؟ کہاں ہے درد؟" پاؤں کو باقاعدہ ہلا جلا کر دیکھتے ہوئے ڈاکٹر شارق نے جھنجھلاتے ہوئے پوچھا۔ "یہ سوجن ہے نہ درد ہے تو پھر یہ ڈریسنگ کیوں کروا رکھی تھی بھئی؟ چلو اترو۔ چل کر دکھاؤ۔ یہ ڈھونگ کیوں رچایا ہوا ہے؟ مسئلہ کیا ہے تمہارا.....؟"
جواب میں وہ شخص آبدیدہ ہو گیا۔ "وہ جی غریب آدمی ہوں چھوٹے چھوٹے بچے ہیں باجی جی کے گڈی سے سٹھ (چوٹ) لگی تھی باجی جی نے بڑا خیال کیا۔"
"ہاں تو باجی جی نے خیال کیا پر آگے کیا ہوا وہ بتاؤ..... وہ ٹیسٹ کس نے لکھ کر دیے تھے؟" ڈاکٹر شارق کے سوال پہ کمرے میں ایک مرتبہ پھر ہولناک سناٹا چھا گیا۔
"وہ جی کسی نے بھی نہیں۔" وہ بلک اٹھا۔
"اب تک کتنے پیسے بٹور چکے ہو باجی جی سے؟" اسفند کی آواز پہ اس نے اس شخص کو اپنے دونوں ہاتھ جوڑتے سسکتے ہوئے دیکھا۔
"پچاس ہزار جی....."
اور کمرے میں روبوٹ بنے کھڑے اسے لگا۔ رشید احمد کے بجائے اس کا جرم ثابت ہو گیا ہو۔
"اور اب ٹیسٹوں کے کتنے اور لینے تھے۔"
"تیس ہزار۔"
"یہ تو سیدھا پولیس کیس ہے سر! نوسر باز ہے یہ شخص۔" ڈاکٹر خرم نے مزید معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔
خیر اسے پولیس کے حوالے کیا کرنا تھا، ترس کھا کے ڈرا دھمکا کے چھوڑ دیا۔
"ہوتا ہے، کبھی کبھی ہمدردی گلے پڑ جاتی ہے۔" ڈاکٹر شارق ان لوگوں کو ہسپتال کی پارکنگ تک چھوڑنے آیا تھا۔ اگلی دفعہ ایسے ڈھونگیوں کو ذرا صحیح کی ٹکر مارے گا۔" ہنستے ہوئے وہ شاید اس ڈری سہمی سی لڑکی کا مورال (حوصلہ) بڑھانے کی خاطر کہہ رہا تھا..... اور اس کا تو یہ حال تھا کہ کاٹو تو جسم میں لہو نہیں اس کی ہمدرد طبیعت اسے اس طرح رسوا کرے گی ایسا تو اس نے کبھی سوچا نہ تھا سارا راستہ رخ موڑے اندر ہی اندر آنسو پیتی رہی۔
"اترنا نہیں ہے کیا؟" اسفند کی آواز پہ اس نے چونک کر بھی اس کی طرف نہ دیکھا اپنی سرخ آنکھیں دکھانے کی ہمت ہی نہیں تھی..... اور نہ ہی کچھ کہنے سننے کی..... یونہی رخ موڑے فہد لوگوں کے گیٹ کے سامنے گاڑی سے اتر گئی۔
وہ تو پہلے ہی نیچے کم کم جایا کرتی تھی اس واقعہ کے بعد تو بالکل ہی اوپر کی ہو کے رہ گئی کیسے ایک عام سے ان پڑھ آدمی کے ہاتھوں الو بنی تھی اس دل خراش حقیقت کو تسلیم کرنا جتنا جان لیوا تھا اتنا ہی اس واقعہ کو بھلانا اس کی ساری مصروفیت مما کو اسکول چھوڑنا اور واپس لے کر آنے تک ہی محدود ہو کے رہ گئی تھی۔
تنگ آ کے اس نے جاب کے لیے اپلائے کرنا شروع کر دیا دبئی کی ایک ملٹی نیشنل کمپنی سے اسے جاب کی آفر ہوئی تھی۔
وہ سارے اغراض و مقاصد جن کو پلکوں پہ اٹھائے وہ پاکستان آئی تھی پورے ہوتے نظر نہیں آ رہے تھے یا شاید اس نے کچھ زیادہ ہی محسوس کر لی تھی اپنی کمزوری..... ناعاقبت اندیشی یا صرف محرومی بابا کی ساتھ نہ ہونے کی محرومی.....
سنو پلکوں پہ جتنے خواب تھے ان کو اٹھا لینا
میری آنکھوں پہ ان کا بوجھ میری طاقت سے بھاری ہے
سنو آنکھوں سے پڑھ لینا وہ ساری ان کہی باتیں
کوئی پوچھے تو کہہ دینا بہت سی راز داری ہے
☆☆☆
اگلا دن چھٹی کا تھا مما کو اسکول کے سالانہ فنکشن میں شرکت کے لیے چھوڑ کر آتے راستے ہی میں ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی اپنے گھر کو جاتی

سیڑھیوں کے جنگلے پہ جھکے وہ کتنی دیر تک دونوں گھروں کے لان تیز ہوا اور پھوار کے زور سے لہلہاتے اٹکھیلیاں کرتے خوش نما پھولوں کا نظارہ کرتی رہی۔

آج اس کا بڑے دنوں بعد دل چاہا کہ کھڑکی کے سارے پردے ہٹا کے موسم کا نظارہ کرآئے پھر اٹھ کر کتابوں کے ریک سے اپنا سودفعہ پڑھا ہوا ناول بھی اٹھا لائی حالانکہ اس ناول کو پڑھنے کی کوئی ضرورت تو نہیں ہونی چاہیے تھی، اسے ایک ایک لائن ایک ایک پیراگراف ازبر تھا ہلکی پھلکی نوک جھونک لیے یہ ایک مزاحیہ قسم کا رومینٹک ناول تھا ناول کا مزہ مزید بڑھانے یا دوبالا کرنے کے لیے کافی بھی بنائی گئی۔ ابھی کاؤچ پہ دراز بھی نہ ہو پائی تھی کہ بیرونی دروازے پہ دستک سنائی دی فارہ یا میرال ہلکی سی دستک کے بعد خود ہی چلی آتی تھیں شاید حامد یا گل بی بی ہوں سوچتے ہوئے دوپٹہ سنبھالتے اس نے دروازے کا ہینڈل دبایا اور شکر تھا کہ کافی چھلک کے گری نہیں باہر اسفندیار کا ہونا اتنی بھی حیران کن بات نہ تھی۔

اسے حیرت میں ڈالنے والی چیز اس کے چہرے کا احاطہ کیے مبہم سی مسکراہٹ تھی..... ان چھ مہینوں میں اسے بغیر کسی استہزاء کے مسکراتے وہ پہلی بار دیکھ رہی تھی لیکن لگ رہا تھا زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھ رہی ہو۔ سلام کا جواب دیتا راہداری سے گزرتا وہ لاؤنج تک آ گیا اور وہ قمیص کی سلوٹیں درست کرتی متحیر سی اس کے پیچھے۔

"ہوں تو موسم انجوائے کیا جارہا ہے۔" اس کی نگاہیں کاؤچ کے ایک کونے پہ اوندھا کر کے رکھے ہوئے ناول پر سے ہوتی ہوئی شیشے کے پار برستی رم جھم پہ ٹھہر گئیں۔

"آپ کافی پئیں گے؟" اس نے ہاتھ میں ابھی تک کافی کا مگ پکڑا ہوا تھا۔ اس لیے رسماً پوچھنا تو تھا۔

"نہیں تم پیو۔" کہتا ہوا وہ کاؤچ پہ دراز ہوگیا اس طرح کہ اس کا رخ کاؤچ کے ایک سرے پہ کھڑی لیہا کی طرف تھا اور دائیں طرف شیشے کے پار برستے بادل۔

"تم بھی بیٹھو۔" اس کے کہنے پہ وہ کاؤچ کے دوسرے سرے پہ ٹک گئی ہوں کہ اس کا منہ اسفندیار کی طرف نہیں بلکہ سامنے رکھے ڈائننگ ٹیبل کی طرف تھا۔

"تو آج کل کیا کر رہی ہو۔" اس نے ایسے پوچھا کہ جسے نجانے کتنے اچھے مراسم یا کتنی گہری یگانگت رہی ہو دونوں کے بیچ۔ اسے حیرت تو ہوئی پر اس بے تکلفی کی وجہ سمجھ نہ آئی۔

"کچھ نہیں۔" کہتے ہوئے اس کے چہرے پہ واضح تحیر درج تھا۔

"آگے کیا ارادہ ہے بیبہ.....؟ کوئی جاب وغیرہ کرنا چاہتی ہو یا مزید آگے پڑھنا چاہتی ہو۔" معاً اس کی الجھن کا سرا سامنے لاؤنج میں لہرایا..... ان صاحب کے آنے کا مقصد سمجھ آچکا تھا۔

"ہاں سوچ تو رہی ہوں کہ جاب کرلوں۔" نپا تلا سا جواب دے کے ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کے وہ اپنے آپ کو اس کے ممکنہ لیکچر کے لیے تیار کرنے لگی کمر کے ساتھ ساتھ گردن بھی غیر اختیاری طور پہ ذرا سی اکڑ گئی۔

"دیکھو بیبہ! اگر تمہیں جاب ہی کرنی ہے تو تم میرا آفس جوائن کرسکتی ہو۔"

سو فیصد یہی مما جان کی خواہش تھی جس کا تذکرہ وہ آج کل کچھ زیادہ ہی کرنے لگی تھیں۔ یا اللہ کیا دوستی ہے کیا ہم آہنگی ہے خالہ بھانجے کے مابین خالہ تو نجانے کس وجہ سے بھانجے پہ فدا تھیں پر بھانجے کی بھی جانثاری کا یہ عالم تھا کہ اپنا غصہ رعب دبدبہ ناک بھوں چڑھانے سب پس پشت ڈال کر اتنا میٹھا بول رہا تھا گویا شہد آٹومیٹک طریقے سے منہ میں ٹپک رہا ہو۔

"مجھے آپ کے آفس میں کام نہیں کرنا۔" اس نے سوچا نہ تھا کہ اتنے دوٹوک انداز میں بات کرے گی جتنے سپاٹ طریقے سے یہ الفاظ اس کے منہ سے نکلے تھے۔

JUNOVELS.COM

دوسری طرف ادھر بھی اچانک ابھرتی پراسرار مبہم سی مسکراہٹ کے ساتھ آنکھوں میں شرارت کے کونڈے لپکے تھے وہاں بھی لگائے گئے کچھ اندازے بالکل صحیح ثابت ہوئے تھے۔

"میرا خیال ہے تم ابھی فی الحال کوئی ملازمت شروع نہ کرو۔"

مسکرانے کا شغف فرمانے کے بعد وہ سنجیدگی سے شروع ہوا۔

"میرا مطلب ہے، ابھی تمہیں ضرورت کیا ہے جاب کرنے کی؟ دیکھو ایسا ہو سکتا ہے، تمہیں میری باتیں بری لگیں..... لیکن تم ابھی پڑھتی ہوئی آ رہی ہو ابھی تم نے بیچلرز کیا ہے۔ ابھی ایک ٹیمپو بنا ہوا ہے جاب ایک ذمے داری کا نام ہے ایک بالکل مختلف ماحول ہے..... تم ایک دفعہ پڑھائی چھوڑ کے جاب کرنے لگ جاؤ گی تو دوبارہ پڑھائی کرنا بہت مشکل ہو جائے گا تمہارے لیے، کیونکہ بریک آ جائے گا۔ تسلسل نہیں رہے گا..... ہاں تم یہ ضرور کر سکتی ہو کہ کچھ عرصہ کے لیے میرا آفس جوائن کر لو۔ اپنی مرضی کے ٹائمنگز میں دو چار گھنٹے کے لیے آفس آ گئیں، تمہارا جاب کرنے کا شوق بھی پورا ہو جائے گا جب ماسٹرز کے ایڈمیشن ہوں گے تو تم اپلائی کر دینا!"

بات معقول تھی لیکن ابھی بھی اسے دال میں کچھ کالا ہی نظر آ رہا تھا۔ اس کی چھٹی حس کم از کم اس شخص کے بارے میں صحیح سگنلز دیتی تھی اور ابھی بھی اس سے بچنے کے ہی اشارے موصول ہو رہے تھے۔

"ہوں....." کہہ کر وہ گود میں ہاتھ دھرے بیٹھی رہی۔ اپنے چہرے پہ محسوس ہوتی نگاہیں بری طرح دل دھڑکا رہی تھیں۔

"اب تک جو بھی ہوا ایہا! میں اس اپنے آپ کو قصوروار سمجھتا ہوں۔" بادلوں کی گرج چمک سے زیادہ اس جملے نے بجلی گرائی تھی..... بے اختیار چونک کے اس نے اسفندیار کو دیکھا۔

"تمہارے لیے یہ ماحول نیا تھا..... تم دبئی میں کس طرح رہی ہو، ظاہر ہے مجھے اس کا بہت زیادہ اندازہ نہیں تھا میں اگر چاہتا تھا کہ تم اپنی سرگرمیوں کو محدود رکھو تو صرف اس لیے کہ تمہیں کسی قسم کے نقصان کا سامنا نہ کرنا پڑے..... لیکن یہ جو آخری واقعہ ہوا ہے میں تمہیں چاہتا اس قسم کا مسئلہ دوبارہ پیش آئے۔ میری مراد اس خوف اس ڈر سے ہے، جس کی وجہ سے تم نے پورا واقعہ چھپایا اب میں تمہاری طرف سے کوئی رسک نہیں لینا چاہتا..... میں چاہتا ہوں تمہیں اس بات کا یقین ہو کہ تم اپنوں میں ہو، اگر تمہارے ساتھ خدانخواستہ کچھ مسئلہ ہو تو..... میں۔ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں تم اکیلی نہیں ہو اور میں کوشش کروں گا کہ تم یہاں سیکیور محسوس کرو قید نہیں..... ٹھیک ہے۔" بہت رسان سے سمجھاتا وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔ وہ جواب کس بات کا دیتی، وہ تو شاید لفظوں کے سحر میں قید ہو چکی تھی۔

"بہت دفعہ میں تم سے مرعوب ہوتے ہوئے بھی تمہیں سراہ نہیں سکا..... شاید یہ ہمارا المیہ ہے ایہا کہ ہمارے معاشرے کا مرد عورت کی خوب صورتی پہ فدا ہونے میں کوئی عار نہیں سمجھتا لیکن اسی عورت کی ذہانت، قابلیت اور صلاحیتوں کو سراہنا اس کے لیے کافی مشکل ہوتا ہے تم اچھی سوچ اور مضبوط قوت ارادی کی حامل بہت اچھی لڑکی ہو۔ ایسا تمہاری حوصلہ افزائی کرنے کی ضرورت تھی نہ کہ ڈرا دھمکا کے ہراساں کرنے کی کہ تم سب سے کٹ کے بیٹھ جاؤ۔"

ایسے ہی چند تعریفی جملے سالوں تک اس کے حواسوں پہ چھائے رہے تھے، اس کی اولیول کی چھٹیاں تھیں۔ جب اسفند انگلینڈ جاتے ہوئے ایک دن کے لیے دبئی آیا تھا وہ اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے چار پانچ کارڈز رائٹنگ ٹیبل پہ پھیلائے ان پہ نام لکھ رہی تھی۔

"یہ تم نے بنائے ہیں؟ ان پہ تم نے لکھا ہے؟ یہ تمہاری رائٹنگ ہے ایہا! کتنی خوب صورت رائٹنگ ہے تمہاری۔" وہ باری باری ان کارڈز کو اندر باہر سے کھول کر حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"بابا بھی کہتے ہیں میری رائٹنگ بالکل مما کے

JUNOVELS.COM

جیسی ہے۔'' اتنی تعریف پہ اس نے بتانا ضروری سمجھا پھر اٹھ کے سامنے دیوار پہ لگی شیلف میں سے ایک نوٹ بک نکال کر کھولتے ہوئے اس کے سامنے کی۔

''یہ دیکھیں۔''

''ہاں خالہ کی بھی اچھی ہے وہ ایک نظر نوٹ بک پہ لکھے پیراگراف پہ ڈال کے دوبارہ کارڈز پہ متوجہ تھا، لیکن تمہاری تو لگتا ہے جیسے موتی پروئے ہوئے ہوں اور یہ تم نے خود لکھا ہے؟'' لفظوں کے مفہوم پہ دھیان دیتا کارڈ پہ لکھی نظم پڑھتا ہوا وہ ٹیبل کی ساتھ رکھی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ ہاتھوں میں پکڑے ان کارڈز کو ستائشی نظروں سے دیکھتے بس لمحہ بھر کو یونہی سر جھکائے جھکائے اس نے نظروں کا زاویہ بدلہ..... اسے دیکھا وہ متحیر، پرشوق استعجابی نگاہیں آج بھی اس کے دل پہ نقش تھیں اسے آج بھی یاد تھا..... اس کا دل بری طرح دھڑکا تھا وہ پہلی مرتبہ اس کے رعب میں آئی تھی اور آج تک قید تھی۔

''تم ابھی بھی کارڈز بناتی ہو۔'' اس کا دل اچھل کے حلق میں آ گیا اور دھم دھم کر کے کان پھاڑنے لگا۔ ''میں تو انتظار ہی کرتا رہا کہ کبھی تم مجھے بھی اپنے ہاتھوں سے کوئی کارڈ بنا کے بھیجو گی۔ اپنی خوب صورت رائٹنگ میں کچھ میرے لیے بھی لکھو گی۔''

اس کے دل کے بے ہنگم سازوں سے بے خبر وہ شکوہ کناں تھا۔ ''چلتا ہوں، اب تم بھی نیچے آ جاؤ۔ دیکھو میرال لوگوں کا کیا پروگرام ہے..... موسم تو کہیں جانے والا نہیں ہے۔ تم مت جانا خالہ کو لینے۔ میں لے آؤں گا۔'' شیشے کے پار برستے بادلوں پہ ایک نظر ڈالتے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆

جاتی سردیوں کی اداس شاموں کے بعد بہار کا سندیسہ لیے۔ دن خوش گوار اور حسین ہو چلے تھے اور ٹھیک ایک ہفتہ بعد وہ اسفند کے ساتھ نعیمہ آنٹی کے گھر جا رہی تھی۔

''بور ہو رہی ہو تو میوزک لگا لو۔'' چپ چاپ ڈرائیو کرتے وہ شاید خود بھی بور ہو گیا تھا۔

''نہیں، ٹھیک ہوں۔'' آس پاس سے گزرتی گاڑیوں پہ نظر ڈالتی وہ بولی۔

''اس دن آپ بات کر رہے تھے ناں..... ہمارے معاشرے کے مردوں کی سوچ کے بارے میں۔'' وہ آہستہ سے تمہید باندھتی شروع ہوئی۔

وہ بے اختیار ہنس پڑا۔ ''ایک ہفتہ سے تم یہی سوچ رہی ہو۔''

''نہیں، میں بس یہی سوچ رہی تھی کہ عورتیں ایسا کیا کریں کہ مرد ان کے بارے میں اپنی سوچ پوزیٹو رکھیں۔ ان پہ ٹرسٹ کریں؟''

''ہوں..... سوچ تو ماحول کے زیر اثر ہی پروان چڑھتی ہے جہاں مردوں کو چاہیے کہ خواتین پر اعتماد کرتے ہوئے انہیں تعلیم اور ترقی کے مواقع فراہم کریں ان کی صلاحیتوں پہ انہیں کھلے دل سے سراہیں وہیں عورتوں کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی آزادی کا..... اس اعتماد کا جو ان پر کیا جاتا ہے ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں.....''

''عورت ہو یا مرد ہر ایک تو اپنا محاسبہ خود کرنا چاہیے اب چاہے وہ غیرت کا حامل جاہل بھائی ہی کیوں نہ ہو جو ذرا سی غلطی پہ اپنی بہن کو قتل کر ڈالے یا فیشن کے نام پہ بے حیائی کو پروموٹ کرنے والی خواتین! اب میرے آفس میں کام کرنے والی خواتین کو میں یا دوسرے مرد حضرات تو نہیں کہتے کہ آپ اپنا دوپٹہ گھر رکھ کے آ جائیں۔''

گفتگو کچھ زیادہ ہی سنجیدہ ہو چلی تھی، اس نے دوبارہ شیشے کی طرف رخ کر لیا۔ کچھ دیر تک دونوں میں سے کوئی بھی نہ بولا۔

''تمہیں دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ بابا اور ہم بھائیوں کے لاڈ پیار نے میرال کو کافی حد تک بگاڑ دیا ہے۔ ابھی تک تو ہم لوگ اس کی تقریباً ہر خواہش پوری کرتے رہے ہیں، نہ مانیں تو ایک طوفان سر پہ اٹھا لیتی ہے۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں، آگے جا کے کہیں مشکل نہ ہو جائے۔'' اس کے لہجے میں بھائیوں والی فکر اور پیار امنڈ آیا تھا۔

UUNOVELS.COM

"تو پھر.....؟" بلا ارادہ ہی اس کے منہ سے نکل گیا۔

"تو پھر کیا..... پھر فہد کی جان کھایا کرے گی۔" وہ ہنسا۔

وہ بھونچکا سی رہ گئی۔ اس کے منہ سے وہ ایسی بات کی توقع نہیں کر سکتی تھی دو تین باتوں میں ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ شخص کوئی بھی بات اٹھا کے منہ پہ مار سکتا ہے۔ بہن اس کی تھی اور شرم اسے آ رہی تھی۔

اس نے بھی شاید اس کی شرم اور گریز کو محسوس کر لیا تھا تبھی کہنے لگا۔ "ارمغان کی شادی کے بعد ہمارا ارادہ ہے کہ میرال کی کم از کم منگنی کر دی جائے۔

"فہد سے.....؟" استفہامی انداز میں اس کے منہ سے اچانک نکلا..... اور کہنے کے بعد اسے اپنی حماقت کا اندازہ ہوا۔

"اور نہیں تو کس سے....." اس نے ایک سپاٹ سی نظر اس پہ ڈالی جیسے اتنے احمقانہ سوال کی امید نہ ہو۔

☆☆☆

تقریباً چار مہینوں بعد وہ نعیمہ آنٹی کے گھر آئی تھی۔ ابھی وہ لوگ پہنچے ہی تھے کہ اسفند کے موبائل پہ فہد کا میسج موصول ہوا کہ وہ لوگ بھی آ رہے ہیں اور فہد کے ساتھ ساتھ فارہ اور میرال کو دیکھ کے اسے بہت حیرت ہوئی۔ صبح تک تو انہوں نے یہاں آنے کا ذکر تک نہیں کیا تھا۔

"یہاں آنا تھا تو مجھے بھی بتا دیتے۔ میں بھی تم لوگوں کے ساتھ ہی آ جاتی۔" اس نے فارہ کو دیکھتے ہی کہا۔

"بس یار! اچانک ہی پروگرام بن گیا۔" فارہ چارپائی پہ ڈھیر ہوتی ہوئی بولی۔ وہ لوگ آج اوپری منزل پہ تھے۔ نیچے کاریگر کچن کا کام کر رہے تھے۔ نعیمہ آنٹی کا کام کافی بڑھ گیا تھا جس کی وجہ سے کچن چھوٹا پڑتا تھا۔

"بھائی! مجھے تو آپ پھوپھو کے گھر کبھی لے کر نہیں آئے مجھے بھی اپنے ساتھ لے آتے۔" میرال نے بھی بھائی کو پہلے سے موجود دیکھ کر انوکھا سا شکوہ کیا۔

"کیا مصیبت ہے بھئی۔" فہد جھنجھلا اٹھا۔ "ایک اس غم میں مبتلا ہے کہ ہمارے ساتھ کیوں نہیں آئی..... جو ہمارے ساتھ آئی ہے۔ اسے یہ دکھ ہے کہ تمہارے ساتھ کیوں نہیں آئی۔ واپسی پہ اپنے اپنے گروپ بدل لینا۔"

"جو جیسے آیا ہے، ویسے ہی جائے گا۔" اسفند نے منڈیر پر سے نیچے کام کرتے کاریگروں پہ نظر ڈالتے قطعی انداز میں کہا۔

"اور تم تو کبھی خوش نہ ہونا بھائی کی چمچی!" آخر میں فہد نے اپنا غصہ میرال پہ نکالا۔ "تمہاری فیورٹ آئس کریم بھی کھلائی تمہیں راستے میں۔"

"ہاں تو بھائی کے ساتھ آتی تو وہ شاپنگ بھی کراتے ناں۔" میرال کہاں چپ رہنے والی تھی۔

"تو شاپنگ تو تم نے بھی کی تھی۔" فارہ بھی اپنے بھائی کی حمایت میں بلک کے بولی۔

"ہاں تو بھائی کے ساتھ آتی تو وہ اپنے پیسوں سے کراتے ناں۔" اسفند کا قہقہہ بلند ہوتا چلا گیا۔

"ہنس لو..... ہنس لو۔" فہد جل کے بولا۔ "مجھے تو لگتا ہے۔ کسی سوچی سمجھی سازش کے تحت تم لوگ اسے بگاڑ رہے ہو تا کہ احسن اینڈ سنز کا دیوالیہ نکل جائے۔" اسفند ہنستا چلا گیا۔ "اور خود کی نظر تو زمانے بھر کی کفایت شعار پہ ہے، اپنی نیا پار لگانے کے لیے ایسے اقدامات اور دوسروں کا بھلے سے بیڑا غرق ہو جائے۔"

"اپنی اپنی قسمت ہے۔ کیا کر سکتے ہیں۔" فہد کے جلے کٹے جملوں کو جی بھر کے انجوائے کرتے اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

نعیمہ آنٹی کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا، اسے تو آج پتا چلا کہ اسفند کا تو یہاں آنا جانا لگا ہی رہتا ہے۔ نعمان جو سیدھے منہ کسی سے بات نہیں کرتا تھا، اسفند سے خاصا بے تکلف تھا کہ نعمان یونیورسٹی میں فارہ کا کلاس فیلو رہ چکا ہے۔ اس بات کا بھی آج ماریہ کی

UUNOVELS.COM

زبانی پتا چلا۔

"حد ہے ..... فارہ نے کبھی ذکر بھی نہیں کیا....." اسے تو پورا خاندان ہی سرپرائز لگتا تھا۔ اندر برآمدے میں موجود ڈیپ فریزر میں سلیقے سے رولز کباب اور نگٹس وغیرہ کے پیکٹس دیکھ کر اسے یہ تو اندازہ ہو ہی گیا تھا کہ اللہ کے فضل سے نعیمہ آنٹی کا کام اچھا جا رہا ہے۔

"ویسے پھوپھو آپ کے اس کام سے ہمیں بھی فائدہ ہوا ہے۔" آنٹی کے ہاتھ کے بنے رولز اور کباب پہ ہاتھ صاف کرتے میرال نے بھی اپنے مطلب کی بات کی۔ چارپائی اور کرسیوں پہ بیٹھے چائے پیتے عثمان انہیں مختلف چیزوں کے آڈرز کے بارے میں بتانے لگا کہ اسکول میں کیا سپلائی کرتے ہیں اور بیکری میں کس چیز کی زیادہ ڈیمانڈ ہے، شکر تھا کہ بتاتے وقت وہ اس کام کی ہسٹری کی طرف نہیں گیا نہ ہی اس نے بتایا کہ یہ کس کا آئیڈیا تھا۔

اس چھوٹے سے گھر کی چھت پہ کھلے آسمان کے نیچے یوں چارپائیوں پہ بیٹھے چائے پینا اسے ایک دم ہی بہت خالص سا لگا۔ کسی بھی قسم کی بناوٹ اور تصنع سے پاک، سادہ، مخلص اپنائیت بھرا..... ماحول میں رچی بسی آس پاس کے گھروں سے اٹھتی سالن بھوننے، روٹی پکانے کی خالص گھریلو خوشبو اس نے طمانیت بھری سانس لیتے ہوئے اپنے اندر اتاری۔

"ویسے آپ لوگوں نے بہت کم ریٹ رکھے ہیں۔ آپ چاہیں تو اپنے ریٹ بڑھا بھی سکتی ہیں۔" اپنے موبائل پر کیلکولیٹر کھولے شرح منافع کا اندازہ لگاتے فہد شاید برآمدے میں عارضی طور پہ بنائے چھوٹے سے کچن میں مصروف نعیمہ آنٹی سے مخاطب تھا۔

"میں بھی یہی کہہ رہا تھا امی سے۔" عثمان نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"بیٹا! ہمیں ابھی بھی کافی بچت ہے۔" گرما گرم سموسے سامنے رکھتے نعیمہ آنٹی نے وہیں سے جواب دیا۔

"ٹھیک کر رہی ہیں آپ آنٹی۔ اگر آپ کو مناسب منافع ہو رہا ہے..... تو ضرورت کیا ہے ریٹ بڑھانے کی۔" لیہا نے بھی ان کی تائید کی۔

"لو یہ کیا بات ہوئی ..... فہد کو اس کی منطق سمجھ میں نہ آئی۔ "آپ کی چیز ہے، آپ جتنا مرضی مہنگا بیچیں آپ کا حق ہے۔ اگر آپ کو زیادہ منافع مل رہا ہے تو اس میں برائی کیا ہے۔"

"مناسب منافع ہی لینا چاہیے۔" محکم انداز میں کہتے ہوئے وہ اپنی پلیٹ میں چمچ ڈالنے لگی۔

"یہ کہاں لکھا ہے؟" فہد چڑ کے بولا۔

"کہاں لکھا ہے کا تو نہیں پتا پر انسانیت کا تو پتا ہے..... یہ تو پتا ہے کہ جیسا اپنے لیے سوچو ویسا ہی دوسروں کے لیے سوچو..... جب ہم اپنے لیے چاہتے ہیں کہ اچھی چیز مناسب دام میں مل جائے..... تو دوسروں کے لیے بھی تو ایسے ہی سوچنا چاہیے آنٹی آپ ایک طرح سے لوگوں کی مدد ہی کر رہی ہیں، اچھی اور معیاری چیز مناسب دام میں مہیا کر کے۔" وہ آرام سے کہہ کر چمچ کھانے لگی۔

"ویسے لیہا! تم کہیں نہ کہیں سے کوئی بھلائی کا پہلو نکال ہی لیتی ہو..... فارہ نے کھلے دل سے اس کی تعریف کی..... میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ اس طرح کام کے ذریعے ثواب بھی کمایا جا سکتا ہے۔"

"کہیں تمہارا بھی تو کوئی ایسا ثواب کمانے کا ارادہ نہیں فارہ؟" میرال نے اسے شرارت سے دیکھا۔

"کیوں نہیں ..... پھوپھو! میں آج کل فری ہی ہوں اگر آپ کو میری ضرورت ہو تو میں آ جایا کروں گی آپ کی ہیلپ کے لیے۔" بھاپ اڑاتے سموسے کو توڑتے فارہ نے بڑی محبت سے اپنی خدمات پیش کر دیں تو نعیمہ آنٹی ہنسنے لگیں۔

"ارے بیٹا! کام کا کوئی مسئلہ نہیں ہے..... تم ویسے ہی آ جاتی ہو تو دل خوش ہو جاتا ہے۔"

"اپنے گھر میں یہ ایک چائے کا کپ تک نہیں بناتی ..... اور یہاں آ کے یہ سموسے پکوڑے بنائے

UUNOVELS.COM

گی؟ سن رہے ہو بڑے بھائی؟'' فہد نے اسفند کو پکارا جو چپ چاپ بیٹھا ان لوگوں کی نوک جھونک سن رہا تھا۔

واپسی پہ وہ تینوں اسفند کے ساتھ تھیں اور جب سے وہ لوگ نکلے تھے، نعیمہ آنٹی ہی کے بارے میں باتیں ہو رہی تھیں۔

''ویسے بھائی! آپ تو بابا کو راضی کر سکتے ہیں۔ ایک ہی تو ان کی بہن ہیں، وہ اس سے بھی نہیں ملتے۔'' پرامید نظروں سے اسفند کو دیکھتی میرال پھر سے شروع ہو گئی۔

''پتا ہے، مجھے لگتا ہے۔ ماریہ کو بھی بہت شوق ہے ارمغان بھائی کی شادی میں آنے کا..... مجھ سے مہندی، مایوں کے فنکشن اور کپڑوں کے بارے میں اتنا انٹرسٹ لے کر پوچھ رہی تھی۔ کاش ارمغان بھائی کی شادی سے پہلے صلح ہو جائے۔ ہے ناں۔'' اپنی بات کے اختتام پہ اس نے رائے جاننے کے لیے پیچھے مڑ کے اسے اور فارہ کو دیکھا۔

''میرا خیال ہے، ہم سب کو پہل کے خالہ اور خالو سے بات کرنی چاہیے۔'' میرال کی بات کے جواب میں پرسوچ انداز میں کہتے اس کی نظریں سامنے شیشے میں اسفند سے ٹکرائیں۔

''ابھی فی الحال تم یہ کوشش نہیں کرنا۔'' اسفند نے سامنے شیشے ہی میں اسے دیکھتے قطعی انداز میں سنجیدگی سے کہا۔

''لو ایک تو خود بھی کوئی کوشش نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی منع کر رہے ہیں۔'' اس کے بجائے ساتھ بیٹھی فارہ نے زیادہ برا مانا۔

شام کا وقت تھا، چھوٹے سے تنگ سے بازار میں بے شمار گاڑیاں رک رک کے چل رہی تھیں۔

''یہ دیکھو لیہا! کتنا چھوٹا بچہ ہے..... اور بے چارہ اتنی ٹھنڈ میں برتن دھو رہا ہے۔'' میرال کے کہنے پہ اس نے بھی سڑک کے کنارے ہلکے سے اڑے اڑے رنگ کی قمیص پہ چھوٹا سا بغیر آستین کا سوئیٹر پہنے اس سات آٹھ سال کے بچے کو دیکھا جو اپنے سے دوگنے سائز کا دیگچہ نل کے نیچے رکھے اسے مانجھنے کی جدوجہد میں مصروف تھا۔ رش کی وجہ سے سست روی سے چلتی گاڑی سے وہ لوگ واضح طور پہ اس کے نل کے چھینٹوں سے گیلے ہوتے پائنچے اور بغیر جوتوں کے چھوٹے چھوٹے سے نیلے پڑتے ٹھٹھرتے بھیگتے پاؤں دیکھ سکتے تھے۔

''بھائی! اس بچے کو پلیز کچھ پیسے دے دیں۔''

''ابھی گاڑی چھوڑ کے کیسے نکل سکتا ہوں میرال..... پیچھے دیکھو، ہارن پہ ہارن پڑ رہے ہیں۔'' اسفند بھی مشکل سے گاڑی نکال رہا تھا، جگہ ہی اتنی تنگ تھی۔ گاڑی تھوڑا آگے بھی ہوئی تب بھی وہ تینوں گردن موڑے اسی بچے کو دیکھتی رہیں۔

''کیا ہے بھائی..... ! آپ کچھ پیسے دے ہی دیتے اسے۔'' میرال اپنے سے لمحہ بہ لمحہ دور ہوتے بچے کو دیکھتے ہوئے آزردگی سے بولی۔

''کتنے پیسے دے دیتے اسے میرال؟ سو، دو سو، پانچ سو، ایک ہزار؟ کیا ہوتا ان پیسوں سے؟ دو یا تین وقت کا کھانا کھا لیتے اس کے گھر والے۔ آنا تو اس نے پھر بھی یہاں ہی تھا ناں کام کرنے..... اس کا مستقبل، اس کا حال کچھ بھی نہ بدلتا۔'' لیہا نے پتا نہیں اس کی افسردگی کم کی تھی یا بڑھائی تھی۔

''بہت افسوس ہوتا ہے ان لوگوں کو اسپیشلی بچوں کو دیکھ کے۔ ہماری حکومت ان بچوں کے لیے کچھ کیوں نہیں کرتی۔'' فارہ کو بھی دکھ ہوا۔

''کوئی بھی کچھ نہیں کرتا۔'' آہستگی سے کہہ کر وہ شیشے کے پار دیکھنے لگی۔

گھر پہنچ کے گاڑی سے اتر کے فارہ اور میرال کے ساتھ وہ بھی اندر جانے لگی تو اسفند نے اسے پورچ میں ہی روک لیا۔

''بات سنو لیہا..... ! ابھی امی سے کسی قسم کی کوئی بات نہیں کرنا نعیمہ آنٹی کے حوالے سے۔'' اس کا انداز بہت ہی سنجیدگی لیے ہوئے تھا۔

''ٹھیک ہے۔'' آہستہ سے کہہ کر وہ جانے لگی تو وہ بھی گاڑی لاک کر کے اس کے ساتھ چلنے لگا۔ ''مجھے

UUNOVELS.COM

صحیح سے تو علم نہیں پر میرا خیال ہے، بابا کی ناراضی کے علاوہ امی کا بھی کوئی پرانا اختلاف ہے نعیمہ آنٹی سے، جس کی وجہ سے وہ ان لوگوں سے تعلق نہیں رکھنا چاہتیں اور میں نہیں چاہتا، تم کسی قسم کی بحث میں پڑ کے امی سے الجھو، امی تمہیں بہت پسند کرتی ہیں اور میں نہیں چاہتا تمہارے اور امی کے درمیان کوئی اختلاف پیدا ہو۔۔۔ ایک تو تم بھی ذرا ضدی طبیعت کی ہو اور امی کا دل اگر کسی سے برا ہو جائے تو پھر وہ بندہ چاہے سونے کا بھی بن جائے، امی کے دل پہ نہیں چڑھتا۔ میں نہیں چاہتا۔ امی پہ تمہارا امپریشن خراب ہو۔" وہ پتا نہیں اسے کیا سمجھانا چاہ رہا تھا۔

"کیا صرف اپنا امپریشن اچھا رکھنے کے لیے ہمیں خود کو صحیح اور سچی بات سے روک لینا چاہیے؟" اس نے اسفند کی پوری بات سن کے آہستہ سے کہا۔

"میں صرف چند دن کی بات کر رہا ہوں لیہا! زندگی بھر کی نہیں۔۔۔ بعد میں، میں خود یا ہم دونوں مل کے بات کر لیں گے۔"

کہتا ہوا وہ بیچ کے چھوٹے سے دروازے پر آ کے آگے بڑھ گیا اور وہ دروازہ کھول کے دوسرے لان میں نکل آئی۔

☆☆☆

اس نے سوچا تو یہی تھا کہ جتنے قطعی اور تنبیہی انداز میں اسفند نے اسے اس قصے سے دور رہنے کو کہا ہے، وہ خالہ یا مما سے کوئی بات نہیں کرے گی۔ جب آٹھ مہینوں میں اس مسئلے پہ بات نہ کر کے کوئی آسمان نہیں ٹوٹا تو چند دن اور انتظار کرنے میں کیا حرج تھا۔

پر اس دن خالہ کے کمرے میں مما اور میرال کے ساتھ حرا کے لیے کی گئی شاپنگ دیکھتے ہوئے اس کے کامدانی سوٹ کو تہہ کرتے پتا نہیں میرال کے دل میں کیا سمائی کہ وہ نعیمہ آنٹی کا ذکر لے کے بیٹھ گئی۔

ذکر ذکر ہی رہتا تو ٹھیک تھا۔ اس نے تو ضد ہی پکڑ لی کہ شادی میں نعیمہ آنٹی کو نہیں تو کم از کم وہ ماریہ کو تو ضرور ہی بلائے گی۔

مما تو اپنی کسی ٹیچر کے فون پہ اٹھ کے جا چکی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد میرال بھی یہ دھمکی دے کر "اگر ماریہ نہیں آئے گی تو یہ شادی بھی نہیں ہو گی" کہتے ہوئے غصہ سے کمرے سے نکل گئی۔

جس مسئلے میں اسفند نے اسے اپنی ٹانگ اڑانے سے منع کیا تھا، وہ کب کیسے اس میں پوری کی پوری الجھ گئی۔ اسے پتا نہ چلا۔

"تمہیں نہیں پتا، نعیمہ نے مجھ پہ کیسے کیسے الزامات لگائے، صرف اس گھٹیا شخص سے شادی کرنے کے لیے۔۔۔ کتنی چالیں چلیں، کتنے جھوٹ بولے، تمہارے خالو کے کان بھرے، میرے خلاف میری ساس کو مجھ سے متنفر کیا۔" خالہ آبدیدہ ہو گئیں۔

"میرال تو بے وقوف ہے۔ ناسمجھ ہے۔ تم تو سمجھ دار ہو۔ سمجھاؤ اسے، اپنی ضد چھوڑ دے۔۔۔ نعیمہ اس قابل ہی نہیں ہے کہ میں اس پہ اپنے گھر کے دروازے کھولوں۔"

"اتنی سخت دل نہ بنیں خالہ پلیز۔۔۔ اللہ میاں بھی معاف کرنے والوں کو، احسان کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔"

"احسان؟" خالہ غصہ سے بولیں۔ "میرے احسان کا بدلہ تو وہ پوری زندگی نہیں چکا سکتی۔ تمہیں کیا پتا، میں نے اس پہ کتنا بڑا احسان کیا ہے۔ وہ تو اپنی ذلت و رسوائی کا پورا سامان کر چکی تھی۔ وہ تو گھر سے بھاگ جانے کے منصوبے بنا رہی تھی۔۔۔ میں نے تمہارے خالو کے آگے ہاتھ جوڑے۔ ان کی منتیں کیں کہ دو بول پڑھوا کے عزت سے رخصت کر دیں ورنہ وہ تو شاید اس بے غیرت کو قتل ہی کر ڈالتے۔ غلطی تو کراچی میں تھی۔ جھیلا تو میں نے تھا سب کچھ۔"

"خالہ! آپ کے احسان کا ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ آپ کو ضرور اجر دے گا لیکن آپ یہ بھی تو سوچیں خالہ کہ ان کی عمر ہی کیا ہو گی اس وقت اٹھارہ، انیس سال۔ اتنی سی عمر میں انسان سے کسی عقل مندی کی توقع کی جا سکتی ہے۔ ابھی آپ نے کہا کہ میرال ناسمجھ ہے۔۔۔ نعیمہ آنٹی سے بھی غلطی ہو گئی۔"

UUNOVELS.COM

"بس لیہا! مت کرو اس عورت کی حمایت جس کے بارے میں تمہیں کچھ نہیں پتا۔ مت ادھیڑو ماضی کی بوسیدہ چادر جس نے اس کے کرتوتوں پہ پردہ ڈالا ہوا ہے ورنہ ذلت رسوائی، رنج و غم کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔" ان کا لہجہ شکستہ اور تھکن سے چور تھا جیسے لمحوں میں صدیوں کی مسافت طے کر آئی ہوں۔

"تمہیں پتا ہے لیہا! نعیمہ کی شادی اس شخص سے نہ ہوتی تو کس سے ہوتی؟" وہ الجھن زدہ نظروں سے انہیں دیکھتی رہی۔

"تمہارے بابا سے....." شدت ضبط سے ان کی آواز لرز رہی تھی۔ "بے شک رحمان بھائی نے باقاعدہ رشتہ نہیں بھجوایا تھا لیکن اشاروں کنایوں میں مجھ تک پیغام پہنچا چکے تھے، وہ تو اپنے پیروں پہ کھڑے ہونے کی تگ و دو میں لگے ہوئے تھے۔

بہت کڑا وقت آ پڑا تھا ان پہ۔ تمہارے دادا کی بیماری، خود ان کی بے روزگاری، وہ رشتہ مانگتے بھی تو کس منہ سے..... وہ تو خود ہمارے چھوٹے سے گھر میں اوپر ایک کمرے میں رہتے تھے۔

تمہارے خالو نے جس سیٹھ سے قرضہ لے کر کاروبار شروع کیا تھا۔ اسی سیٹھ کے پاس ملازم تھے تمہارے بابا..... دن بھر ڈرائیوری کرتے اور رات گئے تک ٹیوشن پڑھاتے۔ اسی سیٹھ کے آوارہ لڑکے کی محبت میں اندھی ہو گئی تھی نعیمہ۔ روپے پیسے کی چمک دمک نے اس کی آنکھوں پہ پٹی باندھ دی تھی، اسے نہ اپنے بھائیوں کی عزت کا خیال رہا نہ تمہارے بابا کی شرافت نظر آئی.....

میں نے ایک دن یونہی باتوں باتوں میں اس کی پسند جاننے کے لیے رحمان بھائی کے لیے ہلکا سا اشارہ کیا تو یہ نعیمہ جواب زمانے بھر سے منہ چھپاتی پھرتی ہے، یہ تو آگ بگولہ ہو گئی۔ اس نے تو میری ذرا سی بات پہ جو آسمان سر پہ اٹھایا۔ اتنا بولی اتنا چیخی کہ یہ کنگلا ہی رہ گیا ہے میرے لیے جس کے پاس نہ کوئی رہنے کا ٹھکانا ہے نہ ڈھنگ کی نوکری.....

"میں نے اتنا کہا اتنا سمجھایا کہ آہستہ بولو۔ رحمان بھائی کہیں سن نہ لیں لیکن وہ تو شاید ان ہی کو سنانا چاہتی تھی کہنے لگی، اتنا ہی شریف ہے تو کر دیں نا اپنی بہن کی شادی اس سے، اپنی بہن کی تو آپ کبھی ایسے شخص سے شادی نہ کریں جو آپ کے ٹکڑوں۔"

روانی سے کہتے وہ اچانک رک گئیں۔

"چھوڑو لیہا! اس دل میں بڑے زخم ہیں..... کیا کیا بتاؤں۔"

خالہ کیا کہہ رہی تھیں، کیا بتا رہی تھیں..... اسے کیا پتا تھا اس کرب ناک ماضی کی دکھوں کی چادر میں لگے ٹانکے جب ادھڑیں گے تو دل چیر دیں گے۔

وہ شخص جو دنیا میں آپ کے لیے بیش بہا خزانوں سے بڑھ کر ہو۔ انمول ہو وہی جب آپ کی کم مائیگی کا احساس دلائے تو زندگی کی سب سے بڑی ہار ہوتی ہے پھر نہ کچھ پانے کی جستجو رہتی ہے..... اور نہ جینے کی آس!"

بابا کی ڈائری میں کب کے پڑھے انمول موتیوں کی اصلیت آج عیاں ہوئی تھی۔ بہت کڑا وقت اس پہ آیا تھا۔

بہت سال پہلے اپنے باپ پہ ٹوٹی مصیبتوں کا درد اس نے اپنے دل پر محسوس کیا۔

"بس اللہ نے دکھانا تھا۔" انہوں نے اپنی آنکھوں کو دوپٹے سے صاف کیا۔

"تمہارے بابا کی میری بہن سے ہی شادی ہوئی اور انہوں نے کتنی آسودہ، خوش حال اور باعزت طریقے سے زندگی گزاری جس کو کنگلا کہتی تھی، اسے تو اللہ نے بہت نوازا اور خود کیسی ذلت بھری زندگی گزار رہی ہے، جو بویا تھا، وہی کاٹ رہی ہے۔ میں اسے معاف کر چکی ہوں لیہا! لیکن میں اس سے میل ملاپ نہیں رکھ سکتی۔" ان کی آنکھیں غصہ اور ضبط سے سرخ ہو رہی تھیں۔

معافی تو اب اس کے لیے بھی آسان نہیں رہی تھی بہت دردناک لمحہ۔ بہت مشکل فیصلہ..... ہمیں کیا برا تھا مرنا جو ایک بار ہوتا۔

اس کی رگوں میں رحمان آفریدی کا ہی خون

نہیں۔ زمان آفریدی کا بھی خون تھا اور یہ بات تو اسے بھی معلوم تھی کہ وہ اپنے والد جتنی نرم دل اور بردبار نہیں وہ اتنی جلدی اپنے غصے پہ قابو نہیں پا سکتی اور نہ ہی اتنی آسانی سے اپنے دشمنوں کو معاف کر سکتی ہے..... اور یہ چیز شاید اسے اپنے دادا سے ورثے میں ملی تھی، کتنی ہی تکلیف دہ ساعتیں گزر گئیں۔

"پھر آپ نے سچے دل سے تو معاف نہیں کیا خالہ.....!" وہ میکانکی انداز میں جذبات سے عاری لہجے میں بولی۔

"صرف اپنی تسلی اپنے دل کی تسلی کے لیے معاف کیا ہے۔ بابا کہتے تھے۔"

اس موقع پہ بھی بابا..... آہ! اس کا دل بھر آیا۔

"وہ نیکی جس میں تکبر جھلکے وہ گناہ سے زیادہ سنگین ہوتی ہے۔"

اسے لگا اس کی جگہ جیسے بابا بول رہے ہوں۔ گناہ کے بعد تو انسان پشیمان ہوتا ہے۔ توبہ کر لیتا ہے۔ ایسی نیکی کے بعد الٹا تکبر کا مرتکب ٹھہرتا ہے۔ آپ انہیں اللہ کی خاطر معاف کر دیں خالہ! قیامت کے دن ہم سب بھی تو اپنے رب سے رحم کی بھیک مانگ رہے ہوں گے۔ اس کے بندوں کو معاف نہیں کریں گے تو کس منہ سے اپنے لیے معافی طلب کریں گے..... اور خالہ! یہ تو ہمارا خیال ہے کہ نعیمہ آنٹی اپنے کیے کی سزا کاٹ رہی ہیں۔ کیا پتا اللہ میاں انہیں معاف کر چکے ہوں اور اب ہمارا امتحان ہو۔ ہمارا رب تو غفور الرحیم ہے وہ اپنے بندوں کو ستر ماؤں سے زیادہ چاہتا ہے۔ اپنے رب کی محبت پانے کے لیے ہمیں اس کے بندوں سے محبت کرنا ہو گی..... انہیں سچے دل سے معاف کرنا ہوگا۔ آپ....."

اس کی بات ختم ہونے سے پہلے ہلکی سی دستک کے ساتھ عجلت بھرے انداز میں اسفند اندر داخل ہوا۔

"امی! فری آنٹی آپ کو ڈرائنگ روم میں بلا رہی ہیں۔ آپ کی کوئی مہمان آئی ہوئی ہیں۔"

روانی میں کہتے اس کی نظریں اپنی ماں کے ضبط سے سرخ ہوتے چہرے سے ہوتے ہوئے اس کے روئے روئے سے مرجھائے ہوئے چہرے پر اٹک گئیں۔

"کیا ہوا..... خیریت؟" وہ پریشان سا ہو گیا۔

"خیریت کیا ہوتی، وہی نعیمہ کا قصہ۔" بیڈ سے اترتے ہوئے ہاتھوں سے چہرہ صاف کرتے ہوئے وہ بولیں۔ "اب سب ہی اس کے حمایتی بن گئے ہیں..... اور لے لے کے جاؤ تم اسے نعیمہ کے گھر۔" دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھتی وہ کمرے سے نکل گئیں۔

"ایسا میں نے تمہیں منع بھی کیا تھا مت چھیڑو اس مسئلے کو..... لیکن تم سے تو کوئی امید رکھنا ہی فضول ہے۔ میں تمہارے ہی فائدے کے لیے کہہ رہا تھا۔"

"نہیں ہے پرواہ مجھے اپنے کسی فائدے کی۔"

آنسوؤں سے بھری آنکھیں لیے وہ تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ خالہ کی طرف رکنے کی ہمت ہی نہیں تھی۔ ایک تو ماضی اتنا سوگوار تھا۔ اوپر سے اسفند کی ناراضی۔ اس کی ازلی بدگمانی۔ وہ بوجھل دل کے ساتھ اوپر آ گئی..... بابا شدت سے یاد آنے لگے۔ ہر دم صابر و شاکر رہنے والے اس کے ہنس مکھ سے بابا نے کتنے غم جھیلے تھے۔ کتنے درد سہے تھے، اس کے باوجود اس نے انہیں نہ کبھی انسانوں سے شکوہ کرتے دیکھا نہ اپنے رب سے.....

☆☆☆

مانچسٹر یونیورسٹی میں داخلے کے بعد وہ اس کی پہلی چھٹیوں کی بات ہے جب سلویٰ نے سب دوستوں کے ساتھ اسے بھی انوائٹ کیا۔ وہ صرف دو ڈھائی گھنٹوں کے لیے اس کے گھر گئی تھی، واپس آئی تو مما کا غصہ سے برا حال تھا۔ مما کی مزید ڈانٹ سے بچنے کے لیے وہ اپنے کمرے میں جا کے لیٹ گئی۔ تھوڑی دیر بعد مما غصہ میں بھری ہمیشہ کی طرح بابا کو اس کے کان کھینچنے کے لیے تیار کر رہی تھیں۔

"اب دیکھیں، پھر سے میل ملاپ شروع کر دیا ہے سلویٰ سے..... اٹھتی ہے تو آپ ذرا اس کی اچھی طرح سے خبر لیں..... سمجھائیں اسے۔"

UUNOVELS.COM

"کیا سمجھاؤں فریحہ..... بیہ اب بچی تو نہیں ہے یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہے۔ ماشاء اللہ سے خود سمجھ دار ہے۔" اس نے بابا کی نرم ملائم آواز سنی۔

"رحمان! ہماری بیٹی آج کل کی تیز طرار لڑکیوں کی طرح نہیں ہے ہماری بیہ بہت معصوم ہے۔ کتنا تنگ کیا تھا سلویٰ نے اسے۔ امتحانوں سے ایک ہفتہ پہلے اس کے نوٹس گما دیے اور پھر کتنی لڑائی کی بیہ سے اور ابھی جب میں نے کہا کہ یہ تمہاری وہی سہیلی ہے ناں جس کی وجہ سے تمہیں اتنی پریشانی اٹھانی پڑی وہ بھی عین امتحان کے دنوں میں ..... تو پتا ہے کیا کہا۔ آپ کی لاڈلی نے؟"

بابا خاموشی سے سن رہے تھے۔

کہنے لگی۔ "تو کیا ہوا مما میرا ایڈمیشن تو ہو ہی گیا ناں مانچسٹر یونیورسٹی میں ..... دیکھ لیں اپنے لاڈ پیار کا نتیجہ..... کہتی ہے۔ مما سلویٰ خود بھی امتحانوں کی وجہ سے بہت پریشان تھی۔ اب بتائیں ایسی دوست پہ دوبارہ بھروسا کرنا چاہیے.....؟"

"بس قسمت میں ہی نہیں تھا..... ورنہ کہیں تم اپنے سسر صاحب سے ملتیں تو تمہارے خیالات جان کے وہ بہت خوش ہوتے۔" بابا کی بات پہ لیٹے لیٹے اسے بھی جھٹکا لگا۔

"ہمارے والد صاحب بتاتے تھے، پرانے وقتوں میں خاندانی ناراضیاں، لڑائیاں چھوٹی چھوٹی باتوں سے شروع ہو کر سالوں چلتیں اور اکثر کی تو وجہ بھی معلوم نہ ہوتی لیکن ایک عرصہ تک میل جول بند رہتا اور پھر پاس داری کے حکم کے ساتھ نئی نسل کو بھی ٹرانسفر ہو جاتیں پھر ہمارا زمانہ آیا..... ہم نے نہ صرف ان خاندانی ناراضیوں ناچاقیوں کی وجہ جاننے کی کوشش کی بلکہ انہیں ختم یا کم کرنے کے بھی جتن کیے..... اب یہ نئی نسل ہے نہ وجہ پر دھیان نہ لڑائی کو طول دینے میں انٹرسٹ، سوداٹ، تو کیا ہوا کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔"

کمبل کے اندر اس کی ہنسی نکل گئی۔

"یہ کمپیوٹر کے دور کے بچے انسان کو فرشتہ نہیں عملی طور پہ خطا کا پتلا سمجھتے ہیں۔ اچھا ہے کہاں لیہا؟ ذرا بلاؤ تو۔"

"میں گئی تھی بلانے، سو رہی ہے وہ۔" اس نے مما کو بتاتے سنا۔

"لیہا! تمہاری نعیمہ کے بارے میں کیا بات ہوئی آپا سے....." مما کمرے میں داخل ہوئیں اور وہ ویسے ہی سوتی بن گئی جیسے آج سے پانچ سال پہلے.....

بابا کا فلک شگاف قہقہہ گونجا۔

ہنسی کی آواز کمرے میں گھومنے لگی ساتھ ہی بند پلکوں کے اندر پانیوں کا بوجھ بڑھنے لگا..... اتنا کہ ایک آنسو لڑھکتا ہوا بے دم ہو کے تکیے میں جذب ہو گیا۔ کتنی مرتبہ وہ بند آنکھوں سے روئی تھی..... کتنی دیر تک وہ یونہی لیٹی رہی پھر شاید سو گئی۔ سو کے اٹھی تب بھی سر بھاری تھا۔ مما بھی اوپر نہیں تھیں، اکیلے پریشان ہونے سے تو بہتر تھا، نیچے ہی چلی جائے۔

اپنے گرد شال لپیٹے لان سے گزرتے اس نے اسفند کو بھی اندر کی جانب قدم بڑھاتے دیکھا۔ وہ دونوں آگے پیچھے لاؤنج میں داخل ہوئے۔

"چائے پیو گے تم لوگ؟ ابھی گرم ہے....."

صوفے کے سامنے سینٹرل ٹیبل پہ چائے بناتے مما نے انہیں دیکھتے ہی پوچھا۔ دائیں طرف سنگل صوفے پہ موجود خالہ پہ ایک نظر ڈالتے وہ خود ہی نیچے بیٹھ کے اپنے اور اسفند کے لیے چائے بنانے لگی۔

"لیہا..... یہ اسفند کے دوست شارق سے کبھی تم ملی ہو؟" خالہ کے اچانک سوال پہ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی۔ اسفند بول پڑا۔

"میرے ساتھ ہی ایک دفعہ ملاقات ہوئی تھی..... کیوں؟"

"آج شارق کی ممی آئی تھیں۔" خالہ نے سرسری سے انداز میں بتانا شروع کیا۔

"اوہ اچھا..... وہ شارق کی بہن کی شادی ہے نا، اسی کا انوی ٹیشن دینے آئی ہوں گی۔" صوفے پہ آرام دہ پوزیشن اختیار کرتے اس نے اندازہ لگایا۔

"ابھی تو فی الحال وہ شارق کا رشتہ لے کر آئی تھیں لیہا کے لیے۔"

YUNOVELS.COM

اسے لگا، اسے سننے میں کچھ غلطی ہوئی ہے..... وہ جتنی بھی بولڈ اور خود اعتماد سہی پر اس وقت اسفند کو چائے کا کپ پکڑانا اسے بہت ہی مشکل کام لگا، دوسری طرف اسفند کو بھی جھٹکا لگا۔

"مجھے تو نہیں بتایا شارق نے۔" چائے کا کپ پکڑتے اس نے ایک نظر اس کے چہرے پہ ڈالی۔ اس سے تو نظریں ہی نہ اوپر اٹھائی گئیں۔ عجیب خفت سوار ہونے لگی۔

"بھئی، تمہیں کیوں بتائے گا..... ایسی باتیں تو ماؤں کو بتائی جاتی ہیں۔" مما نے ہلکے پھلکے انداز میں کہتے ہوئے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگالیا۔

اس سے تو چائے پینا ہی مشکل ہوگیا۔ یہ کون سا عجیب سا موضوع چھڑ گیا تھا، اسفند بھی موبائل کے بٹن دباتا کوئی اور بات کیے بغیر لاؤنج سے نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی دوگنی پریشانی کے ساتھ واپس اپنے پورشن میں آ گئی۔

☆☆☆

دوسرے دن اسکول سے واپسی پہ مما کو ایک نہ دو پورے سات کلو گاجریں خریدتے دیکھ کر ہی اسے جھٹکا لگا اور جب دوپہر کے کھانے کے بعد وہ چھری لے کر انہیں چھیلنے بیٹھ گئیں تو وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

"مما..... کیا گاجر کا حلوہ بنا رہی ہیں؟" دھلی ہوئی گاجروں میں سے ایک کو اٹھا کر کھاتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"ہاں، آج آپا پائے بنا رہی ہیں ناں۔ تو میں نے سوچا، میں گاجر کا حلوہ بنا کر لے چلتی ہوں۔"

"مما! اتنی محنت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہم کوئی کیک وغیرہ لے لیتے بازار سے۔" اپنے سامنے کچن کی چھوٹی سی ٹیبل پہ پڑے گاجروں کے بڑے سے ڈھیر کو دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔

"ارے بیٹا! کوئی اتنا بھی مشکل کام نہیں ہے بس کھڑے ہو کر بھوننا ہی مشکل ہوتا ہے۔ باقی تو سارا کام مشین نے ہی کرنا ہے۔ تم فوڈ پروسیسر نکالو۔"

"اچھا ٹھیک ہے، وہ میں بھون لوں گی۔ آپ اپنے آپ کو نہیں تھکائیے گا۔" کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مما۔" وہ نیچے کا کیبنٹ کھول کے ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "وہ کل آپ اور خالہ کیا بات کر رہی تھیں ڈاکٹر شارق کے بارے میں.....؟"

"ہاں وہ....." گاجروں پہ ان کا ہاتھ ڈھیلا پڑ گیا۔ "شارق کی امی تو ویسے ہی ملنے آئی تھیں لیکن باتوں باتوں میں انہوں نے ہلکا سا اشارہ کیا تو آپا بھانپ گئیں کہ تمہارے لیے آئی ہیں۔ بس ذرا انٹرسٹ لے رہی تھیں کہ تمہاری کہیں منگنی تو نہیں ہوئی اور شادی صرف اپنوں میں کرتے ہیں کیا؟ وغیرہ وغیرہ خیر جب صحیح طریقے سے رشتہ لے کر آئیں گی، تب سوچیں گے ابھی تو تم یہ ساتھ ساتھ کدوکش کرتی جاؤ..... اور سنو لیپا! مجھے یاد کرانا، آپا کی طرف جاتے ہوئے اپنی نظر کا چشمہ اس میں شیشے ڈلوانے ہیں۔ اسفند کو دے دوں گی۔ وہ آفس آتے جاتے یہ کام کروالائے گا۔"

"مما!" وہ فوڈ پروسیسر کو کاؤنٹر پہ رکھ کے پلٹی۔ "آپ مجھے دے دیجیے گا اپنا چشمہ۔ میں فارہ یا میرال کے ساتھ جا کے شیشے ڈلوالاؤں گی۔"

مما خود تو خوار ہوتی ہی تھیں۔ اسے بھی مشکل میں ڈال دیتی تھیں۔ گاجر کے حلوے سے بھرا بڑا سا ڈونگا اٹھائے اٹھائے اتنی ساری سیڑھیاں اتر کے دو بڑے بڑے لانوں میں سے گزرتے ہوئے اسے سخت کوفت ہو رہی تھی جبکہ اس نے پائے کھانے بھی نہیں تھے۔ کھانے کے بعد مما جان کے حکم پہ وہ حلوے کو مائیکرو ویو میں گرم کرنے کچن میں آ گئی۔

"مبارک ہو۔ بڑے رشتے آ رہے ہیں آپ کے۔" شیشے کے گرم ڈونگے کو احتیاط سے ٹرے میں رکھتے اس نے اپنی پشت پہ سے اسفند یار کی چبھتی ہوئی آواز سنی۔

"آپ ہی کے دوست کا آیا ہے۔" اس نے بھی بغیر کسی لحاظ کے لٹھ مار کے جواب اس کے منہ پر مارا۔

"حلوہ تم نے بنایا ہے یا خالہ نے؟" فریج بند کر کے وہ اس کے سامنے کھڑا پوچھ رہا تھا۔

UUNOVELS.COM

"مما نے بنایا ہے۔" وہ ٹرے اٹھائے اس کی سائڈ سے گزرنے لگی تو وہ بھی اس کے ساتھ چلنے لگا۔
"میرا بھی یہی خیال تھا۔"
اس کے استہزائیہ انداز پہ وہ جل کے رہ گئی۔
"مجھے کوکنگ کا کوئی شوق نہیں ہے۔" اپنے تئیں اس نے اسے ستایا۔
"کوکنگ کا شوق نہیں ضرورت ہوتی ہے۔" دلچسپی سے اس کے بگڑے تیور دیکھتے وہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔
"بہت مزے کا ہے حلوہ، لے لو نہیں ہوتی تمہاری ڈائٹنگ خراب۔"
نگہت آنٹی اپنی لاڈلے بیٹے کو زبردستی حلوہ کھلانا چاہتی تھیں لیکن فہد صاحب نے کیونکہ پچھلے دو ہفتوں میں تین پاؤنڈز وزن چڑھا لیا تھا تو بس بے چارہ دو چمچوں سے زیادہ نہیں کھا سکتا تھا۔ لاؤنج کے ایک کونے میں فارہ اور میرال کے ساتھ فلورکشن پہ بیٹھی وہ یہ سین دیکھ رہی تھی۔ سامنے والے بڑے صوفے پہ ارمغان اور اسفند بیٹھے تھے۔
"ایک تو مجھے اس لڑکے کی سمجھ نہیں آتی..... جب آدھی آدھی رات کو اٹھ کے کبھی ڈونٹ کبھی پاستا کبھی براؤنیز بنتی ہیں اس وقت تمہیں خیال نہیں آتا ڈائٹنگ کا..... ہیں؟ اور جب بھر بھر کے کریم چیز اور نجانے کیا الم غلم ہر کھانے میں ڈالے جاتے ہو، اس وقت کیا عقل گھاس چرنے چلی جاتی ہے۔" دھان پان سی نگہت آنٹی کڑک دار انداز میں فہد کی اچھی طرح عزت افزائی کر رہی تھیں۔
"اماں۔" فہد جز بز ہوتے منمنایا۔ "وہ ریسپی میں دیا ہوتا ہے، اسی سے تو ٹیسٹ آتا ہے۔"
"ریسپی کی بھی تم نے خوب کہی ..... جتنا مال متاع تم اپنے کھانوں میں ڈالتے ہو۔ اتنا میں الٹے ہاتھ سے بھی جھونکوں ناں تو دیکھوں، کیسے نہیں آتا ذائقہ۔"
"سب کا یہی حال ہے نگہت!" صبیحہ خالہ بھی تائیدی انداز میں شروع ہو گئیں۔ "وہ ندرت کے گھر درس پہ دیکھا تھا۔ کیا کیا انواع و اقسام کے کھانے تھے..... اور کتنی قسموں کے تو صرف سلاد ہی تھے۔"
"جی اور سلاد میں انہوں نے کاجو، کشمش، چکن پرانز..... کیا کچھ نہ ڈالا تھا..... بس بھابھی لوگوں کا تو بس نہیں چلتا، آسمان سے تارے توڑ کے سیخ میں پرو کے کھا جائیں۔" نگہت آنٹی کی مثال یہ سب کے چہروں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔
"اماں بھی بس شروع ہی ہو جاتی ہیں۔" دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں سے موبائل پہ کچھ ٹائپ کرتے فارہ اپنی ماں کے تقریری انداز پہ شاید شرمندہ ہو رہی تھی۔
"خیر، ایسا کچھ غلط بھی نہیں کہہ رہیں چچی جان۔ ہو تو یہی رہا ہے..... اور یہ تم موبائل کی تو جان چھوڑو۔" میرال کو فارہ کا یوں موبائل پہ نظریں جمائے بیٹھنا برداشت نہ ہوا۔
"ارے یار! میں تو یہ شانزے کی پوسٹ دیکھ رہی تھی..... پتا ہے زرتاش بیگ ڈیزائن کر رہی ہے اس کا برتھ ڈے گاؤن..... نمبر ون ڈیزائنر ہے، اس کا تو ایک عام سا سوٹ بھی ہزاروں کا ہوتا ہے۔ برتھ ڈے گاؤن تو اللہ جانے کتنے کا بنے گا..... میں تو سوچ رہی ہوں، دو مہینے بعد تمہاری برتھ ڈے ہے۔" میرال کے قریب ہو کے فارہ نے بڑے اسٹائل سے سر کو جھٹکایا۔
"ہاہاہا..... تیرا کیا بنے گا کالیا..... آئی مین میرو!"
"میرے پاس ہزاروں کپڑے ہیں، مجھے نہیں کوئی ضرورت اتنے پیسے صرف ایک برتھ ڈے گاؤن پہ لگانے کی۔" میرال کی اس شان بے نیازی پہ اس سمیت سب ہی ششدر رہ گئے۔
"کیا کہہ رہی ہو مہرو!" فہد جو اپنی اماں جان کی ڈانٹ پھٹکار کے بعد وہاں سے دم دبا کے یہاں اسفند کے برابر آ کے بیٹھ چکا تھا، بے اختیار اپنے کانوں کو چیک کرنے لگا۔
"صحیح کہہ رہی ہوں۔" میرال اسی اعتماد سے بولی۔ "اول تو برتھ ڈے کوئی ایسا لازمی یا مذہبی فریضہ تو ہے نہیں جو ضرور ہی کی جائے اور اگر کرنا ہی ہے تو اپنی فیملی میں چھوٹی موٹی تقریب کر لیں۔ کوئی ضروری تو نہیں کہ اتنے پیسے اس پر اجاڑے جائیں۔ ہمارے آس

UUNOVELS.COM

پاس کتنے انسان جانوروں کی طرح زندگی گزار رہے ہیں۔صرف پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے۔..... تمہیں یاد ہے لیہا!" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "وہ بچہ جو اتنی ٹھنڈ میں ننگے پاؤں، گیلے کپڑوں کے ساتھ برتن دھو رہا تھا۔اس کا بچپن کس قدر دردناک گزر رہا ہے۔

اور اس جیسے نجانے کتنے بچوں کا، کتنے انسانوں کا۔

اور ہم لاکھوں ہزاروں..... صرف اپنی ایک تقریب، اپنے ایک جوڑے پر لگا دیتے ہیں؟"

"لگتا ہے، تم میں آج لیہا کی روح سرایت کر گئی ہے۔کیوں اسفی! ایسی باتیں اپنی میرو کے منہ سے تمہیں کچھ عجیب نہیں لگ رہیں؟" ارمغان نے اسفند کو بھی اپنے ساتھ گھسیٹا۔

"ہاں تو کچھ ایسا غلط تو نہیں کہتی لیہا! بھائی آپ کو نہیں پتا، اصل میں ہوتا کیا ہے۔" وہ جوشیلے انداز میں اسفند کو دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "اب جتنے بھی لوگ شانزے کی پارٹی میں جائیں گے ناں، سب کو اپنی اپنی کسی پارٹی کی فکر پڑ جائے گی۔اس نے اس ریسٹورنٹ میں اپنی برتھ ڈے کی ہے تو ہم وہاں کر لیں۔اس ریسٹورنٹ میں کر لیں۔اس نے اس ڈیزائنر کے اس برینڈ کے کپڑے پہنے ہیں تو ہم فلاں کے پہن لیں۔بس مقصد سب کا یہ دکھانا ہے کہ ان کے پاس کتنا پیسہ ہے، ہمارے آس پاس غریب، مجبور ولاچار انسان کتنی مشکل سے زندگی گزار رہے ہیں..... اس کی کسی کو پروا نہیں.....

اللہ نے اگر پیسہ دیا ہے تو اس کو صحیح طریقے سے تو خرچ کریں۔کسی ایک غریب، مسکین بچے کا ہی ذمہ لے سکتے ہیں۔اس کی تعلیم، اس کے کپڑوں کا..... تاکہ اس کا بچپن یوں برتن دھوتے، ورک شاپ پر کام کرتے، یوں ظلم وستم کا نشانہ بنتے تو نہ گزرے..... کسی غریب کو چھوٹا موٹا کام شروع کرا سکتے ہیں تاکہ وہ اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پال سکے۔اور اگر کچھ بھی نہیں کر سکتے تو کم از کم یہ ظاہری شوشا، نمود ونمائش کو پروموٹ کر کے بے حسوں کی دوڑ میں تو شامل نہ ہوں۔"

آج دوسری مرتبہ اس نے میرال کو بولتے اور دوسروں کو چپ چاپ سنتے دیکھا تھا۔خالہ، خالو، نگہت آنٹی، فہد..... سب چپ تھے، بس دھڑکتے دلوں کی دھڑکنیں سنی جا سکتی تھیں۔

"بیٹا! تلقین بہت ضروری ہے، ہم پہ فرض ہے..... اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ قرآن میں ہمیں خود بھی نیک عمل کرنے اور دوسروں کو بھی تلقین کرنے کی تاکید کی ہے۔" بابا کے کچھ اسٹوڈنٹس آئے ہوئے تھے اور وہ چار گھنٹے سے اپنے باپ کو حدیثوں، قصہ کہانیوں کے ذریعے انہیں سمجھاتے، بول بول کے ہلکان ہوتے دیکھ کر ان کی صحت کے حوالے سے پریشان ہو رہی تھی۔

"بابا! کیا آپ نے ٹھیکہ لیا ہوا ہے، ہر ایک کو سمجھانے کا۔"

"ایسی باتیں ایمان کو تازہ کرتی ہیں، جذبہ بڑھاتی ہیں۔انسان سب معصوم ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو بھلائی کی طرف راغب کرتے رہنا چاہیے۔"

رات کے بارہ بجے لان سے گزرتے اسے درختوں کے پتوں سے چھن چھن کر آتی چاندنی میں..... آسمان کے چمکتے ستاروں میں..... اپنے بابا کا گمان ہو رہا تھا۔

☆☆☆

"ابھی تک اسفند سے کہا ہوتا تو وہ کب کا چشمہ بنوا کے لا چکا ہوتا، نہ تم نے اسفند کو چشمہ دینے دیا نہ ہی خود بنوا کے لائیں۔" اس نے دانتوں تلے انگلی دبالی۔دو ہفتے ہونے کو آئے تھے اور آج کل کرتے کرتے یہ کام رہ ہی جاتا تھا۔

"مما! آپ کے پاس ہے تو ایک چشمہ۔"

اس وقت وہ لوگ ٹی وی پر کوئی ٹاک شو دیکھ رہے تھے، ساتھ ساتھ فریحہ بیگم اپنے اسکول کا رجسٹر بھی کھولے بیٹھی تھیں۔

"ہے تو۔" انہوں نے رجسٹر میں مارک کرتے، پاس پڑی اپنی چھوٹی سی ڈائری کھولی۔

"پر ایک ہی ہے ناں، اگر ٹوٹ ووٹ گیا تو.....؟ تمہارے بابا کہتے تھے، نظر کے چشمے ہمیشہ دو ہونے چاہئیں۔اگر ایک ڈنگا دے جائے تو دوسرا تو ہو۔" اس

UUNOVELS.COM

کائنات کی سب سے دور اندیش مخلوق ہر ممکن کوشش کرتی ہے، ناگہانی آفتوں، مصیبتوں، الجھنوں، کوفتوں سے بچنے کی..... کتنے جتن کر کے ہر چیز کا متبادل تلاش کیا جاتا ہے۔ وہ انسان جسے پل کی خبر نہیں، وہ جو خود اپنے ہونے نہ ہونے کے بارے میں کچھ نہیں جانتا..... جو اگلے لمحے تک کا مجاز نہیں۔ کتنی دیرپا چیزوں کا خواہش مند ہے..... ہر چیز لائف ٹائم گارنٹی کے ساتھ خریدنے والا اپنی لائف کے ایک سیکنڈ کی بھی گارنٹی نہیں دے سکتا۔

سینے میں گھٹن بڑھنے لگی۔ اتنی کہ سانس لینا بھی دشوار ہو گیا اور جب آنسوؤں کو روکنا محال ہوا تو وہ اٹھ کے بالکونی میں چلی آئی۔ چیزوں نے کہاں جانا ہوتا ہے بابا! چیزیں تو ادھر ہی رہتی ہیں۔ آپ کی فورتھ کلاس میں دی ہوئی گھڑی ابھی تک صحیح ٹائم بتاتی ہے، آپ کے گفٹ کیے ہوئے پین ابھی تک رواں لکھتے ہیں..... بابا!

"کہاں چلی گئی تھیں تم؟" اسے ایک چھوٹی سی ٹرے میں دو منہ تک بھرے کافی کے مگ سجا کر لاتے دیکھ کر انہوں نے پنا اسکول کا رجسٹر بند کر دیا۔

"کہیں نہیں۔" وہ شاید بالکنی کا دروازہ کھلا رہ گیا تھا۔ ٹھنڈ لگ رہی تھی، وہی بند کرنے گئی تھی پھر سوچا کافی بنا لاؤں، دونوں مل کر پئیں گے۔

"ہاں، یہ اچھا کیا تم نے۔" انہوں نے اپنا مگ اٹھایا۔ "ٹھنڈ میں مزہ بھی آتا ہے کافی پینے کا۔"

☆☆☆

وہ آئی تو نیچے اس لیے تھی کہ فارہ یا فہد کسی کے بھی ساتھ جا کے مما کا چشمہ بنوا لائے گی، پر یہاں تو صورت حال یہ تھی کہ دونوں خواتین لیموں، شہد اور نجانے کیا الم غلم اکٹھا کیے اپنے چہرے کی شگفتگی اور نکھار کے لیے کوئی عجیب و غریب قسم کا ماسک تیار کرنے میں جتی ہوئی تھیں۔ میرال نیچے قالین پر بیٹھی کانچ کے برتن میں انڈے پھینٹ رہی تھی۔ فارہ کے ہاتھ میں جو رسالہ تھا غالباً اسی میں دی گئی ترکیب کے مطابق عمل ہو رہا تھا۔ وہ خاموش تماشائی کی طرح بیڈ پر بیٹھ گئی۔ یہ اہم مہم سر کیے بغیر تو ان میں سے ایک بھی اٹھنے والی نہ تھی کہ حسن کی نگہداشت کے سلسلے میں تو دونوں ہی قلوپطرہ کی جانشین کی سی حیثیت رکھتی تھیں۔

"ویسے یار! اس دنیا میں اگر کسی کو ایک مرتبہ..... صرف ایک مرتبہ سچی محبت ہو جائے ناں....."

صوفے پر دونوں پاؤں اوپر کر کے بیٹھے، گود میں فیشن میگزین دھرے، اب پتا نہیں فارہ نے یہ اسی میگزین میں سے کہیں پڑھا تھا یا اس کا اپنا گیان تھا۔ بہرحال بڑے جذب کے عالم میں، بڑے فلسفیانہ انداز میں کہتے ہوئے وہ کسی اور ہی دنیا میں پہنچ چکی تھی۔

"اور یہ سچی محبت تمہیں تیئس سال کی عمر تک کم از کم چار مرتبہ تو ہو ہی چکی ہے۔" رسالہ اس سے جھپٹ کے میرال دوبارہ ترکیب والا صفحہ ڈھونڈنے لگی، ساتھ ہی اس کے ذمے بھی ایک دو کام لگا دیے۔

"بیبہ! یہ ذرا لیموں تو نچوڑ دو..... اور یہ شہد بھی ابھی اوپر ہی رکھ دو، اسے بعد میں ڈالنا ہے۔"

"ویسے تم لوگوں کو یہ کام کچن میں کرنا چاہیے تھا۔" شہد کی بڑی سی بوتل کی کوڈریسنگ ٹیبل پر رکھتے وہ کہے بغیر نہ رہ سکی، پر اس کی وہاں سننے والا کون تھا۔

"تمہیں یاد ہے فارہ! وہ عطیہ کا بھائی؟" ترکیب والا صفحہ نکال کے میرال نے رسالہ گھٹنے پر ٹکا لیا۔ "وہ جو ہماری وین میں جاتا تھا..... وہ عاطف!"

"ارے یار..... وہ تو بچینا تھا۔" فارہ نے کان سے مکھی اڑائی۔ "میں نائنتھ میں تھی۔"

"ہاں، اور وہ پاگل خود ایٹتھ میں تھا۔" میرال نے یاد دلایا اور پھر دونوں ہنسنے لگیں۔

"اور وہ سر مختار، جو ہمیں ٹیوشن پڑھاتے تھے۔" میرال نے ایک اور یاد تازہ کرائی۔

"یار! کتنا فلرٹ کرتے تھے ناں وہ۔" فارہ اپنی خیالی دنیا سے جیسے اچانک ہوش میں آئی۔

"پتا ہے لیہا! ایک دفعہ ناں فارہ نے ان سے کسی سوال کے بارے میں پوچھا کہ سر آپ سچ کہہ رہے ہیں..... یہ ٹیسٹ میں آئے گا نا؟ تو وہ بولے آپ کے سر کی قسم....."

"اور تم نے یہ بکواس اماں جان کو بتا دی، چغل خور کہیں کی۔" فارہ نے غصیلی نظروں سے اسے گھورتے

UUNOVELS.COM

ہوئے اپنے پاؤں سے اس کی کمر پر ٹھڈا رسید کیا۔

''ہاں اور چچی نے دوسرے ہی دن ان کی چھٹی کردی۔'' انڈوں کے آمیزے میں گلاب کا عرق ملاتے میرال نے لو اسٹوری کا اختتام بھی کردیا۔

''اور وہ کون تھا۔ فہد کا کالا سا دوست جو تمہیں ہر گلی، چوراہے، ہر بازار میں اتفاقیہ طور پر مل جایا کرتا تھا۔'' میرال نے سارا کچا چٹھا آج ہی کھولنا تھا۔

''کون..... یاور؟ ارے یار! وہ تو بہت ہی چپکو تھا۔ خواہ مخواہ ہی فری ہوتا رہتا تھا مجھ سے۔'' فارہ نے دوبارہ رسالہ اچک لیا۔

''ویسے فارہ! تمہیں بھی ناں کبھی کوئی ڈھنگ کا، تمیز کا، سلجھا ہوا لڑکا ملا ہی نہیں۔ یہ ایسا! اس میں شہد کے چار چمچے ڈال دو، وہیں رکھ کے۔''

فارہ کی شان میں جاری مایوس کن تبصرے کے بیچ میں میرال نے اسے انڈوں کے آمیزے والا کٹورا پکڑایا۔ ''سارے نکمے، آوارہ، دل پھینک اور چھچھورے لڑکے ہی لکھے ہیں تمہاری قسمت میں۔''

''کوئی نہیں۔ نعمان تو ایسا نہیں ہے۔'' صفحہ الٹتے، مگن سے انداز میں فارہ کے منہ سے نکلا۔

''کک..... کون نعمان..... نعیمہ پھپھو..... پھپھو والا.....؟'' میرال کی لرزتی آواز کے ساتھ اس کے ہاتھ سے شہد کی بوتل گرتے گرتے بچی، لیکن چار چمچوں کے بجائے شہد کا سیلاب آچکا تھا۔ انڈوں کا آمیزہ سفید ڈیکو پینٹ کے ڈریسنگ ٹیبل سے ہوتا ہوا، درازوں پر نقش و نگار بناتا قالین پر بہتا چلا جارہا تھا۔ اس نے دھرا دھر ٹشو پیپرز نکالتے ہوئے ٹشو کا پورا ڈبا خالی کردیا۔ دراز سے ٹشو کا رول نکال کے فارہ اور میرال بھی پونچھنے سمیٹنے میں لگ گئیں۔

''نعیمہ آنٹی کا بیٹا؟ فارہ؟'' وہ دونوں حواس باختہ ہوتی پوچھنے لگیں۔

''ارے نہیں یار.....'' فارہ نے جھلا کے کہا۔ ''میں تو بس یہ کہہ رہی تھی، وہ چھچھورا نہیں ہے۔ تم لوگوں نے پتا نہیں کیا سمجھ لیا۔''

''اب ایسے حوالے کے بیچ میں تم بولو گی تو کوئی کیا سمجھے گا فارہ! ایسا کچھ ہے تو نہیں ناں۔'' اس کا خوف آمیز لہجہ، میرال کی پھٹتی متحیر آنکھیں، ادھر اُدھر سے پونچھتے ٹشو پیپرز، رگڑتے لرزتے ہاتھ، اس ہول ناک انکشاف کی شدت سے تردید کے خواہاں منہ سے نکلتے عجیب بے ربط سے فقرے۔ وہ دونوں بری طرح بدحواس ہورہی تھیں اور اس پر فارہ کی طمانیت بھری بے گانگی۔

''میں بوا سے کہتی ہوں کہ آکے صفائی کردیں۔ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے، نہ پریشان ہو تم دونوں۔'' دروازے پر رک کے جھنجلاہٹ بھرے انداز میں انہیں تسلی دیتے ہوئے فارہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

''تمہارا کیا خیال ہے میرال! یہ سچ کہہ رہی ہے..... میرا مطلب ہے، اس کے اور نعمان کے بیچ کوئی ایسی بات تو نہیں ہوگی ناں۔'' فارہ کے کمرے سے نکلتے ہی اس نے حد درجہ بے چینی اور اضطراب سے پوچھا۔

''ہاں، خیال تو میرا یہی ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' اس کے منہ سے ایسے ہی نکل گیا..... لیکن۔'' میرال پریشانی کے عالم میں کہتے کہتے رک گئی۔

''لیکن کیا میرال؟'' اس نے اپنے چپ چپے ہاتھوں سے میرال کا بازو جکڑ لیا۔

''فارہ کے بارے میں میرا خیال ہمیشہ غلط ہی نکلتا ہے۔'' میرال کی منہ لٹکائے کی گئی مایوس کن پیش گوئی کے بعد وہ ان ہی ہاتھوں سے اپنا گھومتا ہوا سر پکڑ کے بیٹھ گئی۔

لیکن خیر، اتنی بھی پریشانی کی بات نہیں ہے۔'' پریشان سی شکل بنائے، میرال نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

''کیوں نہیں ہے، کوئی پریشانی کی بات..... ایک تو وہ کسی قابل نہیں ہے اور دوسرا یہ جو صدیوں سے ناراضیاں چلی آرہی ہیں۔

''قابل تو خیر وہ ہو ہی جائے گا.....'' ڈسٹ بن میں گندے ٹشو پیپرز پھینک کے ہاتھ جھاڑتے ہوئے میرال نے کہا۔ ''تمہیں پتا ہے..... وہ سی ایس ایس کے

UUNOVELS.COM

امتحان کی تیاری کر رہا ہے..... اور جتنا لائق فائق بندہ ہے، پاس کر ہی لے گا اور بیہ! یہ ناراضیاں بھی اب زیادہ عرصہ تک چلنے والی نہیں۔ وہ جو ہم نے اس دن امی جان سے بات کی تھی ناں، اس کے بعد سے تو ان کے خیالات بہت بدل گئے ہیں بلکہ امی جان کی باتوں سے تو مجھے لگتا ہے..... جیسے وہ اور بابا دونوں ہی نعیمہ پھپھو کو دل سے معاف کر چکے ہیں۔ اب یہ بات امی یا بابا خود ہی سب سے کہیں تو اچھا ہے ناں۔ اس لیے میں نے تم سے یا کسی اور سے ذکر نہیں کیا۔"

وہ منہ کھولے متحیر نگاہوں سے میرال کو دیکھتی رہ گئی۔ اگر میرال سچ کہہ رہی تھی تو یہ کسی معجزے سے کم نہ تھا۔

☆☆☆

میرال کی بات کی تصدیق اگلے دن اسفند کے فون سے بھی ہوگئی۔ مما، خالہ کے ساتھ شاپنگ پر گئی ہوئی تھیں۔ ارمغان کی شادی کی تیاریاں بڑے زور و شور سے کی جا رہی تھیں۔ وہ لاؤنج کی بکھری چیزیں سمیٹ رہی تھی، جب اسفند کا فون آیا۔

"ویسے سچ بتاؤں تو مجھے امید نہیں تھی کہ نعیمہ پھوپھو کے حوالے سے امی، تمہاری کوئی بات سنیں گی بھی۔"

"ایک سچ میں بھی بتاؤں، سوائے آپ کے دنیا کا ہر شخص میری بات سن اور سمجھ سکتا ہے۔" فون پر اس کا جان دار قہقہہ گونجا اور پھر کتنی دیر تک وہ ہنستا ہی رہا۔ کتنے دنوں بعد وہ لوگ یوں بغیر کسی ٹینشن کے بات کر رہے تھے۔ "اسی لیے تم نے نیچے آنا چھوڑ دیا کہ میں تمہاری بات نہیں سنتا؟"

"آتی تو ہوں..... کل بھی آئی تھی۔" وہ صوفے کے کشن سیٹ کرتی ہوئی بولی۔

"تمہیں کس نے کہا ہے کہ جب میں نہ ہوا کروں تب آیا کرو؟" بڑی لگاوٹ سے پوچھا گیا۔

"اچھا ہے ناں..... کم ملا جائے تاکہ کم باتیں ہوں اور کم اختلافات ہوں۔" لطیف سا طنز کرتے وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

"کافی اچھی ہوگئی ہے تمہاری اردو، پہلے کی نسبت۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "تمہارے خیال میں ملنے سے اختلافات بڑھتے ہیں؟"

"میرا خیال نہیں ایکسپیرینس ہے۔" وہ اور اس کی ہنسی کی آواز سنتے ہوئے وہ خود بھی مسکرانے لگی۔

"خالہ لوگ آج جلدی واپس نہیں آ گئے؟" سامنے دیوار پر لگی گھڑی میں ٹائم دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"کہاں جناب! اتنی جلدی کب ختم ہونی ہے، خواتین کی شاپنگ۔ امی اور خالہ تو نیچے تمہارے اور حرا کے لیے غرارے، شرارے پتا نہیں کیا کچھ دیکھ رہی ہیں۔ یہ تو میرال کو کافی پینی تھی تو میں ادھر فوڈ کورٹ لے آیا اسے۔"

"میرال بھی ہے آپ کے ساتھ؟" اسے پتا نہیں کیوں عجیب سا لگا۔

"کیوں..... میں میرال کی موجودگی میں تم سے بات نہیں کر سکتا کیا؟"

"نن..... نہیں..... میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ سٹپٹا گئی۔ "میں تو ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔ اچھا میں ذرا لاؤنج سمیٹ رہی تھی۔" پھر بعد میں آپ سے بات کرتی ہوں۔"

دھڑکتے دل پر قابو پاتے اس نے جلد از جلد جان چھڑانے کی کی۔

"تمہارے سگھڑاپے کے کیا کہنے، دونوں گھروں میں تمہارے سگھڑپن کے کتنے ڈنکے بجتے ہیں اور تمہیں گرہستی کا کتنا شوق ہے، اس سے میں بخوبی واقف ہوں۔ میرال پاگل ہے جو شاپنگ چھوڑ کے ادھر میرے پاس بیٹھی رہے گی، اطمینان سے بات کرو۔ وہ کب کی نیچے جا چکی ہے، میں اکیلا ہی ہوں۔"

اس کی گمبھیر آواز اس کے ہاتھوں کے توتے اڑا لے گئی، اصل گھبراہٹ تو اب سوار ہوئی۔

"نن..... نہیں..... وہ....." اس سے کوئی بات نہ بن پائی۔ "مجھے واقعی میں لاؤنج سمیٹنا تھا۔" وہ منمنائی اور پھر بغیر سوچے سمجھے کھٹ سے فون کاٹ دیا۔ اس کی

UUNOVELS.COM

عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی، غصہ کے ساتھ ساتھ بے پناہ ہنسی بھی آ رہی تھی۔ موبائل ہاتھ میں لیے اس نے ادھر سے اُدھر، ڈرائنگ روم، لاؤنج، بالکنی کے نجانے کتنے چکر لگا لیے پر اپنی کیفیت پر قابو نہ پاتے ہوئے بالآخر صوفے پر ڈھیر ہو گئی تو موبائل ایک بار پھر بج اٹھا۔

"بھئی کام ہے نا مجھے، کہہ تو رہی ہوں..... آپ پتا نہیں کیا....." اس سے پہلے کہ کسی قسم کے طلسم کا شکار ہوتی، وہ جلدی جلدی بولنے لگی۔

"تم شرما بعد میں لینا، پہلے میری بات سن لو۔"

وہ یک لخت چپ ہو گئی۔ "میں سوچ رہا تھا کہ اب جبکہ تم اتنا بڑا معرکہ مار ہی چکی ہو تو کیوں نا تمہیں زبردست سا لنچ یا ڈنر کرایا جائے۔"

"دیکھ لیں، آپ میرال سے پوچھ لیں۔ میں اور فارہ تو ویسے بھی فری ہی ہیں۔" کسی بھی قسم کی گھبراہٹ کا تاثر دیے بغیر آواز کو نارمل اور ہموار رکھتے ہوئے اس نے شائستگی سے کہا۔

"میں صرف تمہاری بات کر رہا ہوں، پوری پلٹن کی نہیں۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکی۔ "صرف میں کھانا کھا کے آ جاؤں تاکہ بعد میں فارہ اور میرال مجھے کچا چبا جائیں۔ جی نہیں، میں نے یہاں ہی رہنا ہے۔ میں سب کے ساتھ بے وفائی نہیں کر سکتی۔"

"خوشی ہوئی جان کے کہ آپ بے وفا نہیں ہیں، ویسے موزوں لفظ اس جملے کے لیے غداری تھا اور یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ آپ یہاں ہی رہنا چاہتی ہیں۔ پر یہ بات تم خالہ کو تو بتا دو، کم از کم یہ تمہارے الٹے سیدھے رشتے آنا تو بند ہوں۔"

اس کی بات کا مطلب نکالتی وہ بری طرح بوکھلا گئی لیکن منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکالا کہ اگلا بندہ زیرک اور ہوشیار ہونے کے علاوہ منہ پھٹ بھی تھا۔

"یہ تم سوچ رہی ہو یا شرما رہی ہو؟" کافی دیر بعد سنجیدگی سے سوال کیا گیا۔

"کچھ نہیں۔" اس نے فون کاٹ دیا۔

☆☆☆

میرال اور فارہ کا تو اللہ دے اور بندہ لے والا حساب تھا، ان کا تو بس نہ چلتا تھا کہ آدھی رات کو ہی کسی ریسٹورنٹ میں کوئی مڈنائٹ ڈیل اڑانے چل پڑیں۔ خیر جمعہ کے دن کا پروگرام بنا، جمعہ کو فہد اور اسفند بھی آفس سے جلدی گھر آ جاتے تھے۔ رزلٹ نکلنے کے بعد سے فہد احسن انکل کا آفس جوائن کر چکا تھا اور اپنی ریسٹورنٹ کھولنے کی خواہش کو گھر کے افراد کا کولیسٹرول بڑھا کے پوری کر رہا تھا۔ البتہ فارہ کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ گھر بیٹھے، دنیا جہان کے رسالوں میں کچھ نہیں تو پی ایچ ڈی تو کر ہی لے گی۔ ڈنر سے پہلے ان لوگوں کا پیکیجز مال میں شاپنگ کا بھی پروگرام تھا اور اس دفعہ وہ مما کے چشمے کا کام کرانا ہرگز بھولنے والی نہ تھی۔

"ڈلوا دیے ہیں اسفند نے اس میں گلاسز۔" اسے ہینڈ بیگ میں چشمے کا کیس رکھتے دیکھ کر مما نے جتاتے ہوئے اسے مطلع کیا۔

"اوہ اچھا۔" وہ کیس میں سے چشمہ نکال کر اسے دیکھنے لگی۔

"لیکن بیہ....." اس کے ہاتھ سے چشمہ لے کر انہوں نے اسے دکھایا۔ "یہ دیکھو..... یہ فریم ذرا ڈھیلا ہے، تم لوگ جا تو رہے ہو۔ کسی آپٹیشن کی دکان سے اسے ٹائٹ کرا لینا۔"

"اوکے، ٹھیک ہے۔" اس نے چشمے کا کیس ہینڈ بیگ میں ڈال لیا، اس سے پہلے کہ یہ چشمہ شاپنگ مال کی سیر کرا کے واپس اسی گھر میں آ جائے۔ اسے اسفند کے حوالے کر دینا چاہیے۔ سوچتے ہوئے وہ خالہ کی طرف آ گئی۔ ان صاحب کا بھی گلہ دور ہو جائے گا کہ آتی نہیں ہوں، ہلکی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے، وہ راہداری سے گزر رہی تھی جب اس نے شانزے کی آواز سنی۔

"ویسے مجھے ابھی بھی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں یہ جاب کروں یا ایم بی اے میں ایڈمیشن شروع ہونے کا انتظار کروں۔"

یہ کب آئی؟ شاید فارہ یا میرال نے فون کر کے

بلالیا ہو، ان آٹھ نو مہینوں میں اسے اتنا تو اندازہ ہو ہی گیا تھا کہ شانزے کی حیثیت ان دونوں گھروں میں گھر کے فرد کی سی ہے۔

''ایڈمیشن شروع ہونے تک تم گھر میں فارغ بیٹھ کر کیا کرو گی، جاب سے کم از کم تمہیں ایکسپیرینس تو ملے گا..... جب ایڈمیشن شروع ہوں گے، تم ایم بی اے میں ایڈمیشن لے لینا..... بس اب تم زیادہ نہیں سوچو اور یہ کانٹریکٹ سائن کرو۔'' اسفند نے اپنے سامنے رکھے لیپ ٹاپ کو اس کی طرف بڑھایا۔

''لیکن تم سیلری بھی تو دیکھو.....'' شانزے اٹھلاتے ہوئے بولی۔ ''اتنی تو میری پاکٹ منی بھی نہیں ہے۔

''سیلری کو نہیں تم اس ایکسپیرینس کو دیکھو جو تمہیں اس جاب سے حاصل ہوگا اور تجربے کا نعم البدل کچھ نہیں ہوتا اور ویسے بھی سیلری تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔ اتنے پیسے تو تمہیں دے کر بھی جاب کرنی پڑے تو کرو..... ایکسپیرینس کے لیے کرو۔'' اس سے زیادہ اس سے سنا نہیں گیا۔

''تمہیں ضرورت کیا ہے نوکری کرنے کی.....
جاب کی اپنی ٹینشن ہوتی ہے.....
جاب ایک ذمے داری کا نام ہے.....
ابھی تمہارا ایک ٹیمپو بنا ہوا ہے.....''

اس نے کیسے گاڑی اسٹارٹ کی..... کیسے گھر سے نکلی، اسے پتا نہ چلا بس اس کا یہاں سے بھاگ جانے کو دل چاہ رہا تھا۔ ان دو غلے لوگوں سے دور..... کتنا ڈبل اسٹینڈرڈ شخص ہے یہ..... کسی کے لیے کچھ خیال اور کسی کے لیے کچھ..... اسے جاب سے منع کرنے کا دکھ نہیں تھا، جاب تو وہ اب بھی کر سکتی تھی۔ جب آپ کسی کے مشورے پر عمل کرتے ہیں تو اس کی وجہ وہ اعتماد، وہ اعتبار، وہ بھروسا ہوتا ہے جو آپ کو اس شخص پر ہوتا ہے، وہ مقام ہوتا ہے جو آپ کا دل اسے دے چکا ہوتا ہے اور آج اسے دکھ اس اعتماد، اس بھروسے کے ٹوٹنے کا تھا۔ جاب کرنا نہ کرنا، اتنی بڑی بات نہیں تھی۔ اس اعتماد سے اس کی خوشیاں جڑی تھیں، صرف اعتماد نہیں ٹوٹا تھا۔ وہ ٹوٹ گئی تھی، بکھر گئی تھی۔ وہ مقام جو دل میں کسی کو دے چکی تھی، اس مقام سے کوئی منہ کے بل گرا تھا۔

☆☆☆

تھوڑی دیر پہلے وہ کتنے خوش کن احساسات میں گھری ہوئی تھی اور اب جیسے جادو کی چھڑی کسی نے گھما کے سب کچھ بدل دیا یا شاید اصلی روپ سامنے آ گیا تھا، اس کے اعصاب نہ ہی اسفند کے الفاظ کی بازگشت سے پیچھا چھڑا سکے تھے نہ ہی شانزے کی اس ایک جھلک سے جو اس نے راہداری کے ایک سرے پر کھڑے لاؤنج میں ایک سرسری نظر ڈالتے ہوئے فقط ایک لمحے کو دیکھی تھی۔ اسفند کے بالکل قریب صوفے پر بیٹھی، پیچھے سے نظر آتی خم دار گردن جو اونچا کر کے بنائے ہوئے جوڑے اور بوٹ شیپ گلے کی وجہ سے اور نمایاں ہو رہی تھی۔ سفید سلیولیس بلاؤز سے جھلکتے شانے اس دن تو بے حیائی کا بڑا رونا رویا جا رہا تھا۔ کیا یہی ہے وہ حیا اور حجاب جس کا پرچار کیا جا رہا تھا، اونہہ لوگوں کے چہروں پر کتنے نقاب ہوتے ہیں۔

☆☆☆

تقریباً ایک گھنٹے بعد میرال کی کال آئی۔

''کہاں ہو لیبا؟ ہم تمہارا ویٹ کر رہے ہیں۔''

''یار! بس یہ مما کے ریڈنگ گلاسز ٹھیک کرانے تھے۔''

''تو اکیلی کیوں نکلیں تم؟ سب ساتھ ہی نکلتے ناں، راستے میں کسی چشمے والی دکان سے ٹھیک کرا لیتے۔ میرال کے جھنجھلاہٹ بھرے متفکر سے لہجے پر اسے رونا آ گیا۔

''اچھا بس ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں، جلدی آؤ۔''

اور اسے معلوم تھا اس نے کیا کہنا ہے۔

''نہیں میرو! تم لوگ نکل جاؤ۔'' وہ بہت سکون سے بول رہی تھی۔

''مجھے یہاں دس پندرہ منٹ مزید لگیں گے، خواہ مخواہ پھر سب ہی لیٹ ہو جائیں گے۔ میں

ڈائریکٹ وہاں پہنچ جاؤں گی۔"

"اچھا۔" میرال کی بجھی بجھی سی آواز کے ساتھ ہی اس نے فون کاٹ دیا اور سائلنٹ پر کر دیا۔ چشمہ ٹھیک ہو گیا اور باقی سب بگڑ گیا۔

شام سات بجے کے قریب وہ گھر پہنچی..... آج پہلی بار مما کا اپنے گھر کے بجائے خالہ کے گھر ہونا سکون دے گیا۔ اسفند کی پندرہ سے زیادہ کالز کے جواب میں اس نے میسج لکھا۔

"آئی ایم سوری اسفند! اتنی دیر لگی، چشمہ ٹھیک کرانے میں۔ بہت تھک گئی ہوں اور سر میں درد بھی ہو رہا ہے۔ میرا آنا بہت مشکل ہے۔"

☆☆☆

دنیا میں سب سے زیادہ نقصان وہی شخص اٹھاتا ہے، جو اپنی خوشیوں کی چابی کسی اور کے حوالے کر کے پھر اس کا منہ دیکھ دیکھ کے زندگی گزارے کہ وہ کب اس پر احسان عظیم کرے..... لیکن یہ دل..... کیا یہ دل کسی کی سنتا ہے، آخر یہ انسان اتنا بے بس، اتنا بے وقوف کیوں ہوتا ہے..... کیوں اپنی خوشیوں کے لیے کسی دوسرے پر انحصار کرتا ہے۔ تف ہے تم پر لیہا رحمان! بابا نے تمہیں اتنا کمزور تو نہیں بنایا تھا، اپنے آپ کو مسلسل ملامت کرتے وہ صبح سے پتا نہیں کتنی جابز سے متعلق ایجنٹوں کو اپنی سی وی ای میل کر چکی تھی..... پھر بھی بس نہیں چل رہا تھا کہ کیا کر ڈالے پھر دماغ کو جکڑے، تناؤ سے چھٹکارا پانے کی خاطر فارہ کی طرف آ گئی۔

کچن میں شانزے کا کچھ بیکنگ کا پروگرام لگ رہا تھا۔ غالباً چیز کیک پہ طبع آزمائی کی جا رہی تھی۔ مروت کی ماری فارہ..... شانزے کو کمپنی دینے کے ساتھ ساتھ بڑی دل جمعی سے، چھوٹے، کا رول نبھا رہی تھی۔ ان سے دو چار رسمی باتیں کر کے وہ کچن کا جالی کا دروازہ کھول کے باہر گیلری میں نکل آئی۔ خیال تو سیڑھیاں چڑھ کے اوپر جانے کا تھا لیکن آسمان پر چھائی کالی گھٹاؤں نے جیسے قدم جکڑ لیے، وہ لان میں آ گئی، کرسی پر بیٹھتے نظر سیدھی اس شخص پر پڑی جو پتا نہیں پہلے سے ہنستا ہوا چلا آ رہا تھا یا اس کی اتری صورت دیکھ کے کھل اٹھا تھا۔ فہد کے ساتھ چلتا لان کی جانب قدم بڑھاتا، بھرپور جان دار مسکراہٹ اس کی طرف اچھالتا، وہ بنا پلک جھپکے تب تک دیکھتی رہی جب تک وہ اس کے سامنے آ کر بیٹھ نہ گیا۔

"موسم کتنا خوب صورت ہو رہا ہے۔" بادلوں سے ڈھکے آسمان کو دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ "اور کل کیا ہوا تھا تمہیں؟ کیوں اتنا تھک گئی تھیں۔ اب تو ٹھیک ہو نا؟" اس کے اتنی لگاوٹ سے پوچھنے کے جواب میں اس نے اس سے بھی زیادہ ہونٹ پھیلا کر مسکراہٹ سجائی۔

"جی..... ٹھیک ہوں اب، آپ لوگوں کا کیسا رہا پروگرام؟"

"بس یار! ان لڑکیوں نے شاپنگ کر کر کے حشر کر دیا، میں اور فہد تو بہت بور ہوئے۔" کہتے ہوئے اس نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر کوئی چیز نکالی۔ "یہ دیکھو، تمہارے لیے لی تھی۔" اس نے ایک کی چین جس میں سنہری زنجیر سے ایک چھوٹا سا ہیلی کاپٹر بندھا ہوا تھا، اس کے ڈھیلے سے ہاتھ کی مڑی ہوئی انگلیوں میں پکڑائی۔ "تمہیں یاد ہے، بچپن میں تمہیں جہاز ہیلی کاپٹر وغیرہ جمع کرنے کا کتنا شوق ہوتا تھا۔"

"ہاں، مجھے ہمیشہ سے فضول چیزوں کا ہی شوق رہا ہے۔" اس نے سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایک اور بھی گفٹ ہے تمہارے لیے..... سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، تمہارے لیے کیا لوں۔ کیا لوں بڑی دیر تک سوچتا رہا۔"

"سوچنے کی کیا بات تھی، آپ مجھ سے پوچھ لیتے، میں بتا دیتی۔" وہ اس کا جملہ ختم ہونے سے پہلے بول پڑی۔ "مجھے موبائل کا کور چاہیے تھا۔"

اس کی سادگی پر وہ اختیار ہنس پڑا۔

"موسم کتنا زبردست ہو رہا ہے۔" اسے دوبارہ کتاب کھولتے دیکھ کر اس نے کہا۔ "اب یہ کتاب چھوڑو، ایک کپ اچھی سی چائے پلا دو بلکہ اوپر تمہاری بالکنی میں بیٹھ کر پیتے ہیں۔" اس نے شاید زندگی میں

UUNOVELS.COM

پہلی بار اس سے کوئی فرمائش کی تھی۔
"چائے تو بنا دیتی ہوں لیکن اچھی کی گارنٹی نہیں دے سکتی۔" وہ کتاب بند کرتے ہوئے بولی۔
"دل سے بناؤ گی تو ضرور اچھی بنے گی۔" اس نے شاید اس کے سرد لہجے کو محسوس نہیں کیا تھا یا دانستہ نظر انداز کر دیا۔
"لیکن میں ہاتھوں سے چائے بناتی ہوں۔" پھر وہی مصنوعی سی مسکراہٹ سے ہونٹ پھیلاتے ہوئے وہ بولی۔
"بہت اسٹوپڈ لڑکی ہو..... انسان دل رکھنے کو کہہ ہی دیتا ہے۔ کچھ کام دل سے بھی کیے جاتے ہیں۔" اسے بغور دیکھتے ہوئے وہ بولا۔
"بالکل کچھ کام دل سے کیے جاتے ہیں۔" وہ اعتماد سے بولی۔ "لیکن اچھی چائے پھر بھی دل سے نہیں بلکہ صحیح تناسب سے بنتی ہے۔"
"اور دل سے کون سے کام کیے جاتے ہیں؟" اس کی آنکھوں میں شرارت چمکی۔
"دل سے....." وہ باقاعدہ سر ٹیڑھا کر کے سوچتے ہوئے بولی۔ "دل سے بھی کام ہوتے ہیں، جیسے پوئٹری..... لیکن پوئٹری میں کرتی نہیں۔" اس نے کاندھے اچکائے۔
"بس کرو۔" یہ بے تکی، فضول، بکواس اپنے مطلب کی جب کوئی بات سامنے نہ آئی تو وہ اکتا گیا۔ "ایک تو پہلے ہی فلو کی وجہ سے صبح سے سر بھاری ہے، اتنی مشکل سے میٹنگ اٹینڈ کی پھر رستے میں گاڑی خراب ہوگئی۔ اوپر سے تمہاری یہ بے سر و پا باتیں، تم سے خوامخواہ ہی میں نے چائے کا کہا، تم سے تو اچھا تھا میں....."
"شانزے سے کہہ دیتے۔" وہ فوراً بول پڑی۔
"تو وہ فوراً آپ کے لیے مسالا چائے بنا کر لے آتی، ہے ناں؟"
"وہ شانزے بی بی اندر چائے کے لیے بلا رہی ہیں۔" حامد بلاوا تو شاید ان دونوں کا ہی لایا تھا لیکن اس وقت صرف اسفند کو دیکھتے ہوئے ہی کہہ رہا تھا۔
"قبولیت کی گھڑی تھی، آپ کچھ اور ہی مانگ لیتے۔" کتاب اٹھائے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
"یہ کیوں بھول رہی ہو۔" ٹیبل پر سے کی چین اٹھا کے اس نے اسے پکڑائی۔ "تم نہیں آؤ گی کیا.....؟" اسے سیڑھیوں کی جانب قدم بڑھاتے دیکھ کر اس نے حیرت سے پوچھا۔
"آپ چلیں، میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔" کہتے ہوئے وہ آگے نکل گئی۔

☆☆☆

اگلے دن وہ لاؤنج میں بیٹھی کل کی بھیجی گئی میل کے جواب چیک کر رہی تھی، جب اسفند کی کال آئی اس نے فون بجنے دیا۔ تھوڑی دیر بعد میسج موصول ہوا۔
"کہاں ہو؟" اس سے پہلے کہ وہ اسے ڈھونڈتا اوپر آجائے، وہ لیپ ٹاپ بند کر کے اٹھ گئی۔ سیل فون ہاتھ میں اٹھایا پھر کچھ سوچ کے فون وہیں راہداری میں کنسول مرر پر چارجر سے لگا کے خود نیچے آنے کے لیے جیسے ہی دروازہ کھولا، سامنے وہ کھڑا نظر آیا۔
"لاؤ کہاں ہے تمہارا موبائل؟" کہتے ہوئے وہ اندر چلا آیا۔ وہ خاموشی سے اسے موبائل کا کور اتار کے اپنے ساتھ لایا، سلور گرے کلر کا کور چڑھاتے دیکھتی رہی، پھر نیلے رنگ کی چھوٹی سی مخملی ڈبیا اس کی طرف بڑھائی۔
"یہ رہا تمہارا دوسرا گفٹ، لوناں۔" اس کو ہاتھ نہ بڑھاتے دیکھ کر وہ بولا۔ "دیکھ تو لو۔" ڈبیا کھولتے ہوئے اس نے کہا۔ "پتا نہیں، تمہیں پسند بھی آئے کہ نہیں۔"
"اس کی کیا ضرورت تھی۔" فقط ایک نظر سفید نگوں سے جڑی چھوٹی چھوٹی بالیوں پر ڈال کر وہ منہ اونچا کیے جیسے گلہ کر رہی تھی۔
"تحفے کسی ضرورت کے تحت نہیں دیے جاتے لیہا! لیکن تحفہ دینے اور لینے سے جو پیار اور اپنائیت کا احساس ہوتا ہے، اس احساس کی ہر انسان کو ضرورت ہوتی ہے۔"
اس نے بے زاری سے اس کا فلسفہ سنا لیکن ہاتھ پھر بھی آگے نہ بڑھایا۔
"بھئی، میں نے سوچا، تم کوئی زیور تو پہنتی نہیں

UUNOVELS.COM

ہو یہ چھوٹی چھوٹی سی بالیاں ہیں..... شاید تم پہن لو۔"

"ہاں۔ میں زیور نہیں پہنتی۔" آج اسے کل والی رسمی مسکراہٹ کی بھی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

"مجھے شوق ہی نہیں ہے۔" بڑے اٹل انداز میں مزید وضاحت بھی کر دی۔

"بندہ دل رکھنے کو ہی کہہ دیتا ہے۔" اپنی خوشی میں اس کے بدلے ہوئے لہجے کو کوئی معنی پہنائے، بغیر اس نے مسرور سے انداز میں بڑے رسان سے کہا۔

"آپ کو پتا ہے، مجھے دل رکھنا نہیں آتا۔" بے تاثر خالی نظروں سے اس نے اس کی شوخ آنکھوں میں سیدھا دیکھا اور اسی لمحے اسے کچھ گڑبڑ کا احساس ہوا۔

"کیا بات ہے لیہا! کسی بات پہ ناراض ہو مجھ سے؟" وہ صرف نفی میں سر ہلا سکی۔ "چلیں نیچے، مما بھی نیچے ہی ہیں، سب چائے پر انتظار کر رہے ہیں۔"

"چائے کو چھوڑو۔ یہ بتاؤ، مسئلہ کیا ہے۔ کل بھی تم عجیب سی باتیں کر رہی تھیں، میں پہلی دفعہ تمہارے لیے کچھ لے کر آیا ہوں اور تم..... ایسے کوئی کرتا ہے کیا۔" اس نے اپنائیت سے پوچھا۔

"تو کس نے کہا تھا، میرے لیے کچھ لے کر آئیں، ہاں....." ایک دم سے اپنی غلط بیانی کا اندازہ بھی اچانک ہوا۔ "موبائل کا کور میں نے ضرور کہا تھا، اس کی ضرورت بھی تھی لیکن یہ بالیاں وغیرہ میں نہیں پہنتی۔ آپ یہ انہیں دیں جو یہ پہنتی ہوں۔"

"کسے؟" میکانکی انداز میں اسے بغور دیکھتے اس کے منہ سے نکلا۔

"بھئی بہت سی لڑکیاں ہیں جو زیورات شوق سے پہنتی ہیں، جیسے....." ہچکچاتے ہوئے اس نے اپنے لہجے کو سرسری سا رنگ دینے کی کوشش کی۔ "جیسے شانزے....."

"لیکن میں یہ شانزے کے لیے تو نہیں لایا۔" وہ گہری نظروں سے اسے دیکھتا ہوا بولا۔

"تو دے تو سکتے ہیں ناں..... وہ خوش بھی ہو جائے گی۔" اس کی چبھتی نظروں سے گھبرا کر وہ بات ختم کر کے جانے لگی۔

"رکو لیہا!" وہ ایک قدم بڑھا کے اس کے سامنے آ کے کھڑا ہو گیا۔ "ابھی بات ختم نہیں ہوئی..... اس دن..... پرسوں..... تم آئی تھیں دوپہر میں۔ میں لیپ ٹاپ کا چارجر لگانے اٹھا تو تمہیں کوریڈور سے نکلتے دیکھا۔ میں سمجھا تم شاید میرال کے پاس آئی ہو..... ایسا کیا دیکھ لیا، تم نے میرے اور شانزے کے بیچ جو اتنا ناراض ہو رہی ہو..... میں صرف اس کے ساتھ بیٹھا ہی تو تھا۔" اس کی وضاحت پر اس کا چہرہ تپ گیا۔ "مجھے کیا آپ..... آپ جس کے مرضی ساتھ بیٹھیں۔"

"تو پھر؟" اس نے سختی سے اسے گھورا۔

"تو پھر کیا؟" وہ حیرت طاری کرتے ہوئے بولی۔ "میں کیوں آپ سے ناراض ہونے لگی۔ لائیں دیں۔" اس نے جھٹکے سے وہ نیلی ڈبیا اس کے ہاتھ سے کھینچی۔

"ٹھیک ہے اب؟ اب چلیں نیچے۔"

"خبردار..... ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھانا۔ میں کون سا اس سے اظہار عشق کر رہا تھا، جو تم یوں منہ بنائے پھر رہی ہو۔"

اس کی بات پر وہ پانی پانی ہو گئی۔ کچھ کہنے کے قابل ہی نہ رہی۔

"مم..... مجھے کیا..... آپ جس سے مرضی اظہار عشق کرتے پھریں۔" بڑی مشکل سے اس کے منہ سے نکلا، پھر کتنی دیر خفت سے سرخ چہرہ لیے سر جھکائے کھڑی رہی۔

وہ کتنی ہی دیر اسے یوں اپنے آپ سے لڑتا دیکھتا رہا، پھر پتا نہیں کیا سوچ کے اس کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"ویسے اتنے پیار سے اگر میں یہ بالیاں شانزے کے لیے لاتا ناں....." مسکراہٹ دباتے اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"تو جائیں..... دے آئیں اسے..... پہنا آئیں..... پورے کر لیں اپنے دل کے ارمان۔" آنکھوں میں تیرتے آنسوؤں کے ساتھ اس نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔

UUNOVELS.COM

''دیکھو لیہا! مجھے نہیں پتا، تم کس بات پر خفا ہو، میں وجہ جانے بغیر تم سے سوری کرتا ہوں۔ میں تمہیں یوں ناراض، پریشان، تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔'' کہتے ہوئے اس نے اس کے آنسو پونچھنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو اس نے غصہ سے جھٹک دیا۔

''رہنے دیں یہ دکھاوے کی.....'' کہتے کہتے وہ رک گئی۔ ''محبت'' لفظ کہنا اسے خود بہت عجیب لگا۔

''دکھاوے کی کیا..... میں نے ایسا کیا دکھاوا کیا ہے۔'' وہ صحیح معنوں میں اب پریشان ہوا۔

''جیسے..... جیسے میرا بہت خیال ہو۔'' سر جھکائے آنکھ کے کونے میں اٹکا آنسو انگلی سے صاف کرتے اس کا دل بھر آیا۔

''تمہیں اس بات سے لگا کہ مجھے تمہارا خیال نہیں؟'' وہ اندیشوں میں گھرا پوچھنے لگا۔

''جب میں نے پوچھا کہ میں جاب کرنا چاہتی ہوں تو آپ نے کیا کہا، کیا ضرورت ہے جاب کرنے کی، ابھی ریسٹ کرو۔ کیا کرنا ہے جاب کر کے۔''

آنکھوں میں تیرتے آنسوؤں کے ساتھ بھرائی ہوئی آواز میں بھی وہ اس کی نقل اتار رہی تھی۔

''اور شانزے کو کیسے سمجھا رہے تھے، ضرور ضرور کرو جاب..... سیلری کو نہیں ایکسپیریئنس کو دیکھو۔''

''اوہ گاڈ لیہا! تو تم اس بات پر ناراض ہو گئیں، یعنی واقعی میں یہی بات ہے یا کچھ اور بھی بکواس ہے؟'' اسے جیسے اب بھی یقین نہ آیا۔ ''میں تو تمہیں کافی عقل مند سمجھتا تھا۔''

''تو عقل مند ہوں تب ہی آپ کا دوغلا پن پکڑا ہے۔''

''واہ کیا کہنے آپ کی جاسوسی کے۔'' وہ مسکرایا۔

''میرا دل تو نہیں چاہ رہا کہ کوئی بھی صفائی دوں لیکن میرے بارے میں ایک بات جان لو۔'' وہ قطعی انداز میں بولنا شروع ہوا۔ ''میں جو کسی کے لیے بہتر سمجھتا ہوں۔ وہی مشورہ انہیں دیتا ہوں، تین سال پہلے شانزے نے بی بی اے کیا تھا۔ ہر سال وہ ایم بی اے کرنے کا صرف سوچتی ہے، ایڈمیشن نہیں لیتی..... اور نہ ہی اس نے کبھی جاب کی کوشش کی اور ان چار سالوں میں اس کی چار منگنیاں ٹوٹ چکی ہیں۔ فہد کے ماموں کے گھر ہمارا بچپن سے آنا جانا ہے۔ شانزے یہ جو ہمارے گھر کچن میں کچھ بنا لیتی ہے۔ اپنے گھر میں وہ بھی نہیں بناتی۔ اپنی امی یا بھابھی سے ناراض ہو کے ہفتہ ہفتہ کے لیے یہاں آ جاتی ہے یا اپنی خالہ کے پاس دو دو مہینوں کے لیے کراچی چلی جاتی ہے۔ اب ایسی لڑکی کے لیے تو میں یہی چاہوں گا ناں کہ اگر اپنے مستقبل کی فکر نہیں بھی کر سکتی تو کم از کم اپنی روٹین لائف ہی صحیح، بامقصد طریقے سے گزارے۔''

وہ سانس لینے کو رکا۔

''اور اگر تمہاری عقل میں سیاق و سباق کی روشنی ہی میں سمجھ میں آ سکتا ہے تو وہ جو تم پر کچھ عرصہ پہلے اسکول کھولنے کا بھوت سوار ہوا تھا اور جا کے پسند بھی کر آئی تھیں، تم نے دوبارہ وہاں جا کے معلوم کرنے کی زحمت کی کہ اس اسکول کا کیا بنا؟'' وہ صرف اسے حیرت سے دیکھتی رہی۔

''وہ اسکول میں تمہارے لیے خرید چکا ہوں کہ شاید شہزادی صاحبہ خوش ہو جائیں۔'' اس کی حیرت دفعتاً بے پناہ مسرت میں تبدیل ہو گئی۔ گلابی تمتماتے چہرے پر شرمگیں مسکراہٹ کو روکتے وہ اسے بہت پیاری لگی۔

''اب میری بات دھیان سے سنو لیہا!'' اس نے سنجیدگی طاری کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ''میں تمہیں کتنا ہی کیوں نہ چاہتا ہوں لیکن ہر دفعہ تمہیں منانے کی خاطر اسکول یا کالج کا تحفہ نہیں دے سکتا۔'' شرماتے ہوئے اس نے اس کے اپنی طرف بڑھاتے ہاتھوں کو پیچھے دھکیلا تو وہ ہنسنے لگا۔

''اور اب تم مجھے بتاؤ، کیا تم ہر دفعہ ایسے ہی بدگمان ہوا کرو گی۔ بات بات پہ یوں ہی شک کرو گی، ایسے اندازے لگایا کرو گی میری محبت کے..... اور مجھے کٹہرے میں کھڑا کرو گی کہ میں صفائیاں دیتا رہوں..... تم نے ساری زندگی پاکستان سے باہر گزاری تھی۔ تمہارے لیے یہ ماحول نیا تھا۔ میں بس یہ چاہتا تھا کہ پہلے تم یہاں اس ماحول میں ایڈجسٹ کر جاؤ۔ دوسرا میں یہ بھی چاہتا۔

UUNOVELS.COM

تھا کہ ابھی فی الحال تم پر کسی قسم کی ذمہ داری نہ پڑے۔ نہ جاب کی، نہ کسی اور چیز کی۔ تم بس آرام کرو، ریلیکس رہو، انجوائے کرو اور اسکول کے بارے میں تمہیں اس لیے نہیں بتایا تھا کہ ابھی گرمیوں کی چھٹیوں میں اس کا رنگ و روغن وغیرہ کرا کر فرنیچر تبدیل کر کے تمہیں سرپرائز دینا چاہتا تھا۔"

"کیا مطلب..... صرف رنگ و روغن اور فرنیچر تبدیل کرنا ہے کیا؟ اس کا اسٹاف نہیں بدلنا۔ وہی تو زیادہ ضروری ہے۔" وہ جیسے ساری باتیں بھول کے چونکی تھی۔ "آپ کو پتا ہے، صرف ایف اے بلکہ میٹرک پاس ٹیچرز ہیں اس اسکول میں، وہ کیا پڑھاتی ہوں گی بچوں کو؟ اور سٹیکس پتا ہے آپ کو..... کون سا چل رہا ہے وہاں؟"

"لیہا....." اس نے غصہ سے اسے گھورا۔ "تمہیں ناں..... مار پڑنی چاہیے۔" اور اس دفعہ اپنی طرف بڑھتے اس کے ہاتھوں کو پیچھے دھکیلتی وہ کھلکھلا کے ہنس پڑی۔ اسی وقت دروازے کا ہینڈل گھمانے کی آواز پر وہ چونکی۔ "ممی آ گئیں، آپ جائیں۔"

"تو کیا ہوا؟" وہ حیرت سے اسے یوں بوکھلاتے اور جھپاک سے ڈرائنگ روم کے دروازے کے اندر غائب ہوتا دیکھتا رہ گیا۔

اندر کمرے میں اپنے دھڑکتے دل پر قابو پاتے، اپنی آنکھوں اور چہرے کو ہاتھوں سے صاف کرتے اس نے مما کی آواز سنی۔

"اچھا تو تم اوپر ہو..... لیہا کہاں ہے؟"

"ابھی تو ادھر ہی تھی میرے ساتھ..... آپ کے آتے ہی اندر بھاگ گئی۔"

"اف بدتمیز انسان....." اسے اس بکواس کی توقع نہیں تھی۔ دو تین گہرے گہرے سانس لے کر اس نے اپنی سانسیں ہموار کیں اور دروازہ کھول کے باہر نکل آئی۔

"مما دیکھیں....." بالوں کو کان کے پیچھے اڑستے بڑے معمول کے سے انداز میں کوریڈور میں ان کے پیچھے چلتے اس نے آواز کو میٹھا بناتے ہوئے کہا۔

"اسفند آپ کے لیے کتنا پیارا گفٹ لے کر آئے ہیں۔"

"اچھا کون سا گفٹ؟" صوفے پر ڈھیلے ڈھالے انداز میں بیٹھتے ہوئے انہوں نے پیار بھرے اشتیاق سے اسفند کو دیکھا۔

"خیر آپ کا گفٹ تو میرے کمرے میں پڑا ہے۔" اس نے ایک خفیف سی تیکھی نظر اس پر ڈالی۔

"یہ تو..... میں آپ کی لاڈلی کے لیے لایا ہوں۔" سنجیدگی سے کہتے ہوئے اس نے وہ چھوٹی سی ڈبیا کھول کے ان کے حوالے کر دی اور خود ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھتے ہوئے اس کے متحیر و حیران چہرے کو دوبارہ دیکھا کہ اب بولو۔

"بہت خوب صورت ہیں ماشاء اللہ۔" انہوں ستائشی نظروں سے نازک سی جھلملاتی بالیوں کو دیکھتے ہوئے تعریف کی۔ "آپا کو دکھائیں؟"

"حد ہے خالہ!" اس نے بالیاں واپس لے کر ڈبیا بند کرتے ہوئے انہیں حیرت سے دیکھا۔ "ارمغان کوئی چیز حرا کے لیے لیتا ہے تو کیا امی کو دکھاتا ہے؟"

"اوہ....." انہوں نے ہونٹ سکیڑتے ہوئے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔ گویا کہہ رہی ہوں، بات تو معقول ہے اور وہ ان دونوں کے بیچ ایسے کھڑی تھی جیسے کوئی پتھر کی مورت ہو یا جیسے کوئی چھوٹا بچہ جادو دیکھتے ہوئے حیران و پریشان منہ کھولے کھڑا کا کھڑا رہ جائے۔

"ویسے وے کس موقع پر رہے ہو؟" اسے مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے انہوں نے دوسرا اہم سوال پوچھا۔

"اب موقع تو آپ لوگ ہی ڈھونڈیں گے۔"

"چلو پھر ڈھونڈتے ہیں..... کوئی موقع۔" اپنا چشمہ اتار کر فولڈ کرتے ہوئے انہوں نے بھرپور انداز میں مسکراتے ہوئے اسے دیکھا جس کی اس وقت ساری توجہ کا مرکز ہاتھوں میں تھامی وہ چھوٹی سی نیلی ڈبیا تھی۔

رات بارہ بجے اسفند کی کال اس نے نیند سے

UUNOVELS.COM

بھری آنکھیں ملتے اٹینڈ کی۔
"بڑے افسوس کی بات ہے۔" اس نے چھوٹتے ہی گلہ کیا۔
"کیا؟" اس نے جمائی روکتے ہوئے پوچھا۔
"تم نے ابھی تک میرا میسج نہیں پڑھا۔"
"کون سا میسج؟" نیند میں ڈوبی اس کی آواز سن کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ "ایک گھنٹہ پہلے تمہیں ایک میسج کیا تھا۔" وہ فون بند کر کے اپنی زندگی کا پہلا لو لیٹر پڑھنے لگی۔

☆☆☆

اتوار کا دن تھا، چائے کے لیے چولہے پر چڑھائی دیگچی میں ابلنے کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ وقت گزاری کے لیے وہ کاؤنٹر پر رکھے مٹھائی کے ٹوکرے میں سے ایک گلاب جامن اٹھا کر کچن سے منسلک بالکنی میں آ گئی۔
ایک ہاتھ سے گلاب جامن کھاتے دوسرا ہاتھ عادتاً اپنے ہلکے ہلکے گیلے بالوں میں پھیرتے اس کی نظر نیچے لان میں بیچ کی دیوار کے ساتھ بنی پھولوں کی کیاری سے ہوتی ہوئی بلا ارادہ ہی گیراج میں احسن انکل کی بلیک ٹویوٹا کے ساتھ کھڑی نعمان کی موٹر سائیکل پر ٹھہر سی گئی۔ پھر پتا نہیں اتنی دیر وہ کیا دیکھتی رہی کہ نیچے سے فارہ کے گلا پھاڑ کر مخاطب کرنے پر چونکی۔
"تم کیا کر رہی ہو؟"
"گلاب جامن کھا رہی ہوں۔" اس کی بات پر وہ تینوں ہنسنے لگیں۔
"امی لوگ آ جائیں پھر ہم بھی اوپر آتے ہیں گلاب جامن کھانے۔" میرال نے منہ کے گرد دونوں ہاتھ رکھ کر اونچی آواز میں کہا اور پھر وہ تینوں اسے ہاتھ ہلاتے ہوئے بیچ کے چھوٹے دروازے سے خالہ کی طرف والے لان میں داخل ہونے لگیں۔
بند ہوتے ہوتے دروازہ پھر سے کھلا اور ماریہ نے ایک مرتبہ پھر اسے ہاتھ ہلایا تو وہ بھی اپنا بڑا سا ہاتھ نکال کر ہوا میں لہرانے لگی، دفعتاً اندر کچن میں ہونے والی کھٹ پٹ پر اسے محسوس ہوا کہ کوئی آیا ہے۔
"یہ کتنے لوگوں کے لیے چائے بنا رہی ہو تم؟"
اسفند مخاطب تو اسی سے تھا لیکن فی الحال عجلت بھرے انداز میں فریج سے دودھ نکال کے ساس پین میں ڈال رہا تھا۔ وہ تو ویسے ہی اسے یوں کچن میں کام کرتا دیکھ کے ٹھٹک گئی تھی، اس کے سوال پر مزید الجھن کا شکار ہونے لگی۔
"سب کے لیے۔"
"سب مطلب؟" چولہا جلا کر سگھڑ بیبیوں کی طرح آنچ کو درمیانی پر سیٹ کرتے ہوئے اس نے دوبارہ پوچھا۔
"بھئی خالہ، خالو، مما....." وہ انگلیوں پر گنتے چلتے ہوئے کاؤنٹر کے سامنے آ گئی۔ "نگہت آنٹی، نعیمہ آنٹی، احسن انکل....."
"اور میں یعنی کل سات افراد..... اور دیگچہ تو چائے کا ایسے چڑھایا ہے کہ جیسے پوری بارات کے لیے چائے بنا رہی ہو۔" اس پر نظر ڈالے بغیر وہ یہاں وہاں نظریں دوڑائے، پتا نہیں کیا ڈھونڈ رہا تھا۔ "اس دن تو بڑے علم کے موتی بکھیرے جا رہے تھے۔"
بالآخر اسے گرم دیگچی کو پکڑنے کے لیے کپڑا مل ہی گیا۔ دیگچی کا آدھے سے زیادہ پانی سنک میں بہا دینے کے بعد شاید وہ کچھ اور زریں ارشادات کے موڈ میں تھا کہ میسج کی بیل پر اپنے موبائل کی طرف متوجہ ہو گیا۔
"ابھی صرف بات پکی ہوئی ہے، شادی نہیں ہوئی جو آپ مجھے ایسے طعنے دینے لگے ہیں۔" چائے کی ٹرالی کپڑے سے صاف کرتے وہ ناراضی کا برملا اظہار کر رہی تھی اور پتا نہیں اس نے موبائل پر کوئی لطیفہ پڑھا تھا یا کون سی ایسی بات ہوئی تھی کہ اس کی گہری مسکراہٹ ہنسی میں تبدیل ہو گئی۔
"اونہہ..... دوسروں کے تو میسجز بھی اخلاقیات نبھاتے ہوئے کھولے جاتے ہیں۔" وہ نروٹھے پن سے بڑبڑائی۔
"لیہا! تم اپنے آپ کو دوسروں سے کمپیئر کرنا چھوڑ دو۔" اس کے ناراض بگڑے سے تیور دیکھتے

UUNOVELS.COM

ہوئے وہ نرم پڑ گیا۔ ''یار یہ میسج نہیں نت نئی گالیاں ہیں جو شارق صبح سے مجھے بھر بھر کے بھیج رہا ہے، جب سے میں نے اسے اپنی اور تمہاری بات پکی ہونے کی خبر سنائی ہے۔''

''کیا..... کس قدر فضول ہے آپ کا دوست۔'' وہ سب کچھ بھول بھال کے کمرے پر ہاتھ ٹکا کے حیرت کا مظاہرہ کرنے لگی۔

''وہ تو بڑی تہذیب سے میسج کر رہا ہے۔'' وہ موبائل بند کر کے اب مٹھائی کی طرف متوجہ تھا۔ ''جب اس نے تمہارا رشتہ بھیجا تھا تو..... میں تو اس کے گھر جا کے اسے گالیاں دے کے آیا تھا۔''

صفائی کا کپڑا اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور حیرت کے اظہار کے طور پر اب کی بار اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے گالوں پر جما دیئے۔ ''یہ..... یہ تو بہت بری، بہت غلط بات ہے۔''

''ارے بھئی مذاق میں۔'' وہ پتا نہیں کون سی مٹھائی کھانا چاہتا تھا جو اس سے سلیکٹ ہی ہیں ہو پا رہی تھی۔

''مذاق..... مذاق کا یہ کون سا طریقہ ہے۔ اس قدر بے ہودہ.....''

''افوہ.....'' بالآخر اسے مٹھائی کے ٹوکرے میں اپنی من پسند چیز مل ہی گئی۔ ''یار لڑکے سب ایسے ہی کرتے ہیں۔''

''کیا کوئی بات..... صرف اس لیے کہ سب کرتے ہیں۔ غلط سے صحیح میں تبدیل ہو جاتی ہے؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''پتا نہیں۔'' وہ پتا نہیں کون سی برفی کی قسم منہ میں ڈالتا ہوا بولا۔

''دیکھو یہ افلاطونی بحث کسی اور وقت کے لیے اٹھا چھوڑو۔ ابھی دیکھو، وہ پانی ابل رہا ہے، پتی ڈالو۔'' وہ بے نیازی سے کہتا چلتا بنا۔ پتا نہیں جتنی تیزی اور سہولت سے بری عادتیں اپنائی جاتی ہیں، اچھے کام کیوں نہیں اپنائے جاتے۔ اب چاہے وہ گالیاں ہوں، ناچ گانا ہو یا فیشن کے نام پر ادھڑی پھٹی جینز پہننا ہو..... ویسے تو لوگ مر جائیں لیکن پیوند لگا کپڑا نہ پہنیں لیکن گھسی پٹی پھٹی جینز پہن کر اعلا سے اعلا تقریب میں جا سکتے ہیں۔ یہ احساس کمتری ہے..... جہالت ہے، علم کی کمی ہے یا وہ لذت جو ہر برائی میں آزمائش کے لیے رکھی گئی ہے۔

باریک کناروں والی نازک سی دودھیا پلیٹیں اور کپ قرینے سے ٹرالی میں رکھتی وہ سوچ گئی۔

گرم بھاپ اڑاتی خوشبودار، سنہری رنگت والی چائے کو دیکھتے اسے اسفند کی قابلیت پر یقین آ گیا۔ وہ دیگچہ بھر چائے یقیناً ایسی نہ بنتی ہے تو بات خیر خاصی پرانی.....

ایک دن فہد نے یوں ہی باتوں باتوں میں خالہ کے گھرانے کی خوش قسمتی اور خوش نصیبی کی ایک بڑی وجہ گل بی بی کے ہاتھوں کی بنی چائے کی ہمہ وقت دستیابی کو قرار دیتے ہوئے موازنے کے طور پر کہا کہ حامد کی چائے پینے سے تو بہتر ہے بندہ زہر پی لے تو ہنستے ہوئے فارہ نے اس کا کاندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا کہ خیر ہماری لیہا بھی حامد کے مقابلے پر ہی چائے بناتی ہے۔

اسے یہ تو اندازہ ہو ہی گیا تھا کہ یہ کوئی اعزاز کی بات نہیں بلکہ اس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے لیکن ابھی دماغ پر بہت زور ڈالنے پر بھی اسے یاد نہ آیا کہ اس وقت اسفند کہیں پاس سے بھی گزرا ہو۔ خیر چائے بنانا کوئی اتنا بھی مشکل کام نہیں.....

چائے کی تازگی سے بھرپور مہک کو اس نے اپنے اندر اتارتے سوچا۔ مٹھائی اور دیگر لوازمات کے ساتھ چائے اندر پہنچا کے وہ دوبارہ بالکنی میں آ گئی اور پچاس دفعہ کا پڑھا ہوا اسفند کا میسج دوبارہ پڑھنے لگی۔

''سوچا تھا، تمہیں کسی خاص موقع پر دوں گا لیکن پھر رہ نہ سکا۔ پاپا کی ڈائری کا یہ آدھا صفحہ یقیناً تمہاری پوری زندگی میں بہت خاص اہمیت کا حامل ہوگا، اب اسے پورے دل سے پڑھو۔

رات کے دو بج رہے ہیں اور میں اپنے کمرے میں بیٹھا سوچ رہا ہوں کہ اس ملک کا بھی کچھ قرض ہے جو اتارنا ہے۔ یہ ملک جس میں ایک طرف صنعت کاروں، فوجی جنرلوں، دولت مندوں کی عیاشیاں

UUNOVELS.COM

ہیں تو دوسری طرف بھوک و افلاس سے مرتے عوام کی خودکشیاں ہیں۔

کاش کہ تم ہوتے تو ہم قدم سے قدم ملا کر چلتے تمہیں یاد ہے۔ جب ہم دونوں گاؤں کے چھوٹے سے اسکول میں ساتھ پڑھتے تھے۔ اس وقت میں ہمیشہ بڑا آدمی بننے کے خواب دیکھتا تھا اور تم ملک و قوم کی خدمت کرنے کے..... یونیورسٹی کے زمانے میں تمہاری ملک و قوم پر جذبے نچھاور کرتی باتیں حب الوطنی کے جذبوں سے سرشار تقریریں لوگوں کا دل موہ لیتیں۔ میں نے لوگوں کے دلوں کو بدلتے دیکھا تھا لیکن تمہارے یوں ملک چھوڑ کر چلے جانے پر میں تمہارے وہ سارے وعدوں کو ریت پر لکھی تحریریں سمجھا، جنہیں خواہشوں کا سمندر اپنے ساتھ لے ڈوبا۔ میں سمجھا، تم صرف گفتار کے غازی تھے۔ میں جو عمل پر یقین رکھتا تھا آگے سے آگے بڑھنے کی دھن میں سوار خدا کی عطا کی ہوئی عزت، دولت، شہرت کو اس کی آزمائش کے بجائے اپنا نصیب، اپنی محنت کا انعام سمجھ کر سمیٹتا رہا۔

میں حیران رہ گیا۔ ایک چھوٹی سی بچی کیسے ہر چیز پر اللہ کی رضا کو فوقیت دیتی ہے۔ عزت، دولت، شہرت..... دنیاوی ہر نعمت کے مقابلے میں اللہ کی رضا کو سب سے اوپر رکھتی ہے۔

تمہیں یاد ہے تم ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ سب سے بدنصیب وہ شخص ہے جو دنیاوی زندگی کے حصول کے لیے اپنا مقصد بھول گیا، خدا کو راضی کرنا بھول گیا۔ بتاؤ رحمان! کیا خیالات منتقل ہوتے ہیں۔ کیا خواب بھی ٹرانسفر ہوتے ہیں۔ کیا جذبے بھی وراثت میں ملتے ہیں..... یا صرف سوچوں کی پرورش کی جاتی ہے..... جو تم نے کی۔"

موبائل کی کالی ہوتی اسکرین پر پانی کا شفاف قطرہ ٹپکا، انگلی سے موبائل پر سے اپنے آنسو کو صاف کرتے اس نے دھندلی آنکھوں سے اسفند کو باکنی میں آتے دیکھا۔

"لیہا! میں تو تمہیں سب سیٹ کر کے دے کے گیا تھا پھر یہ تم نے کیسی بنائی ہے۔" وہ شاید تکلیف کی شدت سے گلہ سہلاتا بول رہا تھا۔

"ایسا لگ رہا ہے جیسے گلا کٹ رہا ہو..... کیا ملایا ہے تم نے چائے میں؟"

"کیا ہوا؟" وہ پریشانی اور گھبراہٹ میں دفعتاً کھڑی ہوگئی۔ "اور باقی سب لوگ؟" کہتے ہوئے وہ شاید تیزی سے اندر جانے لگی تھی کہ اس نے اس کا بازو پکڑ کے روک لیا۔

"وہ لوگ تو سب آرام سے پی چکے ہیں لیکن مجھ سے تو آدھا کپ بڑی مشکل سے پیا گیا۔" وہ اونچا لمبا چوڑا بندہ آنسوؤں بھری سرخ آنکھیں لیے تکلیف سے گلا سہلا رہا تھا۔

"ایک منٹ....." وہ ہاتھ چھڑا کے اندر کچن میں بھاگی اور جب آدھے منٹ بعد واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں پانی کا گلاس تھا۔

"اصل میں..... سب کے لیے تو میں نے سادہ چائے بنائی تھی، وہ آپ کو مسالا چائے پسند ہے نا تو..... شانزے نے کہا تھا اگر تھوڑا سا گرم مسالا ڈال دو تو بہت اچھا فلیور آتا ہے تو میں نے تھوڑا سا زیادہ ڈال دیا۔"

وہ شرم سے گڑی بڑی مشکل سے بول رہی تھی۔

"پھر بھی یار....." پانی پی لینے کے بعد بھی اسے کسی طور چین نہیں آرہا تھا۔ "اتنا خوف ناک ذائقہ تو نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

"ہاں ناں..... لیکن ناں..... اصل میں ناں، وہ گرم مسالے کے بجائے..... ناں مجھ سے وہی بڑوں کا مسالا ڈل گیا۔"

گلے کو سہلاتا اس کا ہاتھ رک گیا، وہ خود بھی جیسے ساکن ہوگیا۔

"شکر ہے باقی سب کو مسالا چائے پسند نہیں۔" کافی دیر بعد وہ بولا۔ "کچھ اور تو نہیں سیکھا نا تم نے شانزے سے؟" وہ سنجیدگی سے اس سے پوچھ رہا تھا اور نفی میں سر ہلاتی وہ مستقل ہنس رہی تھی۔

UUNOVELS.COM

افشین نعیم

یار دلدار

موناسیم، فون سن کر فارغ ہوئیں تو خوشی سے بے حال تھیں۔

''سائیکل، سائیکل!'' انہوں نے باآواز بلند

UUNOVELS.COM

سائیکل کو پکارا۔

"جی میم!" سائیکل بوتل میں سے جن کی مانند نمودار ہوا۔

"ارے کچھ سنا تم نے!" بولیں تو آواز خوشی کے مارے کانپ رہی تھی۔

"جی میم، ام نے آپ کے منہ سے اپنا نام سنا۔ آپ بول رہی تھیں سائیکل، سائیکل۔" سائیکل نے جو سنا تھا فوراً سے بتا دیا۔

"ارے، یہ نہیں....." بولتے بولتے خاموش ہوئیں۔

"اچھا چلو۔ میں بتاتی ہوں....."

"میری بیٹی اور نواسی پاکستان آرہی ہیں۔" انہوں نے کہنا شروع کیا۔

"یہ تو بہت خوشی کا بات ہے۔" بمشکل خوش ہو کر بولا۔

"ہاں....." انہوں نے سر ہلایا۔

"اور اس سے بھی زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ اس مرتبہ وہ پاکستان بیٹی کی شادی کرنے آرہی ہے۔"

"او خدایا، کتنا مزا آئے گا..... ہمارا گھر میں شادی کا رونق ہوگا۔ واللہ واللہ!" سائیکل دونوں مٹھیاں بھینچ کر جھومنے لگا۔

"اچھا، تو بات سنو، میری غور سے۔" سائیکل ان کی طرف متوجہ ہوا۔

پندرہ دن میں پہنچ جائیں گے وہ لوگ، ان کے آنے سے پہلے پہلے، اوپر والا پورشن وائٹ واش کروانا ہوگا۔ تم ایسا کرو۔ ان لڑکوں کو بتا دو کہ اوپر کے دونوں پورشن وائٹ واش ہوں گے۔ لہٰذا جو سامان سمیٹنا ہے۔ سمیٹ لیں، یہ نہ ہو کل کو مزدوروں کو دیکھ کر شور مچانا شروع کر دیں۔ میں ابھی ٹھیکے دار کو فون کرتی ہوں۔" بولتے ہوئے ان کا سانس پھولنے لگا۔

"میم، ان لوگ والا پورشن سفیدی کروانے کا ضرورت ہی کیا ہے۔ ام صرف بی بی صاب والا پورشن چمکاتا ہے۔" سائیکل نے اپنی عقل ــــ کے مطابق مشورہ دیا۔

"نہیں بھئی، گھر کون سا روز روز وائٹ واش ہوتے ہیں۔ اب ہو رہا ہے تو ایک ہی بار کام نمٹ جائے۔" وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولیں۔

"انٹیریئر ڈیکوریٹر کا نمبر بھی ڈھونڈنا پڑے گا۔ فرنیچر اور سیٹنگ سب نئے طور پر ــــ ہو جائے تو بہتر ہے۔"

وہ خود کلامی کے سے انداز میں بولتی اندر کی جانب بڑھیں۔

"واہ بھئی واہ..... شادی، شادی، رونق، رونق....." سائیکل نے دونوں بازو اوپر کر کے باقاعدہ بھنگڑا ڈالنا شروع کر دیا۔

☆☆☆

"یار، یہ ہفتہ کس قدر لمبا ہو گیا ہے نا، اور ویک اینڈ آتے آتے تو یوں لگنے لگا گویا پورا سال ہی گزر گیا ہو۔"

حیدر، حسرت سے موبائل کو دیکھتے ہوئے بولا، جس پر ابھی ابھی وہ بیگم سے بات کر کے فارغ ہوا تھا۔

"او بھائی، ہفتہ پہلے بھی اتنا ہی لمبا ہوتا تھا اور ویک اینڈ بھی اتنی ہی دیر بعد آتا ہے ہمیشہ سے، تیری شادی کو دو ماہ ہونے کو آئے ہیں۔ اب نارمل ہو جا۔" احسن شرٹس کے درمیان سے ایک شرٹ نکالتا ہوا بولا۔

حیدر نے اونہہ کر کے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"احسن بھائی! جب آپ کی شادی ہوگی نا، تب آپ کا ویک اینڈ بھی پورا سال گزار کر آیا کرے گا۔" انس نے حیدر کی طرف دیکھتے ہوئے دانت نکالے۔

"کیوں! شادی کے بعد، انسان کی یادداشت چلی جاتی ہے یا عقل.....؟" احسن، انس کو گھورتے ہوئے بولا۔

"دونوں....." جواب محب اللہ کی طرف سے

UUNOVELS.COM

سے آیا۔

''اڑالو، اڑالو۔ جتنا مذاق اڑانا ہے نا، ابھی اڑا لو۔ میں بھی گن گن کر بدلے لوں گا۔'' حیدر سخت ناراضی سے ان تینوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''یہ، عادل، کدھر غائب رہتا ہے آج کل، نظر ہی نہیں آتا۔'' محب اللہ، حیدر کی بات ان سنی کرتے ہوئے بولا۔

''نہ صرف غائب رہتے ہیں بلکہ حرکات وسکنات بھی کچھ عجیب وغریب بلکہ مشکوک کہنا زیادہ مناسب ہے۔ کچھ مشکوک سی ہوتی جارہی ہیں۔'' انس نے محب اللہ کی طرف دیکھتے گویا کوئی راز افشا کیا۔

''کیا مطلب.....؟'' محب اللہ نے اچنبھے سے انس کو دیکھا حیدر اور احسن بھی متوجہ ہوئے۔

''مطلب یہ کہ پہلے وہ موبائل صرف اس وقت ہاتھ میں لیتے تھے۔ جب انہوں نے الارم لگانا یا بند کرنا ہوتا تھا۔ اب تو آفس سے آنے کے بعد موبائل کے ساتھ ہی چپکے رہتے ہیں۔''

''اونہوں..... مزہ نہیں آیا.....'' حیدر نے دائیں بائیں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ذرا، اپنی اس بے سروپا سی چغلی میں تھوڑا رنگ پیدا کر۔''

''اچھا.....!'' انس سوچ میں پڑ گیا۔

''ہاں.....'' اس نے چٹکی بجائی۔

''جیسے ہی میسج کی بپ بجتی ہے۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ آجاتی ہے۔''

''ہوں.....!'' حیدر نے سر ہلایا۔ ''تھوڑا وزن پیدا ہوا ہے بات میں۔''

محب اللہ اور احسن خاموشی سے ان کی گفتگو ملاحظہ کررہے تھے۔

''ایسا کر، تھوڑی سی سنسنی ڈال کہانی میں۔'' حیدر پوری طرح الرٹ ہوچکا تھا۔

''سنسنی.....!'' انس، ایک مرتبہ پھر سوچ میں پڑ گیا۔ دو انگلیوں سے پیشانی مسلی۔

''اب سنسنی کہاں سے لاؤں.....؟'' وہ بے چارگی سے حیدر کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''میں ڈالتا ہوں سنسنی۔'' احسن کی آواز پر سب کے رخ احسن کی طرف مڑ گئے۔

''جیسے ہی ہمارے یار کا موبائل سر بکھیرنا شروع کرتا ہے وہ ایک سیکنڈ میں موبائل سینے سے لگائے باہر کو دوڑ لگاتا ہے۔ اور پھر جب تک بات پوری کرکے موبائل آف نہیں کردیتا۔ واپس اندر نہیں آتا۔ اب ایسی کون سی پردہ داری ہے جو ہمارے سامنے کال اٹینڈ تک نہیں ہوسکتی۔'' احسن نے لہجے کو پُراسرار بناتے ہوئے کہا۔

''ہوں..... اب ٹھیک ہے۔'' حیدر بولا۔ ''کہانی میں ٹھیک ٹھاک رنگ اور سنسنی پیدا ہوچکی ہے۔'' عین اس لمحے عادل سیٹی بجاتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اور جھومتا۔ جھامتا بیڈ پر آنکھیں موند کر لیٹ گیا۔ سیٹی لبوں سے جدا ہوئی تو اس کی جگہ مسکراہٹ نے لے لی۔ باقی چاروں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو دیکھا۔ اور پھر نظریں عادل پر گاڑ دیں جو بلاوجہ یونہی مسکرائے جارہا تھا۔

''لالے! شادی میری ہوئی ہے۔ دماغ تیرا خراب ہوگیا ہے۔'' حیدر کو بالآخر بولنا پڑا۔

عادل نے آنکھیں نیم وا کرکے دیکھا۔ حیدر اسی سے مخاطب تھا۔ نہ صرف حیدر بلکہ باقی تینوں بھی یوگا کے سے انداز میں بیٹھے اسی کو گھور رہے تھے۔

عادل سیدھا ہوکر بیٹھ گیا۔ ''کیا کہہ رہا تھا تو.....؟''

براہ راست پہلے حیدر کو مخاطب کیا۔ پھر باقی تینوں کو دیکھا۔ ''اور تم سب، ایسے کیوں گھور رہے ہو مجھے۔''

''کیوں کہ ہم سب کو ایسے ہی گھورنا آتا ہے۔'' احسن نے جوابی فائر کیا۔

''ہم کہہ رہے تھے کہ آپ کی حرکات وسکنات خاصی مشکوک ہوتی جارہی ہیں۔ یہ آپ اتنی رازداری

UUNOVELS.COM

سے اتنی اتنی دیر تک کس سے باتیں کرتے رہتے ہیں موبائل پر۔'' انس نے محاذ سنبھالتے ہوئے کہا۔

عادل نے ادھر اُدھر دیکھا اور پھر یونہی سر کھجانا شروع کر دیا۔ کوئی جواب نہیں بن رہا تھا۔

''اس توار کو یہ سامنے اتوار بازار سے جوؤں والی کنگھی خرید لانا۔ پھر خارش نہیں ہوگی۔'' محب اللہ نے سر کھجاتے عادل پر جملہ اچھالا۔

''یار..... وہ..... میں تم لوگوں کو بتانے ہی والا تھا۔'' اس نے اٹک اٹک کر کہنا شروع کیا۔

''بہت جلد تم لوگ میری شادی کی خوشخبری بھی سننے والے ہو۔'' کچھ شرماتے ہوئے اس نے بات مکمل کی۔

''کیا.....؟'' چیخ کی صورت ایک ساتھ سب کے لبوں سے نکلا۔

اور سب ہی اچھل کر اپنی اپنی جگہوں سے کھڑے ہو گئے۔ عادل نے گردن مزید جھکالی۔

''معاملات اس قدر آگے تک پہنچ گئے اور اس نے کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔ اور اب بیٹھا مایوں کی دلہن کی طرح شرما رہا ہے۔'' حیدر دانت پیستے ہوئے آگے بڑھا۔

حیدر کی پیروی کرتے ہوئے باقی تینوں نے بھی قدم بڑھائے۔ ان کے ارادے بھانپتا ہوا عادل جلدی سے اٹھ کر پیچھے ہوا اور آخر دیوار کے ساتھ جا لگا۔

''اب بتا..... کب سے چل رہا ہے یہ سلسلہ؟'' حیدر نے سوال جواب سیشن شروع کیا۔

''کون ہیں ہماری ہونے والی بھابھی.....؟ تیری کب اور کہاں ان سے ملاقات ہوئی.....؟'' احسن نے بھی اپنا حصہ ڈالا۔

''یار یہیں پر ہوئی تھی ہماری پہلی ملاقات۔'' عادل نے بتا کر ان کے تاثرات دیکھے جو مجسم حیرت بنے کھڑے تھے۔

''یہاں پر مطلب..... اس گھر میں.....؟'' انس نے تصدیق طلب انداز میں پوچھا۔

''ہاں، یہیں، نچلے پورشن میں اور تم سب نہ صرف اپنی ہونے والی بھابھی کو جانتے ہو بلکہ اس سے مل بھی چکے ہو۔

اب مزید تو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے نا، سمجھ تو گئے ہو گے۔''

عادل نے بات مکمل کی ہی تھی کہ اس کا موبائل بجنا شروع ہو گیا۔ ان سب کو حیران پریشان کھڑا چھوڑ کر وہ باہر کی سمت بڑھ گیا۔

سب سے پہلے احسن دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر نیچے بیٹھا۔

''یارا کیا تم سب بھی وہی سمجھ رہے ہو جو میری سمجھ میں آ رہا ہے او میرے خدا!'' محب اللہ کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز برآمد ہوئی۔

''میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ اس حد تک جا سکتا ہے۔ مطلب..... عمر تک کا لحاظ نہیں کیا اس نے۔''

حیدر کے ذہن میں مونا میم کے برف جیسے سفید بالوں والا سر گھوما۔

''تو کیا، یہ اتنی اتنی دیر مونا میم سے گفتگو کرتے ہیں۔ وہ بھی اتنا چھپ چھپ کر۔'' انس کے حلق سے بمشکل آواز نکلی۔

''یار، ہو سکتا ہے، بات کچھ اور ہو، ہمیں کوئی غلط فہمی ہو رہی ہو۔'' احسن نے ایک کمزور سا دفاع کرنے کی کوشش کی۔

''اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ اب سائیکل کو تو وہ ہماری بھابھی بنانے سے رہا۔ اور ہے ہی کون نچلے پورشن میں۔'' حیدر کچھ غصے سے بولا۔

''میرے خیال سے مونا میم کی جائیداد کی کشش نے مجبو کیا ہوگا عادل بھائی کو۔'' انس تھکے تھکے سے انداز میں بولا۔

''اس کی زندگی ہے اس کی مرضی جو چاہے کرے۔'' حیدر نے کہہ کر بات ختم کر دی۔

☆☆☆

''عادل بھائی! مونا میم نے آپ لوگ کے لیے

پیغام دیا ہے۔ پندرہ دن بعد ان کا بیٹی اپنا بیٹی کی شادی کے واسطے آرہا ہے تو اوپر کا دونوں پورشن وائٹ واش ہوگا۔ آپ اپنے باقی دوست لوگ کو بھی بول دو کہ جو سامان سمیٹنا ہے سمیٹ لے۔ کل سے کام شروع ہوجائے گا۔'' سائیکل فرفر سارا سبق سنانے کے بعد واپس چلا گیا۔

عادل کندھے اچکاتا آفس کے لیے نکل گیا۔

(ہم نے کیا سمیٹنا ہے بھلا جو کرنا ہے مزدوروں نے ہی کرنا ہے)

''ہاں، یہ بات اس نے دوستوں کو بتانی ہے۔'' یہ اس کے ذہن سے بالکل نکل گیا۔

☆☆☆

''عادل کا فون آیا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ کسی ضروری کام سے ایبٹ آباد جانا پڑ گیا ہے۔ رات کو لیٹ واپس آئے گا۔'' محب اللہ نے شام کی چائے کے دوران ان لوگوں کو بتایا۔

کسی نے کوئی تبصرہ نہیں کیا (مطلب شدید ناراضی کا اظہار) ابھی چائے پی کر وہ لوگ فارغ ہی ہوئے تھے کہ سائیکل آگیا۔

''صاب! کل صبح مزدور آجائے گا۔ آپ اپنا سامان پر پرانی چادریں ڈال دینا۔ تاکہ سامان خراب نہ ہو۔''

''شام تک آپ کا پورشن ہوجائے گا۔ پھر پرسوں سے وہ پورشن شروع ہوگا۔'' سائیکل نے بات کرتے کرتے سامنے والے حصے کی طرف اشارہ کیا جہاں کا تالا آج کھلا ہوا نظر آرہا تھا۔

''کیوں.....؟ مزدوروں نے کیوں آنا ہے۔'' احسن نے حیران ہوکر پوچھا۔

''آپ کو عادل بھائی نے نہیں بتایا۔'' سائیکل نے حیران ہوکر ان سب کی شکل دیکھی۔

''شادی کے لیے گھر وائٹ واش کروانا ہے۔ وقت کم ہے۔ اس لیے کل سے ہی کام شروع ہوجائے گا۔''

''بتایا تھا ہمیں عادل بھائی نے۔'' حیدر منہ

بگاڑتا ہوا بولا۔
سائیکل واپس جانے کے لیے مڑا تو احسن نے کچھ سوچ کر اسے آواز دی۔
''یار، سائیکل بات سن۔''
''جی صاب!'' وہ احسن کی جانب گھوما۔
''وہ مونا میم ..... میرا مطلب ہے۔'' اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیسے پوچھے۔
''جی صاب.....!'' سائیکل منتظر تھا۔
''وہ، میرا مطلب تھا کہ مونا میم خوش ہیں..... مطلب شادی.....'' کچھ جھجک کر خاموش ہو گیا۔
''بہت خوش ہے صاب!'' اتنا سال بعد تو خوشی ملنے والا ہے۔ خوش کیوں نہیں ہوں گی۔'' ان چاروں نے معنی خیزی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔
'' اچھا صاب! ام جارہا ہے۔ بہت کام پڑا ہے۔''
اس کے جانے کے بعد وہ سب ایک مرتبہ پھر سے سوچوں میں گم ہو چکے تھے۔
☆☆☆
مغرب سے کچھ پہلے کا وقت تھا۔ جب سائیکل، مونا میم کا بلاوا لیے چلا آیا۔
''صاب! آپ سب کو مونا میم نے بلایا ہے۔'' وہ پیغام دے کر چلتا بنا۔
احسن نے حیدر اور محب اللہ کو دیکھا۔ ''ہمیں کیوں بلوایا ہے۔ جو بات چیت طے کرنی ہے۔ دولہا سے کریں۔''
''سرپرست تو آپ ہی لوگ ہیں نا عادل بھائی کے۔'' انس نے دانت نکالے۔
تینوں نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا۔ انس نے فٹافٹ اپنی ہنسی کنٹرول کی۔
☆☆☆
وہ چاروں باادب مونا میم کے سامنے بیٹھے تھے۔ مونا میم بول رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے سن رہے تھے۔
''بیٹا! میری اکیلی جان، پھر صحت بھی اچھی نہیں ہے۔''
''شادی کے چاہ پھر بھی چڑھ رہے ہیں۔'' حیدر بڑبڑایا۔
''سو طرح کے جھمیلے ہوں گے شادی کے۔ تو تم لوگ ذرا شام کے وقت تھوڑا ٹائم نکال کر نیچے آجایا کرنا۔''
''میرا خیال ہے ڈھولکی رکھنا چاہ رہی ہیں۔ اماں جی۔'' انس، احسن کے کان سے منہ جوڑ کر بولا۔
مونا میم کو اور تو کچھ سمجھ میں آیا نہیں۔ ڈھولکی کا لفظ ان کے کان میں پڑ گیا۔
''نہیں، نہیں فی الحال ڈھولکی وغیرہ کا ارادہ نہیں ہے۔ ابھی تو اوپر کے پورشن کا وائٹ واش اور فرنیچر تبدیل ہوگا پہلے۔'' وہ اطمینان سے بولیں۔
''نیا نویلا جوڑا، اوپر رہے گا۔'' انس نے پھر سرگوشی کی۔ احسن نے گھور کر اس کو دیکھا۔
''یہ شادی کچھ بہت جلدی میں نہیں ہو رہی۔'' محب اللہ ڈرتے ڈرتے بولا۔
''کچھ تھوڑا وقت اگر آپ سوچنے سمجھنے کے لیے لے لیتیں۔ میرا مطلب ہے.....؟'' وہ جملہ ترتیب دے ہی رہا تھا کہ مونا میم بولیں۔
''جلدی کہاں بیٹا، سلسلہ تو کافی دن سے چل رہا ہے۔ ویسے بھی جو کام وقت سے ہو جائے بہتر ہوتا ہے۔ زندگی کا کیا بھروسا ہے۔''
احسن کو تو اس زور کی کھانسی آئی کہ بے چارہ بے حال ہو گیا۔
''واقعی جو کام وقت سے ہو جائے وہی بہتر ہوتا ہے۔'' حیدر اپنے پاؤں کو گھورتا ہوا بولا۔
☆☆☆
بارہ بجے کے قریب عادل کی واپسی ہوئی۔
محب اللہ سو چکا تھا۔ احسن سونے والا تھا۔ حیدر اور انس جاگ رہے تھے۔
''یہ لو مٹھائی کھاؤ، لڑکی والوں کو میں پسند آ گیا۔'' خوشی سے تمتماتے چہرے کے ساتھ اس نے جاگے ہوؤں کو خبر دی اور سوتے ہوؤں کو جگایا۔

UUNOVELS.COM

محب اللہ اور احسن آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"لڑکی والوں سے کیا مطلب ہے؟ ایک لڑکی ہے نا بس۔" لڑکی پر خوب زور دے کر حیدر بولا۔

"نہیں نہیں ماں باپ بہن بھائی سب ہیں۔ ان ہی سے تو ملنے گیا تھا آج۔"

(مونا میم کے ماں باپ، بہن بھائی سب حیات ہیں؟ حیرت سے ان سب نے ایک دوسرے کو دیکھا)

"اور شکر ہے سب کو پسند آ گیا میں۔"

عادل، اپنے دھیان میں تھا، سو ان سب کے چہروں کی کنفیوژن کو محسوس ہی نہ کر سکا۔

"مونا میم نے بلایا تھا آج ہمیں، کہہ رہی تھیں شام کو ذرا وقت نکال کر شادی کی تیاریوں میں مدد کروانے آ جائیں ہم۔" محب اللہ نے صاف صاف بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

"اوہ اچھا، .....!" عادل نے سر ہلایا۔ "صبح سائیکل بتا رہا تھا کہ ان کی بیٹی اور نواسی پاکستان آ رہی ہیں۔ نواسی کی شادی ہے غالباً....."

"تو پھر تیری شادی کس سے ہو رہی ہے.....؟" احسن چیخا۔

"فلزا سے۔" عادل نے ان کے سروں پر بم پھاڑا۔

"تو نے بتایا کیوں نہیں ہمیں۔" حیدر بولا۔

باقی سب بھی دل پر ہاتھ رکھے ادھر ادھر بیٹھ گئے۔

"بتایا تو تھا۔ کتنی واضح نشانیاں بتائی تھیں۔" عادل مسکرایا۔

"نام تو نہیں بتایا تھا نا اور پھر فلزا کی شادی تو ہو چکی تھی نا....." حیدر تھوک نگلتے ہوئے بولا۔

"نہیں ہوئی تھی فلزا کی شادی، تفصیل بتاتا ہوں ابھی۔ اور تم لوگ کیا سوچ رہے تھے میری بتائی نشانیاں سن کر۔ میں نے کیا مونا میم سے بیاہ رچانا تھا۔" یہ کہہ کر اس نے خود ہی ٹھٹھا لگایا۔

باقی سب تو ہنس بھی نہ سکے۔ بس ایک دوسرے سے نظریں چرا کے رہ گئے۔

☆

الف لیلہ ہزار داستانیں

دلچسپ اور خوبصورت داستانیں جنھیں پڑھ کر بچے ہیری پوٹر کو بھول جائیں گے، ایسی داستانیں جنھیں بڑے بھی پڑھ کر لطف اندوز ہوں گے

کتاب بذریعہ رجسٹری منگوائیں
-/300 روپے کا ڈسکاؤنٹ حاصل کریں
فی کتاب -/1200 روپے
ڈسکاؤنٹ -/300 روپے
آج ہی -/950 روپے
منی آڈر ارسال فرمائیں

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

UUNOVELS.COM

نعیمہ ناز

عالیہ بیگم اپنی بیٹی حمنہ کے رشتے کے لیے خاندانی لوگوں کی تلاش میں تھیں۔ جب کہ ان کی ساس کا کہنا تھا کہ رشتہ کے لیے دین داری اور شرافت کو ترجیح دینی چاہیے۔

عائشہ اپنی والدہ اور بھائی کے ساتھ ایک چھوٹے سے گھر میں رہتی تھی۔ رشتوں کے نام پر اس کی ایک خالہ تھیں جن کے دو بچے فہد اور علیزے تھے۔ فہد اپنے باپ کے پاس امریکہ میں پڑھنے گیا تھا۔ اس کی والدہ سلائی کر کے اپنے بچوں کو پڑھا رہی تھیں۔ عائشہ کی سہیلیاں اس کی بے پناہ خوب صورتی کو سراہتی تھیں۔

سید صاحب کو مسجد کمیٹی کا صدر منتخب کیا جا رہا تھا۔ ان کی بیٹی نائلہ ایک خود سر لڑکی تھی، اس کی اپنے شوہر سے بالکل نہیں بنتی تھی۔ وہ آئے دن اپنے شوہر سے لڑ جھگڑ کر باپ کے گھر آ بیٹھتی۔ اس میں ماں کے مزاج کی جھلک تھی۔ اسے اپنی خوب صورتی پر بہت ناز تھا۔ سید صاحب اس کی طرف سے بہت پریشان تھے۔ نائلہ کے شوہر سرمد کا دوست جمال اس پر مرمٹا ہے۔

چنبیلی کا تعلق بازار حسن سے ہے طلال شیخ ایک نامور سیاست دان اور جاگیردار کا بیٹا ہے جو چنبیلی کے حسن پر مرمٹا ہے۔

شاہ میر رسول بخش کا سب سے چہیتا شاگرد تھا، جو ان کے ساتھ ہی رہائش پذیر تھا۔

احمد فجر کے بعد جلدی جلدی گھر سے نکلا۔ آج ڈبل سواری پر پابندی کی وجہ سے پڑوس کے کامران انکل اسے اپنی موٹر سائیکل پر لفٹ نہیں دے سکے۔ اسے کافی انتظار کے بعد بس کی کھچا کھچ بھری چھت پر جگہ ملی۔ انتہائی تیز رفتاری سے موڑ کاٹتے ہوئے کچھ مسافر نیچے جا گرے جن میں احمد بھی شامل تھا۔

سرمد سو رہا ہوتا ہے تو جمال کا فون آتا ہے۔ اپنی بدقسمتی پر کڑھتی نائلہ کو جمال کی کال ایک نعمت لگتی ہے۔ جمال اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اسے پھر سبز باغ دکھاتا ہے۔ اچانک نائلہ کی نظر اٹھتی ہے تو سامنے کھڑا سرمد اسے عجیب نظروں سے دیکھتا نظر آتا ہے۔

طلال چنبیلی کے شادی پر اصرار کرنے پر ہامی بھر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ جلد مہک جان سے بات کرے گا۔ مہک جان سے بات کر کے وہ اس کی شرائط مان کر چنبیلی سے نکاح کر کے لے جاتا ہے۔

احمد کے انتقال کے بعد عائشہ اور اس کی امی بہت سارے مسائل کا شکار ہوتی ہیں لیکن اپنی غیور طبیعت کی وجہ سے کسی سے قرض ادھار نہیں لیتیں۔

ایک سلائی کے سوٹ کے لیے لیس اور دھاگہ خریدنے کے لیے عائشہ کو بازار جانا پڑتا ہے۔ شام زیادہ ہو جاتی ہے، وہ بس کے انتظار میں کھڑی ہوتی ہے مانی بصد اصرار اسے لفٹ دیتا ہے۔ مانی کی امی اور بہن ماریہ گاڑی میں مانی کے ساتھ ایک لڑکی کو دیکھتی ہیں لیکن پہچان نہیں پاتیں۔ مانی پوچھ گچھ پر ماریہ کے سامنے عائشہ کا نام لے دیتا ہے۔

جمال دوپہر میں فون کر کے نائلہ کو ہوٹل لے جانے کی بات کرتا ہے۔ دروازہ بجنے پر وہ باپ کو دیکھ کر وہ حیران رہ جاتی ہے۔ سید صاحب اس کا فون اٹھاتے ہیں۔ سید صاحب کے جانے کے بعد نائلہ جمال سے ملنے چلی جاتی ہے جہاں وہ ایک دوسرے سے التفات کا اظہار کرتے ہیں۔ جمال اسے اپنے نو تعمیر شدہ بنگلے میں لے جاتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ یہ تمہارا گھر ہے۔

چنبیلی طلال کے ساتھ شادی ہو جانے پر بہت خوش ہے۔ طلال اسے بتاتا ہے کہ ہر چیز جو اسے پسند آ جائے وہ قید کر لیتا ہے اور اس قید سے رہائی اس کی مرضی کے بغیر ممکن نہیں۔

سید صاحب اپنے بیٹے فرحان سے اس کی شادی کی بات کرتے ہیں تو وہ پھر ٹال دیتا ہے حمنہ کے نکاح والے دن مانی، عائشہ کا انتظار کرتا ہے۔ ماریہ جو اس کی ہے اس سے پوچھتا ہے تو وہ بتاتی ہے کہ وہ اپنی امی کو اکیلا چھوڑ کر نہیں آ سکتی۔

عائشہ کی خالہ کا فون آتا ہے وہ عائشہ کی امی سے کہتی ہے کہ جوان بچی کے ساتھ اکیلی کیسے رہو گی میرے پاس آ جاؤ، عائشہ کی امی انکار کر دیتی ہیں اور سوچتی ہیں کہ کب تک بہن کو انکار کروں گی اگر مجھے کچھ ہو گیا تو عائشہ کا کیا ہو گا۔ وہ عائشہ کے رشتے کی بات کرتی ہیں۔

جھمکا جان بڑی بی کو ڈانٹتی ہے کہ تم اس انتظار میں رو رو کے کیوں مر رہی ہو، وہ نہیں آئے گا۔ پتا نہیں زندہ بھی ہے یا مر مرا گیا۔ تارا جھمکا جان کو کبیر صاحب کے آنے کی اطلاع دیتا ہے۔

نائلہ جمال کے گھر سے آنے کے بعد بھی اسی تصور میں کھوئی ہوئی تھی۔ سرمد آتا ہے تو اسے بخار ہوتا ہے۔ وہ نائلہ سے چائے بنانے کا کہتا ہے نائلہ منع کر دیتی ہے اور گلی کے نکڑ سے اسے چائے لانے کا کہتی ہے۔ واپس آ کر سرمد، نائلہ سے پوچھتا ہی ہے کہ وہ آج دن میں کہاں گئی تھی۔

چنبیلی طلال کو ماں بننے کے متعلق بتاتی ہے تو وہ ناراض ہوتا ہے کہ ہم خاندانی لوگ ہیں ہمارے یہاں خاندانی بیوی سے بچہ پیدا ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ وہ کہتا ہے کہ ہم چھ بھائی ہیں اور چھٹا بھائی لاڈلا چنبیلی سے شادی کے چھٹے مہینہ پیدا ہوا تھا۔

ماریہ، عائشہ کو فون کرتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ اس کے رشتے کے لیے شام میں کچھ لوگ آ رہے ہیں۔ مانی اتفاقاً وہاں سے گزرتے ہوئے سن لیتا ہے۔

ظفر صاحب کی بیٹی کو فائرنگ کے ذریعے ڈرا کر ان کو عملی دھمکی دی جاتی ہے۔

چنبیلی بیٹے کی پیدائش پر طلال کی توجہ پا کر پھر اپنا خیال رکھتی ہے لیکن طلال نشے میں چور گھر آ کر اس سے کہتا ہے کہ وہ اپنی محبوبہ کے پاس سے آ رہا ہے۔ چنبیلی کے سوال پر کہتا ہے کہ تو تو بیوی ہے محبوبہ تو وہ ہے جو فلیٹ میں رہتی ہے۔

جان محمد کی بیٹی کو ایکسیڈنٹ کے ذریعے مروا دیا جاتا ہے۔ اس کی بیوی بین کرتی ہے اور چلا چلا کے قاتلوں کے نام

UUNOVELS.COM

لیتی ہے اس کی رشتہ دار اسے چپ کرانے کی کوشش کتی ہیں لیکن وہ اپنے حواسوں میں نہیں ہوتی۔ میڈیا کے لیے یہ بہت بڑی خبر تھی کیس کے اہم گواہ کی بیٹی کی ایکسیڈنٹ میں موت۔ میڈیا کی بڑی تعداد اس کے گھر جمع تھی۔

ماریہ، شاہ میر کے ہاتھ کا سلا سوٹ دیکھ اس کی تعریف کرتی اور اسے کہتی ہے کہ تم اپنے چاچا کو تنگ کیوں کرتے ہو۔ انہوں نے تمہاری شکایت کی ہے۔ نائلہ سب کچھ حاصل ہونے کے باوجود اپنی کیفیت خود نہیں سمجھ پاتی۔ وہ ڈرتی ہے کہ باہر جانے پر پہچان لی جائے گی۔ جمال اس کا یہ حل نکالتا ہے کہ اسلام آباد شفٹ ہو جائے۔

امداد بروہی پریس کانفرنس کر کے صفائی پیش کرتا ہے کہ جان محمد کی بیٹی کو مارنے میں اور ظفر صاحب کی بیٹی پر فائرنگ میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں۔

جان محمد کے جیل میں سارے عیش و آرام ختم ہو چکے تھے، اسے انتہائی بدبودار اور غلیظ کوٹھڑی میں قید کر دیا گیا تھا۔ جب سے اس نے گولی نہ چلانے کا بیان دیا تھا اس پر شدید ٹارچر ہو رہا تھا۔

ترنم نے روتے روتے ارمانوں سے کرایہ پر لیا گھر خالی کیا، اماں دو ملازم ساتھ لائی تھی جو سارا سامان پیک کر رہے تھے۔ اسے تو ہوش نہ تھا ایک سوچ پریشان کر رہی تھی کہ ایسی کیا بات تھی جو اس نے دل پر لے لی اور دل دھڑکنا ہی بھول گیا۔

سامان لوڈ ہو گیا تو اماں نے اسے اور بچوں کو ٹیکسی میں بٹھایا۔ خلیل نے جاتی ٹیکسی دیکھ کر کہا، پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔

ایک درمیانے درجے کے ریسٹورنٹ میں ایک عورت چاچا سے ملنے آتی ہے اور پوچھتی ہے کہ میری امانت ہے تمہارے پاس۔ کیسا ہے وہ۔ چاچو کہتے ہی کہ ٹھیک ہے۔ وہاں ماریہ بھی چاچا سے ملتی ہے، وہ اپنی دوستوں کے ساتھ وہاں آتی ہے۔ عورت اٹھ کر چلی جاتی ہے، چاچا کسی سوچ میں گم تھے۔ شاہ میر ایک یتیم خانے میں اپنی آمدنی کا بڑا حصہ خرچ کرتا ہے۔

عالیہ بیگم بیٹی کی شادی کے لیے زیورات نکالتی ہیں، شوہر مانی کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کی پسند کی لڑکی کے گھر کب جانا ہے، وہ انکار کر دیتی ہیں۔

عائشہ کی خالہ کا بیٹا ذوہیب گھر والوں کو سرپرائز دینے کے لیے ایک ہفتے پہلے آ جاتا ہے۔

ظفر صدیقی صاحب کو وفاقی وزیر بچل شاہ پولیس کے اعلا افسر کے ہمراہ اپنے گھر بلا کر انہیں مقدمے کو ختم کرنے کا کہتا ہے۔ پولیس افسر کرم الٰہی بھی انہیں سمجھاتا ہے کہ جان محمد اب بیان ولی شاہ کے حق میں دے گا۔ بچل شاہ ایک لفافے میں بلینک چیک دیتا ہے کہ اپنی مرضی کا اماؤنٹ بھر لیں۔ مانی یہ جان کر حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ ظفر صاحب نے قصاص کے پیسے لے لیے۔

ترنم کی عدت ختم ہو جاتی ہے۔ ماں اسے کہتی ہے کہ وہ کچھ ہار سنگھار کر لے۔ ترنم اپنے بیٹے کی بسم اللہ کرنے کے لیے کہتی ہے۔

جمال نون سن کر زرد پڑ جاتا ہے۔ وہ نائلہ سے کہتا ہے کہ اپنا پرس اٹھاؤ اور چلو۔ وہ نائلہ کو خوب پیدل گھماتا پھراتا آگے بڑھتا ہے وہ کسی گھبراہٹ کا شکار تھا۔ ایک جگہ جا کر وہ موٹر سائیکل کی پاس رکتا ہے اور اس پر بیٹھے ایک عجیب و غریب حلیے والے لڑکے کو کہتا ہے کہ نائلہ کو محفوظ جگہ پہنچا دے۔ وہ اسے انتہائی نچلے متوسط علاقے کے ایک گھر میں لے آتا ہے اور وہاں ایک عورت آ کر پوچھتی ہے کہ تم کون ہو۔

طلال کے پاس اس کے باپ کا فون آتا ہے کہ وہ ظفر صدیقی والے کیس سے دور رہے کیونکہ ان کے مفادات اس سے وابستہ ہیں۔ جھنڈے والی گاڑی کا خواب طلال کو اس کیس سے دور کر دیتا ہے۔

پریا طلال کی دیوانگی سے تنگ آ جاتی ہے۔ طلال اسے کہتا ہے کہ جو چیز اس کی ہوتی ہے وہ کسی اور کے قابل نہیں رہتی۔ وہ اس کے چہرے پر تیزاب ڈالنے کی دھمکی دیتا ہے۔ نائلہ کو پتا چلتا ہے کہ وہ جمال کا گھر ہے، راکٹ اس کا بھائی اور وہ لڑکی اس کی بھابھی ہے۔

چنبیلی طلال سے لڑ کر اپنا سامان پیک کرتی ہے۔ طلال اسے مارتا ہے اور دھمکی دیتا ہے کہ باہر نہ جانا۔ چنبیلی انتہائی بری حالت میں کوٹھے پر پہنچتی ہے۔ سب اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو جاتے ہیں۔

اچانک چنبیلی کی چیخوں سے پورا گھر لرز جاتا ہے۔

چنبلی کی چیخ سن کر جب سب اس کے کمرے میں پہنچتے ہیں تو اس کا چہرہ تیزاب کی وجہ سے موم بتی کی طرح پگھل رہا

تھا۔

ترنم کا بیٹا سپارہ پڑھنا شروع کر چکا ہے۔ ترنم بہت خوش ہے۔ اس کی ماں کہتی ہے کہ اپنے بارے میں بھی کچھ سوچو۔ وہ اسے شیخ صاحب کا بتاتی ہے۔ ترنم کہتی ہے کہ میں اپنے دونوں بچوں کو نہیں چھوڑوں گی۔

سومی، نائلہ کو بتاتی ہے کہ جمال پہلے یہاں ہی رہتا تھا۔ چھ مہینے پہلے گیا ہے اور وہ راکٹ کا بڑا بھائی اور اس کا جیٹھ ہے۔ راکٹ کے آنے پر بات ٹل جاتی ہے۔

جھمکا جان طلال کے خلاف ایف آئی آر درج کراتی ہے۔ چاچڑ اسے سمجھاتا ہے کہ پرچہ تو کٹ جائے گا مگر طلال کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

عائشہ جس اسکول میں پڑھاتی ہے وہاں کچھ غنڈے آکر ان کا سامان اٹھا کر پھینکتے ہیں اور انہیں ڈرا دھمکا کر جاتے ہیں۔

مانی کے لیے یہ بات انتہائی صدمے کا باعث تھی کہ شاہ زین کے گھر والوں نے اس کے قاتلوں سے مذاکرات کر کے کیس ختم کر دیا تھا۔

کھانا کھاتے ہوئے ذوہیب اپنی امی سے باتیں کر رہا تھا عائشہ خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھی کہ اچانک ذوہیب ماں کی آواز پر چونکتا ہے وہ بتاتی ہیں کہ ان کے سینے میں شدید درد اٹھا ہے۔ ذوہیب عائشہ سے کہتا ہے کہ ڈرائیور سے کہو گاڑی نکالے۔ خالہ کی حالت پر عائشہ خود پریشان ہو جاتی ہے۔

چودھویں قسط

وہاں سے نکلا تو وہ ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔ اس وقت اس کا سب سے بڑا مسئلہ حل ہو چکا تھا۔ اتنے دنوں کی بے سکونی اور خوف کے بعد کچھ اطمینان حاصل ہوا تھا۔ اگرچہ مصیبت ابھی بھی پوری طرح نہیں ٹلی تھی۔ پولیس کا خوف گرفتاری کا ڈر، اپنی جگہ موجود تھے مگر کم از کم یہ ایک مسئلہ تو حل ہوا جس نے اس کی پریشانی میں اضافہ کر رکھا تھا۔ آن لائن کار میں سوار اس کا ذہن اب دھیرے دھیرے مختلف خیالات کی آماجگاہ بن رہا تھا۔ اتنا برا وقت بلکہ اتنا خطرناک وقت اس کی پوری زندگی اور پورے کیریئر کے دوران کبھی نہیں آیا تھا۔ قانون کے رکھوالوں سے ساز باز کر کے ہی اپنا نیٹ ورک کامیابی سے چلا رہا تھا اور ہمیشہ محفوظ بھی رہا۔ یہ اور بات کہ اپنے اور اپنے نیٹ ورک کی حفاظت کے لیے وہ ہر ماہ ایک خطیر رقم ان رکھوالوں کو پہنچاتا تھا اگر کبھی کبھار کوئی ایمان دار اور فرض شناس افسر آ بھی جاتا تو کسی نہ کسی طرح سنبھال ہی لیا جاتا۔ کچھ عرصے کے لیے وہ اپنی سرگرمیاں روک دیتا۔ انڈر گراؤنڈ ہو جاتا۔ مگر اس بار تو اس کے ساتھ ہاتھ ہو گیا۔ اندر ہی اندر اس کے خلاف ثبوت اکٹھے ہوتے رہے اور وہ بے خبر رہا۔

عین وقت پر چھاپے اور گرفتاری کی اطلاع نے اسے بدحواس کر ڈالا۔ جلدی جلدی کچھ اقدامات تو کیے مگر یوں جیسے بلندی سے گرتا ہوا کوئی انسان سہارے کے لیے ہاتھ پاؤں مارے اور خوش قسمتی سے کسی درخت یا جھاڑ میں اٹک کر گرنے سے بچ جائے۔ اپنی ہڈیاں تڑوانے اور مر جانے سے بچ جائے۔ تو جمال کو بھی ایک ایسا ہی عارضی سہارا میسر ہو گیا تھا۔ گو کہ خطرہ تو ابھی بھی تھا مگر جسم و جان کی بچت جو سامنے نظر آ رہی تھی وہ غنیمت تھی۔

نائلہ کے نئے ٹھکانے کی طرف سے مطمئن ہو کر وہ اپنی آزادی اور تحفظ کے لیے مزید اور بہتر اقدامات کر سکتا تھا۔

☆☆☆

گھر میں ملازمہ موجود تھی۔ اسے کوئی ضرورت تو نہیں تھی کچن میں جانے اور چولہے کے آگے کھڑے

ہونے کی، مگر اس کا دل، بقول اس کی اماں کے باؤلا دل، پاگل اور دیوانہ دل، تو یہ دل مانتا نہیں تھا جب تک کہ وہ اپنے ہاتھوں سے پکا کر اپنے شہزادے کو اپنے لاڈلے کو کھلا نہ دے۔ گرم گرم تازہ اور عمدہ پکا ہوا کھانا۔

کیا کیا جتن کر کے وہ بیٹے کے منہ میں لقمہ پہنچانے کا اہتمام کرتی تھی۔ آج بھی بڑی محنت سے اس نے بیٹے کی پسندیدہ نہاری بنائی تھی۔ جو بس تیار ہی تھی۔ اب وہ جلدی جلدی ادرک کے لچھے کاٹ رہی تھی۔ ہری مرچیں، لیموں، ہرا دھنیا کاٹ کر اس نے پلیٹ میں سجایا۔ ٹرے میں ساری اشیاء سجا کر وہ کمرے میں لے گئی۔ چاند بابو جھکا ہوا جوتے پہن رہا تھا۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' ترنم نے ٹرے میز پر رکھی۔

''مولوی صاحب نے بلایا تھا۔ ان ہی کے پاس جا رہا ہوں۔'' وہ سیدھا ہوا تو ترنم نے زیر لب ماشاء اللہ کا ورد کیا۔ وہ اب اتنا لمبا ہو گیا تھا کہ ماں سے بھی اونچا لگنے لگا تھا۔ آواز بھی بھاری ہو گئی تھی۔ چہرے پر رواں آنے لگا تھا۔

''کھانا کھا کر جا میرا بیٹا! بڑی محنت سے بنایا ہے میں نے۔'' ترنم نے لجاجت سے اسے دیکھا۔

''مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' چاند بابو نے الجھن سے ماں کو اور میز پر رکھی ٹرے کو دیکھا۔ جیسے جیسے وہ بڑا ہو رہا تھا۔ یہاں کے کھانوں اور لوگوں سے بے نیاز ہوتا جا رہا تھا۔ ترنم ہی اصرار کر کے کھلاتی تھی۔

''دو نوالے تو منہ میں ڈال لے چندا! چل میں کھلا دیتی ہوں۔ بیٹھ جا۔'' ترنم نے بے حد آس سے بولتے ہوئے کرسی گھسیٹی۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' اس نے صاف انکار کیا۔

ترنم کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔ ایک نظر بیٹے پر ڈال کر پھر نگاہیں میز پر رکھے کھانے پر بھٹکنے لگیں۔

''میں نے بڑی محبت سے بنایا تھا۔'' ترنم کی آواز رندھ گئی۔ حالانکہ محبت کے ساتھ محنت بھی شامل تھی مگر محبت کا نام لینا اس نے اہم سمجھا۔ جیسے یہ کوئی طلسمی چابی ہو جس سے بند دل کا ہر قفل کھل جاتا ہے۔

''مجھے بھوک ہوتی ہے تو میں خود بھی مانگ کے کھا سکتا ہوں، مگر آپ اپنی من مانی کرتی ہیں۔'' چاند بابو نے گویا بے بس ہوتے ہوئے اپنا سر جھٹکا۔ بے اعتنائی کی کونپل ابھی نرم و نازک تھی۔ بڑھ کر تناور درخت بن کر سخت نہیں ہوئی تھی۔ ماں کا بھیگا لہجہ یا نم آنکھیں اسے بے بس کر دیتے تھے۔ وہ ہاتھ دھو کر آیا اور کرسی سنبھال لی۔

''میں پانی لاتی ہوں۔'' ترنم پھرتی سے باہر نکل گئی۔ چاند بابو نے گہری سانس لیتے ہوئے نوالہ منہ میں رکھا۔

☆☆☆

چھوٹی سے عمارت کے دو کشادہ کمروں میں بچوں کے اسکول کی شروعات ہو گئی تھی اور اسکول بھی کیا بس تین گھنٹے تھے۔ جنہیں بچوں پر خرچ کر رہی تھیں۔

'' آگے چل کے تھوڑا اور وقت دے سکو گی؟ میں کوشش کر رہی ہوں کہ کم از کم پانچ گھنٹے تو بچوں کو دیں۔ اسی میں دینی تعلیم بھی ہو گی قاعدہ اور قرآن وغیرہ ہے۔'' حرا کلاس ختم ہونے کے بعد عائشہ سے بات کر رہی تھی۔

''وقت ہی وقت ہے میرے پاس جتنا چاہو لے لو۔'' عائشہ مسکرائی۔ رائل بلیو کلر کا خوب صورت تراش خراش کا جوڑا پہنے ہلکی سی لپ اسٹک لگائے۔ دل میں اتر جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی۔

''کتنی خوب صورت ہو تم، حیرت ہے کوئی نظر کوئی دل شہید نہیں ہوا تم پر؟ یا پھر ہم لاعلم ہیں۔'' عائشہ کی بے ساختہ تعریف کرتے ہوئے حرا شرارت سے مسکرائی۔

''ضروری ہے ہر حسن کو کوئی اہل دل، اہل نظر ملے؟'' عائشہ مسکرائی۔

''حسن میں اتنی طاقت ہوتی تو ہے۔'' حرا نے پرخیال نظروں سے اسے دیکھا۔ ''دلوں کے معاملات

ظاہری حسن سے بلند ہونے چاہئیں۔"

"ہاں مگر شروعات تو عموماً اسی سے ہوتی ہے۔" حرا اپنی بات پر قائم تھی۔

"حرا! کہتے ہیں کہ بے تحاشا حسن اور بے پناہ خوب صورتی عموماً محبت کے معاملے میں بدقسمت ہوتے ہیں۔" عائشہ مسکراتے مسکراتے یک بیک سنجیدہ ہوگئی۔

"ہاں سنا تو ہے میں نے بھی۔ مگر اللہ نہ کرے کہ یہ قول تم پر صادق آئے میری تو دعا ہے کہ تم جتنی پیاری ہو، اتنا ہی خوب صورت تمہارا نصیب ہو۔" حرا نے بے حد خلوص سے اسے دعا دی تھی۔

حرا کا زیر لب آمین منہ سے نکلا ہی تھا کہ دروازہ کھلا اور وہ اندر آیا۔

"السلام علیکم!" اس کی آواز پر عائشہ کی نگاہوں نے ایک پل کے لیے اس کا چہرہ چھوا اور واپس جھک گئیں۔ اور وہ بھی ٹھٹکا تھا مگر فقط ایک لمحے کے لیے، اگلے ہی لمحے اس کی آنکھیں کسی بھی تاثر سے عاری تھیں۔

"یہ ہیں عائشہ! ہماری نئی ٹیچر اور کولیگ۔" اگرچہ غائبانہ تعارف تھا پھر بھی حرا نے رسم نبھائی۔

"اور عائشہ یہ مدثر صاحب ہیں۔ ان کا کیا تعارف کرواؤں جانتی ہی ہوگی تم۔"

"انہیں کون نہیں جانتا۔" عائشہ ہولے سے بولی۔

"خوش آمدید عائشہ! امید ہے آپ کو ہمارے ساتھ کام کر کے اچھا لگے گا۔ کوئی بھی چھوٹی بڑی پرابلم ہو تو آپ بلا جھجک حرا سے یا مجھ سے شیئر کر سکتی ہیں۔" مانی کا لہجہ اور الفاظ دونوں ہی بے حد رسمی تھے۔ عائشہ نے محض سر ہلانے پر ہی اکتفا کیا۔

"میں ابھی آتی ہوں۔" حرا کو اچانک ہی نہ جانے کیا یاد آیا کہ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ عائشہ پہلی بار اس کے روبرو تھی۔ اس کی دھڑکنوں میں اتنا شور بپا تھا کہ وہ خود پریشان ہو چلی۔

"ماریہ کیسی ہے؟" عائشہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے سوال کیا۔

"ٹھیک ہے۔" مانی کی نگاہیں اپنے موبائل اسکرین پر تھیں۔ تیزی سے کچھ اوپر نیچے کرتے ہوئے وہ یا تو سچ مچ بہت مصروف و مگن تھا یا نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عائشہ خاموش ہوگئی۔ وہ انجان کیوں بن رہا تھا؟ بے نیاز کیوں بن رہا تھا؟ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کیا یہی وہ دن ہے جس کا شدت اور مدت سے انتظار تھا اور جس کے لیے کسی شاعر نے کہا تھا کہ "دن گنے جاتے تھے اس دن کے لیے۔" تو وہ وقت وہ منظر وہ دن، شاید آج اور آج کا یہ وقت نہیں، جس میں اجنبیت۔ سرد مہری اور بے اعتنائی ہے۔

اس کا گریز دیکھ کر عائشہ کی ہمت پست ہو رہی تھی۔ کچھ اس کی جھجک شرم و حیا اور انا آڑے آئی۔ وہ کچھ دیر خاموش بیٹھی رہی پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں اب چلتی ہوں سر!"

"ہوں!" مانی کا سر اب بھی جھکا ہوا تھا۔

"خدا حافظ!" وہ دروازے کی طرف بڑھی۔

"خدا حافظ!" مانی نے سر اٹھا کر اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ شدت کے ساتھ اس کے دل نے خواہش کی کہ اسے پکارے اور روک لے مگر اسے پکارنے کا، روکنے کا حق شاید وہ کھو چکا تھا۔ دل کی خواہش تھی کہ اس سے سوال کرے پوچھے تو سہی کہ جس نئے بندھن میں بندھی ہے وہ اپنی مرضی اور خوشی کا سودا ہے یا مجبوری کا؟ مگر انا نے ایک زور کا قہقہہ لگایا تھا دل پر۔ مجبور چہروں پر اتنا اطمینان اور خوشی نہیں ہوتی۔ عائشہ نے کمرے سے باہر نکلتے وقت مڑ کر دیکھا دونوں کی نگاہیں ایک لمحے کو ٹکرائیں اور پھر وہ باہر نکل گئی۔

UUNOVELS.COM

☆☆☆

اس نے ہری مرچ پیاز کاٹ کر انڈے میں ڈالیں اور پھر تیزی سے انہیں پھینٹنے لگا۔ جس رفتار سے وہ پھینٹ رہا تھا۔ اس سے کہیں زیادہ رفتار سے چاچا کی زبان چل رہی تھی۔

''پیسوں کا کوئی مسئلہ نہیں ہے یار! جو کم ہوں گے میں ملادوں گا ساری زندگی ہوگئی کماتے ہوئے۔ آخر انسان کس کے لیے کماتا اور جوڑتا اپنی اولاد کے لیے، ان کی ضروریات خواہشات اور خوشیوں کے لیے؟ اور میں تو بڈھا ٹھہرا۔ آج مرا کل دوسرا دن، تیری خوشیاں، کامیابیاں! اسی زندگی میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں بس ایک یہی تمنا ہے اب تو۔'' چاچا جی جذباتی ڈائیلاگ بولنے میں بہت مہارت رکھتے تھے۔

''آپ کے لیے ہاف فرائی بناؤں یا یہی ہری مرچ پیاز والا؟'' شاہ میر نے پین میں پھینٹا ہوا آمیزہ ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

''یہی بنادے یار!'' چاچا کو یہ مداخلت کچھ زیادہ بھائی نہیں۔

''لڑکی شریف ہے۔ سیدھی سادی ہے۔ دھوکا نہیں دے گی۔''

''دھوکا دینے کے لیے کسی کا بدمعاش ہونا ضروری نہیں۔ شریفوں سے بھی کبھی یہ غلطی ہوجاتی ہے۔'' شاہ میر نے دوسرا انڈا بنانے کے لیے فرائی پین میں ڈالا۔

''میں نے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے صاحبزادے! نہ تیری طرح ہر ایک کو شک وشبے کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ نہ دنیا زمانے سے اتنا بے اعتبار رہتا ہوں۔''

''سلائس سادہ لیں گے یا فرائی کردوں؟''

''اپنے منہ سے بولا ہے بچی نے، کوئی خود سے اعتبار کر کے قدم آگے بڑھائے تو اسے نہ کہہ کر بے بھرم نہیں کرتے۔ پھر میں بھی تو تم دونوں کے ساتھ ہوں۔''

''چاچا! ناشتہ کرلو۔'' شاہ میر نے ان کے آگے ٹرے رکھی۔

''میری باتوں کا بھی کوئی جواب ہے یا نہیں؟'' انہوں نے انڈے پہ کالی مرچ اور نمک باری باری چھڑکا۔

''جواب دے چکا ہوں۔'' شاہ میر نے اپنا ناشتہ کرنا شروع کیا۔

''کیسے؟ کب؟'' چاچا بری طرح چونکے۔

''ماریہ سے بات ہوئی تھی۔ میں نے ہاں کہہ دی ہے۔''

☆☆☆

نہا دھو کر نئے جوڑے میں ملبوس بالوں میں کنگھا کرتے ہوئے مسکراہٹ صرف چہرے پہ ہی نہیں تھی بلکہ اس کا انگ انگ خوشی سے مسکرا رہا تھا۔

''بھابھی! آپ ریڈی ہو؟'' راکٹ نے اچانک ہی اندر جھانکا تھا۔

''ہاں!'' نائلہ اپنے خوش کن خیالات سے چونکی۔

''جمال بھائی بس پہنچنے والے ہیں پانچ منٹ میں۔'' اس نے اپنے سرخ دانتوں کی نمائش کی۔ نائلہ مسکرا کر رہ گئی۔ اس کا رواں رواں انتظار کے رنگ میں بھیگ رہا تھا۔

''نیچے آجاؤ، میں گاڑی میں ہوں۔'' نائلہ کے موبائل پر میسج آیا تھا۔ اس کا دل کسی نئی نویلی دلہن کی مانند دھڑک دھڑک اٹھا۔ وہ مومی کے پاس گئی جو اوندھی پڑی موبائل میں مگن تھی۔

''میں جارہی ہوں۔''

UUNOVELS.COM

''کہاں؟'' موی نے سیدھے ہو کر سوال کیا۔ سوال سنجیدہ تھا مگر لہجہ تمسخرانہ تھا۔
''جمال کے ساتھ۔''
''وہ تو مجھے بھی معلوم ہے' پر کہاں؟'' موی نے پھر اپنا سوال دہرایا۔
''اپنے گھر اور کہاں؟'' نائلہ نے کچھ پریشان ہو کر اسے دیکھا۔
''چلی جاؤ مگر جمال گھر بسانے والا مرد نہیں ہے۔ میری یہ بات یاد رکھنا۔''
''میرا خیال ہے کہ مجھے تمہارے پاس آنا ہی نہیں چاہیے تھا خدا حافظ کہنے کے لیے۔'' نائلہ کے چہرے پر خفگی چھا گئی۔ لہجہ درشت ہو گیا۔ موی کا جواب سنے بغیر وہ پلٹی اور سیڑھیاں اترنے لگی۔
''ابھی تمہیں میری باتیں بری لگ رہی ہیں۔ بعد میں سچی لگیں گی۔'' اس کی باریک، برمے کی طرح کانوں کو چھوتی ہوئی آواز، نائلہ کی سماعتوں تک پہنچی۔
''بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہاری پیش گوئی۔'' نائلہ نے سر جھٹکا۔
اس وقت جب کہ وہ جمال کے پاس جا رہی تھی۔ اس کے ساتھ اپنے گھر جا رہی تھی۔ اس خوش کن احساس کے ساتھ وہ صرف خوش ہونا چاہتی تھی مگر اس عورت (موی) نے اس کی ساری خوشی کو کرکرا کر دیا تھا۔
وہ جمال کے متعلق سوچ کر خوش ہونے کے بجائے موی کی باتوں کو لے کر غصہ کر رہی تھی اور رنجیدہ بھی ہو رہی تھی۔ مگر طیش اور افسردگی کو دور بھگا کر خوش ہونے کی مسکرانے کی کوشش کی اور ان ہی متضاد کیفیات میں گھری وہ گاڑی کے نزدیک پہنچی جس میں جمال بیٹھا تھا۔

☆☆☆

موسم نے دھیرے دھیرے اپنا رنگ بدلنا شروع کر دیا تھا۔ دھوپ کی تیزی اب محسوس ہونے لگی تھی اور ٹھنڈی ہوا اچھی لگ رہی تھی۔ صحن میں ہی کیاری میں لگے پودے اپنا زرد لبادہ اتار کر سبز پیراہن زیب تن کرنے کی تیاریوں میں مشغول تھے۔
اور کچھ دنوں میں یہ پورے رنگ برنگے نرم و نازک پھولوں سے بھر جائیں گے جیسے کوئی دل، جو یکا یک محبت سے مالا مال ہو جائے۔ بڑی سی کیاری میں لگے جھومتے پودوں کو دیکھ کر عارف نے بے اختیار سوچا۔
وہ لیے تو اس کے ہاتھ میں اخبار تھا۔ جسے آج چھٹی والے دن دیر تک لے کر بیٹھنے اور پڑھنے کی فرصت ہوتی تھی۔ مگر اب کچھ ہفتوں سے اخبار تو اس کے سامنے ہوتا تھا اور وہ خود کہیں اور پہنچا ہوتا تھا۔ ایک پیارا سا جگمگاتا سا چہرہ، اجلی، روشن سی مسکراہٹ، ایسی اجالوں بھری مسکراہٹ، جس کی معیت میں زندگی کا سفر طے کرنے کو جی چاہے۔ جسے اوڑھ لپیٹ کر خود کو گم کرنے کا یا پانے کا دل چاہے۔ بعض بندھن بذات خود اتنے خوب صورت ہوتے ہیں کہ بات اور ملاقات کم ہونے پر بھی۔ کوئی خوشبو سی دلوں تک پھیلتی جاتی ہے۔ اپنا آپ بھی اور اپنے چہار طرف بھی سارا ماحول مہکا مہکا لگتا ہے۔ اسی خوشبو میں گم ان ہی خوابوں میں مست وہ ارد گرد بلکہ اپنے آپ سے بھی شاید بے خبر بیٹھا تھا۔ جب سید صاحب نے کھنکھار کر بات کا آغاز کیا۔
''میں سوچ رہا ہوں کہ تھوڑی تھوڑی کر کے شادی کی تیاریاں اب شروع کر دینی چاہئیں۔ عین وقت پر اتنا سارا پھیلاوا کون سمیٹے گا۔ کم سے کم زیور تو ابھی سے بنوا ہی لیتا ہوں۔ روز سونا مہنگا ہو رہا ہے۔ ایک سال کے عرصے میں خدا جانے کہاں سے کہاں جا پہنچے؟ کیوں؟'' انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے بیٹے کی طرف دیکھا۔
''جی؟'' ایک نظر اخبار سے نگاہ ہٹا کر عارف نے والد صاحب کی ہاں میں ہاں ملائی۔
''زیور ابھی بن جائے گا۔ باقی کپڑوں، جوتوں کی تیاری کے لیے انہیں ہی رقم دے دوں گا۔ جیسا مناسب

سمجھے گی۔ بچی اپنی مرضی سے خریداری کر لے گی۔"

"جی۔" عارف کی "جی۔" اس بار بھی مختصر اور محتاط تھی۔

"ویسے تو ایک سال کا کہا تھا۔ دو ماہ تو گزر گئے۔ باقی وقت بھی یوں ہی گزر جائے گا۔ وقت گزرتے کوئی دیر لگتی ہے بھلا۔ پر لگا کر کر اڑ جاتا ہے۔" سید صاحب نے خود کلامی کی۔

"پر لگا کر کہاں اڑتا ہے یہ وقت؟ شاید کبھی، کہیں اڑتا ہو، مگر یہاں تو جیسے ٹھہر گیا ہے۔ رک گیا ہے۔ گزرنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ ایک ایک لمحہ اپنی موجودگی کا احساس دلا کر جتا جتا کر گزر رہا ہے۔ اچھا بھئی، ہم جا رہے ہیں۔ ہمارے بعد جو لمحہ آ رہا ہے اس سے ذرا سلام دعا کرو۔ اور یہ شوخ و شریر لمحے چھیڑ خانی کرتے ہوئے۔ احساس دلاتے ہوئے گزرتے ہیں کہ ابھی سال پورا کرنے میں ہم یونہی تنگ کریں گے تمہیں۔ ستاتا کر آئیں گے۔ تنگ کر کر کے جائیں گے۔ عارف کے ذہن پر خیالات نے یلغار کر دی مگر والد صاحب کے سامنے وہ ویسا ہی خاموش اور مودب بیٹھا رہا۔

تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" سید صاحب نے چونک کر اسے دیکھا۔ "جی۔" وہ گڑبڑایا۔

"تمہارا دھیان بٹا ہوا ہے۔"

"نہیں تو، آپ زیور اور کپڑوں کے بارے میں بات کر رہے تھے۔"

"میں نے ہر بات سنی ہے غور سے۔" عارف نے بے ساختہ ہی تردید کی۔

"اچھا۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ "ویسے اگر تمہیں اخبار پڑھنا ہے تو اسے سیدھا کر لو۔" وہ ہدایت دے کر کمرے میں چلے گئے اور عارف اخبار کو سیدھا کر کے، دیر تک اپنی الٹی سیدھی مسکراہٹ پہ قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔

☆☆☆

خبر ٹی وی پر بھی آ گئی تھی۔ اس سے پہلے ان تک بھی پہنچ گئی تھی۔

"لو باجی! یہ کمینہ تو چھوٹ جائے گا۔ اس نے تو کہیں سے بیوی بھی پیدا کر لی۔" تارا نے یوں بے ساختہ تبصرہ کیا کہ جھمکا کے پتھریلے ساکت چہرے پہ بھی ایک مسکراہٹ نے ترخ کر جگہ بنا لی۔

"خالی بیوی ہی نہیں اور کئی گواہ بھی یکا یک اگ آئے ہیں زمین سے۔ قانون کی عمارت میں چور دروازوں کی کمی نہیں، جہاں کہیں دیوار نظر آئے وہاں رخنہ ڈال کر کسی کو بھی نکالا جا سکتا ہے۔ طاقت، دولت، عہدہ، اثر ورسوخ ایسی کلہاڑیاں ہیں جو مضبوط سے مضبوط پشتے کو، دیوار کو کاٹ ڈالتی ہیں۔ طلال ملک اور اس کے باپ نے کوئی حربہ نہیں چھوڑا تھا اپنے بیٹے کو چھڑوانے کے لیے اور اس کی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے جتنے گواہان پیش کیے جا رہے تھے، اس کی رہائی عنقریب متوقع تھی۔

"سب بکواس ہے، سب کچھ ڈھونگ ہے۔ دھوکا، فریب اور بس۔" جھمکا کی آنکھوں کی سرخی گہری ہونے لگی تھی۔

"غریب اور بے بس انسان کی قسمت میں کچھ بھی تو نہیں۔ انصاف بھی نہیں۔"

تارا کے لہجے میں بے بسی کی دھند تھی۔ سب کچھ دھندلا نظر آ رہا تھا۔ کچھ بھی واضح نہ تھا مگر حقیقت میں تو سب کچھ صاف صاف دکھائی دے رہا تھا۔ جرم ثابت نہیں ہو رہا تھا بلکہ اسے ثابت ہونے دیا نہیں جا رہا تھا۔

"بڑی بی نے کچھ کھایا یا نہیں؟" جھمکا نے یکا یک ہی موضوع بدل دیا۔ اسے ادراک تھا کہ اپنے جی کو جلانے سے، حقیقت تو نہیں بدلتی۔ ایک بار پھر اس نے بے حسی کا لبادہ اوڑھ لیا۔

"یخنی دی تھی بوا نے۔ وہی پی تھی تھوڑی سی۔ آج پھر وہی رٹ لگائی ہوئی تھی، مجھ سے تو سنبھلتی نہیں ہیں۔ بوا نے ہی پتا نہیں کیسے بہلایا۔"

UUNOVELS.COM

تارا نے سر جھکا کر بولتے ہوئے اپنے کھردرے ہاتھوں کو دیکھا۔
موٹی موٹی سخت انگلیوں پر سجی گلابی نیل پالش مدھم پڑ چکی تھی۔
"یہ بڑی بی نہ مجھے سکون سے جینے دے گی اور نہ خود سے مرے گی۔" جھمکا کا لہجہ اور الفاظ دونوں کڑوے ہو گئے۔
"باجی! ایک بات کہوں؟ مگر بھڑکنا مت۔" تارا نے بدستور اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا۔
"جب معلوم ہے کہ بھڑکنے کی بات ہے تو مت کہہ، چپ کر کے بیٹھ۔"
"آپ وہاں چلی جائیں کسی دن، ان سے بات تو کریں۔"
"کیا ہو گا میرے بات کرنے سے۔ وہاں جانے سے؟" جھمکا نے خلاف توقع غصے کے بجائے نسبتاً آرام سے سوال کیا۔
"کیا پتا وہ راضی ہو جائیں یہاں آنے پہ اور....." تارا نے امید بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ادھوری بات کی۔
"یہاں کے لیے اس کا دل راضی ہوتا تو جاتا ہی کیوں؟"
بہت عرصے بعد اس شخص کے نام اور ذکر پر جھمکا کا لہجہ زہر آلود نہیں ہوا۔ الفاظ خنجر بن کر سننے والے کے دل میں پیوست نہیں ہوئے۔ شاید وہ بھی اب تھک چکی تھی مسلسل جنگ سے۔ مسلسل نفرت سے انسان تھک بھی تو جاتا ہے۔ آج اس کی آواز میں وہ تنتنا، وہ گھن گرج نہیں تھی جو ہمیشہ اس کے ذکر پر ہوا کرتی تھی۔ کچھ نڈھال، کچھ شست آواز تھی۔
"کیا پتا اماں کا حال سن کر ان کا دل نرم ہو جائے۔" تارا نے دلیل دی۔
"جو پتا ایک بار شاخ سے ٹوٹ کر گر جائے، اسے واپس شاخ پہ لگانے کی کوشش کرنا ایک حماقت ہے اور کچھ نہیں۔" جھمکا کی آواز سے یاسیت جھلک پڑی۔
"مگر باجی....."
"بات سن تارا! اس نے ہمیں اپنی زندگی کی شاخ سے نوچ کے پھینک دیا۔ چاہے ہمارا جو بھی حشر ہو۔ وہ ہمارے بارے میں کچھ سوچتا بھی نہیں۔ ہم اسے یاد بھی نہیں۔ پھر کس بھروسے پہ اپنا بھرم لے کر سامنے جاؤں؟ میرے زخموں پر سے کھرنڈ مت اتار۔ اب دفع ہو جا یہاں سے۔" وہ اپنی جون میں واپس آ گئی۔

☆☆☆

دشت تنہائی میں، اے جان جہاں لرزاں ہیں
تیری آواز کے سائے، تیرے ہونٹوں کے سراب

دھیمی آواز میں سنتے ہوئے وہ کسی اور ہی جہان میں گم تھی۔ اس جہاں میں، جہاں کسی کے لفظوں کی روشنی نے آنکھوں میں اجالا بھر دیا تھا۔ مگر اب وہ الفاظ غائب تھے، وہ جو اجالا تھا اسے بدگمانی اور بے یقینی کے اندھیرے نگل رہے تھے۔

اور اگر وہ سوال کرے تو جواب دوں
وہ بے یقینی کا اظہار کرے تو یقین دلاؤں
وہ شکوہ کرے تو اس کی شکایت دور کروں
وہ بے قرار ہو تو اسے تسلی دوں
مگر خاموشی کے جواب میں کوئی کیا کہے؟
بے اعتنائی کا بدلہ بے رخی ہی ہو سکتا ہے لیکن دل اگر آمادہ نہ ہو تو؟

UUNOVELS.COM

ایک کے بعد ایک سوالات کر رہے تھے۔ اور شاہ میر باری باری سب کے جوابات دے رہا تھا۔
''بھائی جان؟'' حمزہ نے اسے مخاطب کیا۔
''اب اگر آپ بہت بہت دنوں میں آئے تو میں آپ سے کٹی ہو جاؤں گا۔'' وہ پھولے پھولے گالوں اور گھنگھریالے بالوں والا معصوم سا بچہ تھا۔
''افوہ یہ تو بڑی زیادتی ہو گی میرے ساتھ۔'' شاہ میر اس دھمکی پر بے اختیار ہنس پڑا۔
''بھائی جان، آپ ہنستے ہوئے کتنے اچھے لگ رہے ہیں۔'' عاشر نے بے ساختہ تعریف کی۔
''مگر آپ بہت کم ہنستے ہیں۔''
شاہ میر کی ہنسی مدھم ہو گئی۔
''یاد نہیں رہتا ہنسنا۔''
اس نے عاشر کے رخسار پر ہاتھ پھیرا۔ پتا نہیں کیوں۔ اس بچے میں اسے اپنا بچپن جھلکتا محسوس ہوا تھا۔
''اچھا بچو، اب میں چلتا ہوں، پھر دوبارہ آؤں گا۔''
کافی دیر بچوں سے باتیں کرنے کے بعد وہ کھڑا ہو گیا۔
''جلدی آیئے گا، پرامس کریں،'' سارے بچے یک زبان ہو کر مطالبہ کر رہے تھے۔ بچوں سے دوبارہ جلد آنے کا وعدہ کر کے باہر نکلا تو سہ پہر ڈھل کر شام کے سرمئی آنچل میں چھپ رہی تھی۔

☆☆☆

آسمان پرندوں سے خالی تھا۔ بالکل اسی طرح اس کا ذہن بھی خیالات سے یکدم خالی ہو گیا تھا۔ جمال کی بات سنتے ہی اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔
''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' اس کی حسین آنکھوں میں انتہائی بدصورت خوف نے ڈیرہ جما لیا۔
''بس ایک دو ہفتے کی بات اور ہے جان۔ پھر ہم دونوں ہوں گے اور ہماری چھوٹی سی جنت۔'' جمال اپنے شاطر لفظوں سے اسے بہلا رہا تھا مگر وہ بچوں کی طرح مچل گئی۔
''میں اب کہیں نہیں جاؤں گی۔ مجھے آپ کے ساتھ جانا ہے اور آپ کے ساتھ ہی رہنا ہے۔ میں نے کہہ دیا بس۔''
''سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں اس وقت بہت بڑی مصیبت میں پھنسا ہوا ہوں، دشمن میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ مجھے اپنی کوئی پروا نہیں مگر تمہاری فکر ہے۔ اگر خدانخواستہ تمہیں کچھ ہو گیا تو میں تو جیتے جی مر جاؤں گا۔''
جمال کا لہجہ انتہائی جذباتی تھا۔
''کون لوگ ہیں، جو آپ کے دشمن بنے ہوئے ہیں اور کیوں بنے ہوئے ہیں آپ مجھے ٹھیک سے بتائیں تو سہی۔'' نائلہ بہت فکرمند تھی۔ جمال کے لیے بھی اور اپنے لیے بھی، ایک بار پھر کسی نئے ٹھکانے کے انکشاف نے اسے متوحش کر دیا تھا۔ اوپر سے جمال کی پریشانیاں۔
''مجھے سچ سچ بتا دیں سب کچھ۔'' نائلہ کی آواز بے بسی میں ڈھلی ہوئی تھی۔ اسے اچانک ہی سومی کا اور اس کی باتوں کا خیال آیا تھا۔
''سچ؟'' جمال نے اس کی طرف دیکھا۔ ''صرف تمہیں بچانے کی خاطر میں نے اپنی زندگی داؤ پر لگا دی اور تم یوں بے اعتبار ہو رہی ہو۔ یہ صلہ دیا ہے میری محبت کا؟ بہت افسوس کی بات ہے اگر تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے تو واپس جا سکتی ہو مجھے چھوڑ کے۔''
جمال کے لہجے میں خشونت بھر گئی اور آنکھوں میں بے اعتنائی، نائلہ بے بس مچھلی کی طرح تڑپ کر رہ گئی۔
''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' وہ گھگھیائی۔

UUNOVELS.COM

"پھر کیا مطلب تھا؟"

"میں بہت پریشان ہوں، سوی کی باتوں نے الگ دماغ الجھا دیا تھا اوپر سے آپ نے بھی کہہ دیا کہ بھی اپنے ساتھ نہیں لے جا رہے۔ میرے بارے میں بھی تو سوچیں کب تک مسافر بن کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتی رہوں؟ پتا نہیں کیا کیا خیالات آتے ہیں ذہن میں، ایک پل کے لیے بھی سکون نہیں ملتا۔" نائلہ کی آواز بھرا گئی۔

"مجھے احساس ہے تمہاری فیلنگز کا۔ اچھی طرح سے احساس ہے مگر تم میری پوزیشن کو اور مجھے بھی تو سمجھنے کی کوشش کرو۔ تمہاری بے اعتبار نگاہوں سے اور لفظوں سے میرا حوصلہ ٹوٹنے لگتا ہے۔ محبت اعتبار ہی کا تو دوسرا نام ہے۔" جمال نرم پڑ گیا۔

"اس کے بعد تو ہم ساتھ ہوں گے نا؟" نائلہ نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے بڑی امید سے سوال کیا۔

"تم سے زیادہ میں بے چین ہوں تمہارے ساتھ کے لیے۔" جمال نے اپنے ہاتھ میں اس کا ہاتھ لے کر گرفت مضبوط کی۔

"مجھے بہت ڈر لگا رہتا ہے ہر وقت۔" نائلہ نے اپنے خوف کا اظہار کیا۔ "اعتبار رکھو۔ نہ ڈر لگے گا۔ نہ خوف محسوس ہوگا۔ جمال اپنی چرب زبانی کا بھرپور مظاہرہ کر رہا تھا۔ نائلہ ایک بار پھر اس کے لفظوں کے خوش نما جال میں پھنس رہی تھی۔ اپنے ذہن میں موجود خدشات اور خوف کو ایک طرف کرتے ہوئے اس نے خود کو پرسکون اور مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"بس کچھ دنوں کی بات ہے۔ پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ میں ہوں گی اور جمال کا ساتھ۔ اس کی محبت اور ایک خوش گوار خوب صورت زندگی ہمارے ہمراہ ہوگی۔ پھر سے خوابوں کا نگر آباد کرتے ہوئے اس نے ایک نظر جمال کے خوب صورت چہرے کو دیکھا جس پر تھکن کے آثار تھے۔

"آپ پریشان مت ہوں۔ میں انتظار کروں گی آپ کا۔" نائلہ نے اس کے ہاتھ پر دھیرے سے اپنا ہاتھ رکھا۔

☆☆☆

بازار کی رونق، چہل پہل روایتی ہی تھی۔ لوگوں کی کثیر تعداد خریداری میں مصروف و مگن نظر آ رہی تھی۔ اسی بھیڑ میں یہ دونوں بھی تھے۔

"پھر کیسی لگی جگہ؟" ماریہ نے دوپٹہ شانوں پر برابر کرتے ہوئے شاہ میر سے سوال کیا۔

"اچھی لوکیشن ہے۔" شاہ میر نے مختصر تبصرہ کیا۔ چہرہ بھی عادت کے مطابق ذرا سنجیدہ ہی تھا۔

"اللہ کرے کہ کام چل جائے۔ میں ذرا نروس ہوں۔ دراصل دانیہ کے ساتھ پوری سیٹنگ ہو گئی تھی۔ وہ محترمہ تو ٹھکانے لگ گئیں اور مجھے اکیلا چھوڑ دیا۔ خیر اللہ میاں خوش رکھیں انہیں۔ ابھی تک تو بیسی اندر نہیں ہو رہی ان کی۔" بے تکان بولتے بولتے ماریہ کھلکھلائی۔ شاہ میر کے لبوں کو بھی ایک خفیف سی مسکراہٹ نے چھوا۔

"آپ کو کیا ڈاکٹر نے منع کیا ہے؟"

"ڈاکٹر نے؟ کس بات سے؟" ماریہ کے اچانک سوال پہ وہ گڑبڑا گیا۔

"کھل کر ہنسنے یا کم از کم مسکرانے سے؟" ماریہ سنجیدہ تھی۔

"ایسی بھی کوئی بات نہیں کہ میں کبھی مسکراتا ہی نہیں، بس ہر وقت ہنسی نہیں آتی۔" شاہ میر نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

"ہر وقت ہنسی تو بس لڑکیوں کو آتی ہے بقول ہماری دادی کے، لڑکیوں کو ہنسنے کا کوئی بہانہ بھی نہیں چاہیے ہوتا بس بات بے بات، بلاوجہ ہنسی کے فوارے چھوٹتے رہتے ہیں۔" وہ پھر کھلکھلائی۔

"اللہ سب ہنسنے والوں کی ہنسی سلامت رکھے۔" شاہ میر نے بے آواز لبوں سے دعا دی۔

''یہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' ریسٹورنٹ کی طرف دیکھ کر شاہ میر کچھ گھبرا سا گیا تھا یا ماریہ کو ایسا محسوس ہوا۔
''پریشان نہ ہوں شاہ میر صاحب، آپ کا زبانی شکریہ تو ادا کر دیا تھا میں نے مگر مجھے ناکافی لگا۔ اس لیے سوچا کہ کم از کم ایک ٹریٹ تو آپ کا حق ہے۔ چاچا جی کو بھی انوائٹ کیا ہے کہہ تو رہے تھے کہ آجائیں گے۔ اور دانیہ بھی آ رہی ہیں اپنے موصوف کے ساتھ، پرسوں نکاح ہو گیا ہے محترمہ کا، پہلی دعوت آج میری طرف سے ہے۔''
ریسٹورنٹ میں اندر جا کر کرسی سنبھالنے تک ماریہ بولتی رہی۔
''اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔ زبانی شکریہ بھی کافی تھا۔'' شاہ میر بیٹھ تو گیا مگر متذبذب تھا۔
''ضرورت تھی، ہم جب شکریہ ادا کرتے ہیں تو اپنے انداز سے کرتے ہیں۔'' ماریہ کا شاہانہ انداز اتنا دلچسپ تھا کہ بے اختیار وہ مسکرا اٹھا۔
''یہ تو ورلڈ ریکارڈ ہو گیا۔ ایک گھنٹے میں آپ دوسری بار مسکرائے؟'' ماریہ کی چلبلی زبان نے چھیڑ خانی کی۔
''کیونکہ اس وقت میرا ذہن ان تکلیف دہ خیالات سے آزاد ہے جو ہر وقت مجھے گھیرے میں لیے رہتے ہیں۔ یہ تمہاری سنگت کا کمال ہے پیاری لڑکی۔''
شاہ میر نے میز کی سطح دیکھتے ہوئے دل میں سوچا۔

☆☆☆

مانی نے لکھتے لکھتے چند لمحوں کا توقف کیا، کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندیں۔ خیال کے طائر آسمان ذہن میں محو پرواز تھے۔ اور لفظ بن کر ایک ایک کر کے کاغذ پر سج رہے تھے۔ آنکھیں کھول کر وہ سیدھا ہوا۔ قلم تھاما اور ایک بار پھر لکھنا شروع کیا۔
''آنکھیں بند کرنے سے اندھیرا نظر آتا ہے مگر ستم ظریفی ہے کہ اب کھلی آنکھوں کے سامنے بھی تاریکی مستقل ہو گئی ہے۔ ہمیں صبر کی تلقین کی جاتی ہے۔ آدھی روٹی کھانے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ چلیے ہم پیٹ پر وہ پتھر باندھ لیں گے۔ جو برسانے کے لیے رکھتے ہیں، اگر کوئی کرن امید کی نظر آئے؟ ہم بندگلی کے آگے کھڑے ہیں اور اصرار ہے کہ سامنے وسیع سرسبز میدان ہے۔ ہمارے خوابوں کی راکھ فضا، میں ہر طرف بکھری ہے۔ خوش گمانیاں ساری آپ پر صدقے، خوش فہمیاں ساری آپ کو مبارک ہوں۔ آپ عقل کل ہیں۔ ہم ناقص اور عاجز، آپ کا فرمان بجا اور آپ کا کہا سر آنکھوں پر مگر اب ہم تھک چکے ہیں۔ ہم تعیشات کے خواب نہیں دیکھتے، آسائشوں کی چاہ بھی نہیں رکھتے، بس جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھنے کے لیے جو روکھی سوکھی کھاتے ہیں۔ کم از کم اس کا حصول تو آسان کر دیجیے۔ ہم سفید پوش کہاں جائیں جن کی شرم اور جن کا بھرم انہیں ہاتھ پھیلانے سے روکتا ہے۔ اور جن کا ایمان غلط ذرائع اختیار کرنے پر ٹوکتا ہے۔ ہم جیسے لوگ جو جی رہے ہیں نہ مر رہے ہیں۔ عالم نزع میں ہیں کچھ تو آسان کریں ہمارے لیے زندگی یا موت۔

☆☆☆

سانولی رنگت پہ مناسب نقوش، بھلے لگ رہے تھے۔ چہرے پہ بڑھتا رواں اب گہرا ہو رہا تھا۔ قد تاڑ کی طرح بڑھ رہا تھا۔
''ڈاڑھی مونچھ نکل آئی ہے لونڈے کی۔ بہو ڈھونڈ لے اب۔'' بوا نے ترنم سے مذاق کیا۔
''کیوں نہیں، کیوں نہیں، خدا وہ دن لائے اور دکھائے، ماشاء اللہ دیکھتے ہی دیکھتے بڑا ہو گیا۔'' فرط جذبات سے ترنم کی آنکھیں بھیگ گئیں۔
''اب تو خیر سے کام بھی سیکھ رہا ہے۔'' ترنم نے فخریہ خود کلامی کی۔
چاند بابو کو مولوی صاحب نے اپنے بیٹے کے ساتھ خراد مشین کا کام سیکھنے پر لگا دیا تھا۔ مولوی صاحب، اپنے

قبیل کے عام افراد سے ذرا الگ سوچ رکھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ علم کے ساتھ ساتھ ہنر بھی ضروری ہے۔
چاند بابو کو انہوں نے اپنے بیٹے کا درجہ دیا ہوا تھا اور وہ تو تھا ہی مولوی صاحب کا معتقد، انہوں نے جیسے ہی اس سے کام سیکھنے کو کہا وہ فوراً راضی ہو گیا۔

اب تو وہ صبح کا گیا رات گئے ہی واپس آتا تھا۔ آتے ہی کھانا کھاتا، کبھی وہ گول ہو جاتا کہہ دیتا کہ کھا کر آیا ہے۔ اور بس سونے کی تیاری، ترنم اس کے انتظار میں جاگتی رہتی کہ وہ آئے تو اپنے ہاتھوں سے پکایا کھانا گرم کر کے اسے کھلائے۔

اماں حسب معمول اسے جلی کٹی سناتی رہتیں اور وہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتی، جو محبت دل میں بیٹے کے لیے تھی اسے تو نکالنے سے رہی۔ اماں کی لاکھ نصیحتوں کے باوجود بھی، بیٹے کے لیے اس کی ممتا ہر گزرتے دن نہیں بلکہ ہر گزرتے لمحے بڑھ رہی تھی اور بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ اس دن بھی رات کے دس بج گئے، ٹانگ میں شدید تکلیف اور درد کے باوجود بھی اس نے نہ جانے کتنے چکر لگا لیے۔

''الو کی پٹھی۔ نہ خود سو رہی ہے نہ سونے دے رہی ہے۔'' ہر تھوڑی دیر بعد ہونے والی کھٹ پھٹ اور کھٹر پٹر سے بھنا کر اٹھ بیٹھیں۔

''تم سو جاؤ اماں، بس اب کوئی آواز نہیں ہوگی۔'' ترنم نے لجاجت سے ان سے کہا۔

''ممتا سے بری آگ کوئی نہیں، مت جلا خود کو اس میں۔''

''یہ میرے بس سے باہر ہے اماں، تم پریشان کیوں ہوتی ہو، دنیا میں ایسی کون سی ماں ہوگی جسے اپنی اولاد سے محبت نہ ہو۔ سبھی مائیں، اپنے بچوں پر جان چھڑکتی ہیں۔''

''ہاں چھڑکتی ہیں جان، مگر کچھ اپنے لیے بھی بچا کر رکھتی ہیں۔ تو تو ساری کی ساری جان لونڈے پہ نچھاور کر رہی ہے۔'' اماں نے اپنے مخصوص کرخت لہجے میں بولتے ہوئے کروٹ لی۔

''اچھا چلو اب سے خیال رکھوں گی، نہیں کروں گی اتنی چاہ، تم اب سو جاؤ آرام سے۔'' ترنم نے مصالحت آمیز رویہ اختیار کیا۔

''مجھے نہ چلا، بچی نہیں ہوں، ماں ہوں تیری، رگ رگ پہچانتی ہوں، تجھے تو روگ لگ گیا ہے محبت کا، پہلے باپ پھر بیٹا، رہنا کسی نے نہیں تیرے پاس، وہ بھی چھوڑ گیا، یہ بھی چھوڑ جائے گا۔''

''اچھا اماں، اب چپ ہو جاؤ۔'' اتنی خوفناک پیشن گوئی سن کر ترنم تو دہل ہی گئی۔ شوہر کون سا اپنی مرضی سے چھوڑ گیا تھا اسے وقت آ گیا تھا بے چارے کا، خدا نے بلا لیا اپنے پاس، مرضی اس رب کی۔ ترنم خاموش بیٹھی سوچنے لگی۔ بیٹا بھلا کیوں چھوڑ کر جائے گا۔ اتنی توجہ اتنی چاہت کوئی ٹھکراتا ہے بھلا؟

☆☆☆

نہا دھو کر نیا جوڑا پہن کر کرسی پر بیٹھی تو اپنا آپ بہت ہلکا پھلکا لگ رہا تھا۔ اس وقت تو چکر بھی نہیں آ رہے تھے نہ ہی کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔ بوا نے ہلکے گیلے بالوں میں تیل لگایا اور کنگھا کرنے لگیں۔ کیسے لمبے گھنے بال تھے۔ سارے ہی جھڑ گئے۔ بوا نے تاسف سے ان خاکستری بالوں کو دیکھا جن کی خوب صورتی کا اب عکس بھی باقی نہیں رہا تھا۔ بال سلجھا کر انہوں نے پتلی سی چوٹی باندھ دی۔

''اس کے بال بھی بڑے گھنے تھے ریشم کی طرح ملائم، میں تو نظر بھر کے دیکھتی بھی نہ تھی کہ کہیں میری نظر نہ لگ جائے۔'' بڑی بی کی ویران آنکھوں میں ایک چمک سی آ گئی۔ چہرے کی جھریوں سے رونق جھانکنے لگی۔

''میں نے بڑی نظریں اتاری تھیں اس کی، پھر بھی نہ جانے کس کی نظر کھا گئی میری خوشیوں کو۔''

''سا گودانہ بنوا دوں آج تمہارے لیے۔'' بوا نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

''کچھ بھی بنوا دو مگر پہلے ایک کام تو کرو ذرا۔''
''کیا؟''
''جائے نماز بچھا دو۔''
''جائے نماز، پر ابھی نماز کا وقت کہاں ہے؟'' بوا حیران ہوئیں۔
''نماز اپنے وقت پر ہوتی ہے۔ دعا تو کبھی بھی ہو سکتی ہے نا۔ مسجد کے مولوی صاحب کی تقریر آ رہی تھی جمعے کو، وہ کہہ رہے تھے کہ جو بھی حاجت ہے سوالی بن کر اپنے رب کے آگے جھک جاؤ۔ پھر اس کا کرم دیکھو۔''
بڑی بی نے من و عن مولوی صاحب کے الفاظ دہرائے۔ بستر پر لیٹے لیٹے یا بیٹھی بیٹھی وہ بس سوچتی رہتیں یا چاروں طرف کی آوازیں سنتی رہتیں۔ پرندوں کی چہکار، پھیری والوں کی آوازیں، باہر سڑک سے گزرتی گاڑیوں کی آوازیں، ہارن اور قریبی مسجد سے آتی اذان کی آواز یا مولوی صاحب کی جمعے کے جمعے تقریر، ہر آواز پہ دھیان دیتی اور غور سے سنتی رہتیں۔
''دعا مانگنی ہے تو کرسی پر بیٹھے بیٹھے مانگ لو، نیچے کہاں بیٹھا جائے گا۔ تم سے، تکلیف ہو گی گھٹنوں میں۔'' بوا نے مشورہ دیا۔
''ہونے دو، جہاں اتنی تکلیف برداشت کی ہے۔ تھوڑی اور کر لیں گے۔'' بڑی بی نے بے نیازی سے جواب دیا۔ بوا نے مزید کچھ کہے بغیر جائے نماز قبلہ رخ بچھا دی اور بڑی بی کو سہارا دے کر بٹھا دیا۔
''یا اللہ تیرے بندوں نے مجھ پر ترس نہیں کھایا۔ اب تو ہی مجھ پر رحم کر دے۔''
شدید تکلیف کے عالم میں انہوں نے دعا شروع کی۔

☆☆☆

کئی ہفتوں بعد آج چھٹی کے دن وہ خلاف معمول گھر پر تھا۔ وگرنہ اس کا چھٹی کا دن تو عام دنوں سے زیادہ مصروف گزرتا تھا۔ ناشتے کے بعد کچھ دیر اخبارات کا مطالعہ کر کے وہ برآمدے میں بچھے تخت پر آ گیا۔ دادی اماں کے پاس لیٹتے ہوئے اس نے آنکھیں موند لیں۔
''شکر ہے چھٹی والے دن تمہاری شکل دیکھنے کو ملی۔'' دادی نے پوتے کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔
''آج بھی جانا تو تھا۔ بس گیا ہی نہیں۔ پتا نہیں کیوں۔'' مانی بڑبڑایا۔
''اچھا ہی ہوا۔ نہیں گئے۔ چہرہ دیکھ کیسا ہو رہا ہے۔ اتنا کمزور، آنکھوں کے گرد حلقے کتنے گہرے ہو رہے ہیں۔ کام کرنے کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ انسان اپنے آپ کو ہی بھول جائے۔ اپنی زندگی، اپنی صحت پہلے ہے۔ اپنا خیال رکھو تا کہ دوسروں کا خیال کر سکو۔'' دادی تو بس شروع ہو گئیں پوتا بہت دن بعد ہاتھ لگا تھا۔
''دادی، کوئی چارہ ساز ہوتا۔ کوئی غم گسار ہوتا۔'' مانی آنکھیں بند کیے کیے ہولے سے مسکرایا۔
''کیا بات ہے۔ سب خیریت تو ہے۔'' دادی ٹھٹک گئیں۔ تجربہ کار بوڑھی آنکھیں پوتے کا چہرہ ٹٹول رہی تھیں۔ جہاں اب انہیں کسی غیر معمولی پن کا احساس ہو رہا تھا۔
''کہیں کوئی خیریت نہیں ہے۔ دادی نہ اس دنیا میں نہ دل کی دنیا میں۔'' آخری فقرہ اس نے دل ہی دل میں کہا اور تیزی سے اٹھ بیٹھا۔
''مسائل بڑھتے جا رہے ہیں۔ کوئی حل نظر آتا ہے نہ کوئی رہبر رہنما، فکرات بڑھ رہی ہیں امکانات گھٹ رہے ہیں۔''
مانی نے پل بھر میں ہی اپنے چہرے کے ان تاثرات کو کامیابی سے چھپایا جنہیں دادی کی نظروں نے کھوجا تھا۔
''دنیا ہے، لوگ ہیں تو مسائل بھی ہوں گے یہ تو ازل سے ہیں۔ قیامت تک رہیں گے۔ سوچنے سے یا

کڑھنے سے کچھ تبدیل نہیں ہوتا۔"

"کبھی کبھی میں بھی یہی سوچتا ہوں، کہ عرصے سے لوگ سوچ رہے ہیں۔ بول رہے ہیں، لکھ رہے ہیں مگر کہاں کیا فرق پڑا؟" مانی کی آواز میں اداسی اور مایوسی گھلی ہوئی تھی۔

"جن کے ہاتھ میں قلم ہو وہ عموماً حساس ہوتے ہیں۔ مگر میرا خیال ہے کہ مسائل پر بات کرو، سوچو یا لکھو۔ مگر خود پر حاوی مت کرو، ایسے تو تم بیمار بھی پڑ سکتے ہو۔" دادی نے نصیحت کی۔

"جو حکم۔" وہ مسکرایا۔

"اور یہ بتاؤ کہ سارا وقت دوسروں کے بارے میں ہی سوچتے رہو گے؟ اپنے بارے میں کب سوچو گے؟"

"اپنے بارے میں کیا سوچنا ہے؟ اچھی بھلی زندگی گزر تو رہی ہے۔" یکسر انجان بن گیا۔

"گزر تو رہی ہے مگر ایسی کب تک گزرے گی؟ حمنہ خیر سے اپنے گھر بار کی ہو گئیں۔ فروا کی بھی اللہ رکھے ایک سال میں رخصتی ہو جائے گی۔ میں تو کہتی ہوں کہ تم بھی فروا کے ساتھ ہی نمٹ جاؤ۔" دادی جان نے لگے ہاتھوں مشورہ دے ڈالا۔

"نمٹ جاؤں یا پھنس جاؤں؟"

"پھنسو گے کیوں بھلا، اچھی لڑکی لائیں گے دیکھ کر، تمہاری مرضی ہو کہیں تو بتا دو ہمیں۔"

"مرضی کس کی چلتی ہے یہاں؟ جدھر لے جائے قسمت، جانا ہی پڑتا ہے۔"

"یہ ابھی ابھی باتیں ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ صاف صاف کہو ہاں یا نا۔"

"ہاں اور نا کے درمیان بھی ایک شے ہوتی ہے۔"

"کیا؟"

"سوچ، سمجھ کر فیصلہ کرنے کی اجازت ہے؟" مانی دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھ کر دوبارہ لیٹ گیا۔

"سوچ لو، بس اتنی دیر نہ لگانا کہ ہم یہ حسرت لے کر ہی رخصت ہو جائیں۔"

"دادی حضور، نو ایموشنل بلیک میلنگ۔" مانی نے آنکھیں کھولیں۔

"ہم تو ایسی ہی باتیں کریں گے جب تک تم کسی نتیجے یا کسی لڑکی تک نہیں پہنچ جاتے۔" دادی نے ہنس کر اسے دھمکی دے ڈالی۔

☆☆☆

گاڑی ایک دھچکے سے جس عمارت کے آگے رکی تھی، وہ پرانے وقتوں کی بنی ایک مضبوط عمارت تھی۔ پرانے طرز تعمیر کی جھلک لیے ہوئے، بالکنیوں اور جھروکوں سے آراستہ رنگ و روغن اور مرمت باقاعدگی سے ہوتی تھی شاید، تبھی وہ بہت اچھی حالت میں دکھ رہی تھی۔ جمال کے پیچھے پیچھے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ایک بار پھر اس کے اندر خدشات و اوہام کے سانپ سر اٹھانے لگے۔ حالانکہ جمال تو تقریباً پورے راستے اسے سمجھاتا ہوا ہی لایا تھا مگر بظاہر خود کو پرسکون ظاہر کرتے ہوئے اس کے اندر پھر سے کشمکش شروع ہو گئی تھی۔

اس نے ایک خوب صورت اور محبت بھری زندگی کے خواب دیکھے تھے یوں سفر در سفر کے اور بھٹکنے کے نہیں، مگر اپنی مرضی استعمال کرنے کے باوجود بھی، آخری حد تک ہر تدبیر اور کوشش کرنے کے باوجود بھی۔ وہ زندگی دور کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اسے جیسے منہ چڑا رہی تھی، جس کا اس نے خواب دیکھا تھا اور جسے اپنی دسترس میں سمجھا تھا۔

ایک ایک کر کے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے نائلہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی اور نے اس کا ہاتھ پکڑا ہوا ہے اور اپنی مرضی سے اسے چلا رہا ہے۔ اسے شاید قسمت کہیں یا نصیب یا تقدیر؟ اس کے سارے بدن میں جھرجھری سی دوڑ گئی۔ اگر سارا کھیل قسمت کا ہی ہے اگر میری ڈوریاں کسی اور ہاتھ میں ہیں تو میرے خواب،

میری خواہشات، میرے ارمان، میرے ارادے، میری کوششیں، ان سب کا کیا ہوگا؟ ایک مہیب سناٹا نائلہ کے اندر پھیلتا جا رہا تھا، اسے علم بھی نہیں ہوا کہ اپنے خیالات میں گم جمال کے پیچھے چلتے چلتے وہ کہاں آ گئی ہے، اسے ہوش آیا تو تب، جب جمال کی آواز اس کی سماعتوں تک پہنچی۔

''تم یہاں بیٹھو، میں ابھی آتا ہوں۔'' وہ نائلہ کو ہدایت دے کر فوراً ہی کمرے سے باہر نکل گیا۔ اپنی سوچوں میں الجھی ہوئی نائلہ بھی قریبی صوفے پر ٹک گئی۔ جمال وہاں سے نکل کر سیدھا ایک دوسرے کمرے میں گیا۔ یہ پوری عمارت تو اس کے لیے ایسی مانوس تھی جیسے اس کے ہاتھ کی لکیریں، بغیر کسی جھجک کے، بغیر کسی تکلف کے اس نے ادھ کھلے دروازے پہ دستک دی۔ ''آ جا، جھمکا نے ادھ کھلے دروازے سے اس کی جھلک دیکھ لی تھی۔ جمال اندر آ گیا، جھمکا ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑی تیار ہو رہی تھی، شمسو بیڈ پہ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔

''سلام شمسو بھائی، کیا حال ہیں تمہارے؟''

''ہم تو ٹھیک ہیں، تم سناؤ، بڑے عرصے میں شکل دکھائی۔'' شمسو نے بولنے کے ساتھ ساتھ نوالہ نگلنے کی بھی جلدی کی۔ ٹھسکا لگ گیا۔ وہ بری طرح کھانسنے لگا۔

''کھانا تو آرام سے کھا لیا کر، کس بات کی جلدی ہے؟ نہ کھانا کہیں بھاگا جا رہا ہے نہ تو۔'' جھمکا برس پڑی۔

''اچھا اچھا۔'' شمسو نے دو گھونٹ پانی پیا اور ٹرے اٹھا کر کھسک لیا، جس میں موجود کھانا وہ کھا ہی چکا تھا۔

''وہ آ گئی ہے۔'' جمال بیڈ کے ایک کونے پہ ٹک گیا۔

''ہوں۔'' وہ پلکوں پہ مسکارے کا کوٹ لگا رہی تھی۔

''تو مل لے اس سے۔'' جمال نے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے بے دھیانی میں کہا، کمرہ تو وہی تھا جو برسوں پہلے وہ چھوڑ کر گیا تھا، تزئین و آرائش البتہ بدل چکی تھی۔

''میں مل لوں؟ کہیں کی گورنر ہے یا وزیر لگی ہے؟'' جھمکا پلٹ کر اسے گھورنے لگی۔

''میرا مطلب ہے تو دیکھ لے گی نا، میں بے فکر ہو جاؤں؟'' جمال سنبھل کر بولا۔

''ہاں اپنی بلا ہمارے سر ڈال کر تو بے فکری کے مزے لے گا؟ میں نے کیا یہاں دارالامان کھول رکھا ہے۔ اس کے خرچے کون اٹھائے گا؟ رقم دے کر جاتا۔'' جھمکا کی بدمزاجی اور بدلحاظی اپنے عروج پر تھی۔

''میں تو خود کنگال ہو رہا ہوں۔ ساری رقم پھنس کر رہ گئی ہے، نہ بنک سے نکلوا سکتا ہوں نہ گھر جا سکتا ہوں۔ وہاں بھی کچھ کیش ہے مگر پولیس کا پہرا ابھی ہے، راکٹ سے ادھار لے کر کام چلا رہا ہوں۔''

''جمال، تیری یہ چرب زبانی تیرے بچپن سے دیکھ رہی ہوں، اچھی طرح جانتی ہوں تو کتنا بڑا جھوٹا اور فراڈیا ہے، کوئی نئی بات کر یا کام کی بات کر۔'' وہ بے زار ہوئی۔

''ایسا کر جب تک میں نہیں آتا اسے بھی کام سے لگا دے، کچھ تو خرچا پانی نکل ہی آئے گا۔'' جمال نے مشورہ دیا۔

''تو بتا کر لایا ہے اسے؟''

''نہیں بتایا تو نہیں مگر مان جائے گی۔'' جمال نے سر کھجایا۔

''چار دن کی بھوک اور پھول سے بدن پہ چار چوٹ کہاں برداشت ہوگی، ہر بات مانے گی تیری۔''

''ابھی چار تھپڑ تیرے منہ پہ دوں گی نا تو یہ ڈائیلاگ بولنا بھول جائے گا، فلمی نائیکہ سمجھا ہوا ہے مجھے؟ لڑکیاں رکھی ہوئی ہیں میں نے یا غنڈے پالے ہوئے ہیں؟ یہاں جو بھی ہیں سب اپنی مرضی سے ہیں، میری طرف سے آزاد ہیں کہیں بھی جائیں کچھ بھی کریں۔'' جھمکا کی آواز بلند ہو گئی اور غصہ اپنے عروج پر پہنچ گیا۔

''اچھا اچھا، جو تیری مرضی ہو وہ کر لے، جو بھی خرچا ہوگا میں آ کر حساب کر دوں گا۔'' جمال کو نکلنے کی جلدی

UUNOVELS.COM

تھی۔ وہ کھڑا ہو گیا۔
"میں ذرا نانی سے مل لوں، پھر نکلتا ہوں۔" جمال کا رخ اب بہری بوا کے کمرے کی طرف تھا۔ جہاں وہ جمال کو کئی ماہ بعد دیکھ کر پہلے موٹی موٹی چار چھ گالیاں سنائیں گی پھر اصرار کر کے کھانا کھلائیں گی۔

☆☆☆

انکل کو آئے ایک ہی ہفتہ ہوا تھا مگر انہوں نے اور علیزے نے اپنی روٹین سیٹ کر لی تھی۔ اب وہ دونوں باقاعدگی سے آفس جا رہے تھے، کمپنی کے عملے کی کانٹ چھانٹ کی تھی انہوں نے، نئی آسامیوں کے لیے اخبار میں اشتہارات دیے تھے۔ اپنی پروڈکشن کو مشتہر کرنے کے لیے اشتہاری کمپنیوں سے رابطے میں تھے۔ ان کی صبح بہت جلد ہوتی تھی، جاگنگ اور ہلکی پھلکی ایکسرسائز کے بعد وہ نہا دھو کر ناشتہ کرتے تھے اس وقت بھی سب لوگ ناشتے کی میز پر تھے۔
کارن فلیکس کھاتی علیزے کو عائشہ نے غور سے دیکھا۔ وہ صرف ایکٹو ہی نہیں بلکہ بہت پراعتماد نظر آتی تھی۔ یہ اعتماد اس کے چہرے ہی پر نہیں اس کے پورے وجود سے چھلکتا تھا۔ یہ یقیناً اس ماحول اور رہن سہن کی دین تھا جس میں وہ پلی بڑھی تھی۔ عائشہ کو اس کے اس کانفیڈنس اور فیصلہ کن دوٹوک لہجے نے خاصا متاثر کیا تھا۔ اس نے اپنے رشک کا اظہار علیزے سے کیا تو وہ مسکرائی۔
"یہ کوئی راکٹ سائنس نہیں ہے عائشہ خود پہ اور اپنی صلاحیتوں پہ بھروسا کرنا سیکھو، ہر جھجک ڈر اور خوف اس قابل نہیں ہوتا کہ اسے اپنے اندر گھر بنا کر جگہ دے دی جائے، یہ چیزیں انسان کے اعتماد کو صفر کر دیتی ہیں۔"
"پرانی عادتیں یا خصلتیں مشکل سے ہی چھوٹتی ہیں۔"
"ہر مشکل کے ساتھ ایک آسانی ضرور ہوتی ہے اس کی کھوج کرو۔"
سلائس پہ جیم لگاتے ہوئے عائشہ، اس کی باتوں پہ غور کر رہی تھی۔

☆☆☆

ماریہ اور شاہ میر کو بیٹھے پانچ منٹ بھی نہیں ہوئے تھے جب ماریہ کا موبائل بجنے لگا۔
"ہیلو، کہاں ہو تم، ابھی تک نکلیں یا نہیں۔ ہم کب سے انتظار کر رہے ہیں۔" ماریہ شروع ہو گئی۔
"ارے چھوڑو، تم اپنے صاحب بہادر کو، انہیں اپنے ضروری کام نمٹانے دو، آتے رہیں گے بعد میں، تم تو آ جاؤ۔"
"افوہ، اتنا خیال، ایسی طرف داری، چند دن ہوئے ہیں موصوف سے ملے، تمہاری یہ دوست اور دوستی تو کہیں زیادہ پرانی ہے۔" ماریہ نے رعب جمایا۔
"اچھا جناب ہماری بلی اور ہمی سے میاؤں، یہ دو دن میں کیا ماجرا ہو گیا؟"
"وہی والا نا، جو اکثریت کو ہو جاتا ہے، احمقانہ قسم کا۔" ماریہ کی ہنسی بے قابو ہو رہی تھی۔
"اب فٹافٹ آ جاؤ ورنہ میں یہ دعوت کینسل کر دوں گی۔" ایک عدد دھمکی دے کر اس نے فون آف کیا۔
"آپ محبت پہ یقین رکھتے ہیں؟" موبائل آف کرتے ہوئے اس نے اچانک ہی سوال کیا تھا۔
"محبت پہ؟" شاہ میر اس اچانک اور انوکھے سوال پہ حیران ہوا۔
"ہاں ہاں، محبت، وہی بے وقوفانہ سی حرکت جو اکثر لڑکے لڑکیوں سے سرزد ہوتی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ چار دن پہلے رشتہ ہوا ہے، دو دن پہلے نکاح اور محترمہ کو ایسی شدید محبت ہو گئی جیسے مومی زکام۔" ماریہ اپنے ازلی لاپرواہ انداز میں پٹر پٹر بولے جا رہی تھی۔
"یہ لگاؤ تو شاید اس رشتے کی دین ہے جو نکاح کے بولوں سے باندھا گیا ہے باقی اور قسم کی محبتوں کے بارے

میں کچھ کہہ نہیں سکتا، میرا نہ تجربہ ہے، نہ مشاہدہ۔'' شاہ میر نے از حد سنجیدگی سے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔

''آپ رومینٹک فلمیں، ڈرامے وغیرہ نہیں دیکھتے؟'' ماریہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''اونہوں!'' شاہ میر نے نفی میں سر ہلایا۔

''واؤ، میں بھی نہیں دیکھتی، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی کو فقط دیکھنے سے یا کچھ دن ملنے، بات کرنے سے انسان کا دل کیسے اتاؤلا باؤلا ہو جاتا ہے؟ یہ فقط دماغ کا خلل ہے اور کچھ نہیں۔'' ماریہ نے فیصلہ صادر کرتے ہوئے شاہ میر کی طرف دیکھا۔ ''تھینک گاڈ کہ آپ کے میرے خیالات ایک جیسے ہیں۔ ہماری پارٹنر شپ اچھی چلے گی۔'' اس نے اطمینان اور سکون کا سانس لیا ورنہ دانیہ نے تو ڈرانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی تھی۔

''سوچ لو ماریہ، ایک بار پھر اچھی طرح سوچ لو، بزنس پارٹنر، کل کو تمہارا لائف پارٹنر بننے کی تمنا نہ کرنے لگے۔''

''ائے ہائے اللہ نہ کرے۔'' ماریہ دہل گئی تھی۔ مگر پھر اسے کچھ خیال آیا۔

''ویسے شاہ میر ان چھچھورے لڑکوں میں سے نہیں ہے جو اپنا دل اپنے ہاتھوں میں لیے پھرتے ہیں۔ سنجیدہ اور کم گو ہے۔''

''ایسے ہی لوگ تو غضب ڈھاتے ہیں، چپکے چپکے نقب لگاتے ہیں۔'' دانیہ نے اس کے چٹکی لی۔

''اچھا، تمہارے صاحب نے تو دن رات بات کر کر کے دن دہاڑے ڈاکہ ڈالا ہے۔''

''وہ تو، وہ تو الگ بات ہے، ہمارا نکاح ہوا ہے۔'' دانیہ شرما گئی۔

''اف پتا نہیں، چاچا بھی کب تک آئیں گے، نہ.....'' ماریہ کی بڑبڑاہٹ ادھوری رہ گئی، سامنے سے چاچا آرہے تھے۔

''شکر ہے، کوئی تو آیا۔'' ماریہ نے با آواز بلند اور شاہ میر نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا۔

☆☆☆

بہت بڑا ہال نما لاؤنج تھا۔ وہ لاؤنج جس بنگلے میں تھا اس کی قیمت کروڑوں میں تھی۔ آرائش و زیبائش بھی دیکھنے کے قابل تھی۔ وہاں موجود قیمتی صوفوں پہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ کھڑکھڑاتے، کلف لگے سفید شلوار، قمیص میں ملبوس ملک صاحب اور جینز شرٹ پہنے ہوئے طلال ملک لاؤنج میں اور کوئی نہیں تھا البتہ کھلے ہوئے سلائیڈنگ ڈور کے باہر دو گن مین کھڑے تھے۔

''بات کو غور سے سن اور بھیجے میں ڈال لے اپنے، یہ جو تو آزاد ہو کر ادھر بیٹھا ہے، اس کے لیے میں نے جو کچھ کیا ہے، وہ سب تجھے بتا چکا ہوں۔ پہلے کبھی تھا یہ سب آسان، اب اتنا آسان نہیں ہے، کبھی ججوں کو بھی ایمان داری اور انصاف کا بخار چڑھ جاتا ہے۔ میڈیا والے کتوں کی طرح پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ سماجی کارکن اور تنظیمیں میدان میں آجاتی ہیں۔ سول سوسائٹی نے بھی احتجاج کرنا سیکھ لیا ہے۔ ان سب سے نمٹنا آسان نہیں ہے۔ تو عقل کے ناخن لے اور تھوڑی سنجیدگی دکھا، ابھی یہ کچھ دنوں کے عیش اور عیاشی کو بھول جا، چار مہینے بعد الیکشن ہیں ان کی تیاری کرنی ہے، اب گدھے سے انسان بن جا۔'' ملک صاحب نے بولتے بولتے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیا۔

''جی بابا!'' طلال کی ساری ہیکڑی ویسے بھی باپ کے سامنے، کہیں غائب ہو جاتی تھی۔ ابھی تک تو ساری اولادوں پہ انہوں نے اپنا رعب رکھا ہوا تھا۔

''ابھی کچھ ہفتے یہیں رہنا ہے، باہر نکلو، لوگوں سے ملو، اپنی شکل دکھاؤ، تاکہ لوگوں کو معلوم تو ہو کہ کسے ووٹ دینا ہے۔ ابھی ہم نے یہاں ایک پرائمری اسکول بنوایا ہے۔ دو چار دن میں اس کا افتتاح ہے، فیتہ میں نے کاٹنا ہے۔ مگر تم نے ساتھ ساتھ رہنا ہے، تمہارے نام سے ایک ڈسپنسری بنوائی ہے اگلے ہفتے اس کا فیتہ تم کاٹو گے، علاقے کا دورہ کرو، لوگوں سے بات چیت کرو، ان کے مسائل معلوم کرو، حل کرنے کا وعدہ کرو سیاست میں گھسنا

ہے تو اسے دیکھنا پڑے گا۔ الیکشن لڑنا ہے اسے جیتنا ہے تو کچھ عرصے کے لیے عورتوں، کتوں اور گھوڑوں کا پیچھا چھوڑنا پڑے گا۔"

انہوں نے بیٹے کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھا تھا۔ وہ خفیف سا ہو کر مسکرا دیا۔ وہ خوب صورت عورتوں، خوانخوار کتوں اور اصیل گھوڑوں کا شوقین تھا۔ مگر اب اسے کچھ عرصے کے لیے اپنے یہ تمام شوق ترک کرنے تھے۔ اس کے باپ نے اپنی طویل تقریر میں بھی اور اس کے علاوہ بھی اس کی مصروفیات اور کاموں کا جو شیڈول طے کیا تھا اس میں فی الحال اس کے کسی بھی شوق کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ایک طویل لیکچر سے فیض یاب ہونے کے بعد وہاں سے باہر نکلتے ہوئے اس کے ذہن میں لوگوں کا ہجوم اور جھنڈے والی گاڑی کے تصورات ناچ رہے تھے۔

☆☆☆

فون آتے ہی اسے ایمرجنسی میں نکلنا پڑا، جاتے جاتے وہ عائشہ کو اپنی جگہ بٹھا گئی تھی۔ عائشہ کی کلاس بھی ختم ہونے والی تھی۔ وہ آ کر آفس میں بیٹھ گئی۔

معمول کے مطابق اپنے وقت پر مدعو مانی اندر آیا تھا اور اسے وہاں دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"ماروی؟" مانی کی سوالیہ نگاہیں عائشہ پہ جا ٹکیں۔

"ان کی امی کی اچانک طبیعت خراب ہو گئی تھی، انہیں ہاسپٹل لے کر گئے ہیں اس لیے ماروی جلدی چلی گئی۔" عائشہ نے اسے بتایا۔

"حیرت ہے، مجھے کال نہیں کی اس نے۔" مانی نے بڑبڑاتے ہوئے اپنا سیل فون جیب سے نکالا اور اسے چیک کرنے لگا۔

"اف!" تاسف سے اس نے اپنا سر ہلایا۔ کبھی کبھی ناپسندیدہ کالز سے بچنے کے لیے وہ فون کو ایروپلین موڈ پہ لگا دیتا تھا۔ اس وقت بھی فون بند تھا۔ اس نے فون آن کر کے ماروی کو ملایا اور اس کی والدہ کی خیریت دریافت کرنے لگا۔

کچھ دیر بات کر کے اس نے موبائل واپس جیب میں رکھا اور میز پہ رکھے لیپ ٹاپ کو اپنی طرف گھسیٹ کر ضروری تفصیلات چیک کرنے لگا۔

"آپ نے اپنے گھر انفارم کر دیا؟ اس وقت تک تو آپ چلی جاتی ہیں نا؟" گریز اور انجان پنے کے باوجود بھی وہ، عائشہ کے معمولات سے واقف تھا۔

"جی، میں نے خالہ کو کال کر کے بتا دیا تھا۔"

"بس خالہ کو؟"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے کہ گھر میں خالہ کے علاوہ اور کوئی نہیں آپ کے لیے پریشان ہونے والا۔" مانی نے وضاحت کی۔

"باقی پریشان ہونے والے لوگ اس وقت آفس میں ہیں۔" عائشہ نے سادگی سے جواب دیا، اس کی مراد انکل اور علیزے سے تھی۔

"اچھا!" مانی نے لب بھینچ لیے، اس کے چہرے کے یکدم بدلتے تاثرات عائشہ کی نگاہوں سے چھپ نہیں سکے۔

"جہاں محبت ہو وہاں بدگمانی نہیں ہوتی، اور جہاں بدگمانی ہو وہاں محبت کا وجود نہیں رہتا۔" عائشہ کو اس کے چہرے کے تاثرات تکلیف پہنچا رہے تھے۔

UUNOVELS.COM

''ماریہ کا نمبر مل سکتا ہے؟'' کچھ دیر بعد عائشہ نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔
مانی نے کوئی جواب دیے بغیر اپنا سیل فون نکالا اور ماریہ کا نمبر اسکرین پر عائشہ کے سامنے رکھ دیا۔ وہ جلدی جلدی نمبر نوٹ کرنے لگی۔
''آپ کا پروجیکٹ ٹھیک جا رہا ہے؟'' نہ جانے کیوں وہ براہ راست عائشہ کی طرف دیکھنے کے بجائے اسکرین پہ نظریں جمائے بات کرتا تھا۔ اس وقت بھی سوال کرتے ہوئے اس کی نگاہیں لیپ ٹاپ پر تھیں۔
''جی.....!''
''یہاں کسی بھی حوالے سے کوئی مسئلہ ہو تو بلا جھجک بتایئے گا۔''
''مجھے یہاں کسی بھی حوالے سے کوئی مسئلہ نہیں۔'' عائشہ کے الفاظ کم و بیش وہی تھی جو مانی نے کہے تھے، مگر بس اس کا لہجہ، وہ غیر معمولی تھا شاید مانی نے بے اختیار سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ عائشہ کی نگاہیں میز کی سطح پر تھیں۔
''کسی اور حوالے سے کوئی مسئلہ؟'' مانی نے اپنے لہجے کو سرسری بنایا۔
''ہر مسئلہ، ہر ایک کے آگے بیان نہیں کیا جاتا، نہ ہی ہر کوئی، ہمارے مسئلے کو حل کر سکتا ہے۔''
''ہر کوئی حل نہیں کر سکتا مگر مشورہ تو دے سکتا ہے۔''
''کبھی ضرورت محسوس ہوئی تو غور کریں گے آپ کی مدد لینے پر۔'' عائشہ کے لبوں پہ ایک پھیکی سی مسکراہٹ ٹھہر گئی۔ اس کی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ اس کے سامنے بیٹھا تھا وہ اسے بتا نہیں سکتی تھی۔

☆☆☆

موبائل کان سے لگائے وہ تھی تو خاموش مگر چہرے پہ بڑے خوب صورت رنگ پھیلے ہوئے تھے۔
''واہ بھئی، بڑے فارغ ہیں لوگ، ہر وقت موبائل سے ہی چپکے رہتے ہیں۔'' ماریہ نے معنی خیز نظریں اوپر سے نیچے دوڑائیں۔
''بکو مت۔'' فروا نے خدا حافظ کہہ کر، موبائل آف کر کے پھر ماریہ کو ڈانٹا۔
''اچھا، ہم بکتے ہیں؟ اور وہ یقیناً فرماتے ہوں گے ہیں جی؟''
''بہت بولنے لگی ہو۔''
''تمہیں اب معلوم ہوا ہے؟ اپنے بچپن سے بول رہی ہوں۔'' ماریہ نے اسے اطلاع دی۔
''بائی دا وے میں آپ کو اطلاع دینے آئی تھی کہ ابا جان کو چائے کی طلب ہو رہی ہے۔'' فروا کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ماریہ دوبارہ بول پڑی۔
''تمہیں نہیں آتی چائے بنانی؟''
''میرے خیال میں تو مجھے چائے بنانی آتی ہے، مگر افسوس، میرے ہی گھر والے میرے اس خیال سے بالکل متفق نہیں ہیں۔'' ماریہ نے تاسف سے سر ہلایا۔
''ظاہر ہے چائے کی جگہ جو شاندہ بنا کر دو گی تو کون اسے چائے تسلیم کرے گا۔'' فروا بولتی ہوئی کچن میں آ گئی اور چائے بنانے کے لیے چولہے پہ دودھ رکھنے لگی، ابو کو وہ دودھ پتی چائے بنا کر دیتی تھی۔
''آج میں بھی دیکھوں، کیا ہینگ لگاتی ہو جو چائے — پینے کے لیے تمہارے نام کی ہی ڈھنڈیا پڑتی ہے۔'' ماریہ دادی اماں کے انداز میں بولتی ہوئی وہیں ٹک گئی۔
''دیکھ لو، اچھی طرح دیکھ لو۔'' فروا نے چائے کی پتی دودھ میں ڈالی۔
''ویسے کیا کہہ رہے تھے بھائی جان؟'' ماریہ کا دھیان چائے کی طرف تو کیا ہونا تھا، کہیں اور ہی تھا۔
''کچھ خاص نہیں، بس یونہی، خیر خیریت معلوم کر رہے تھے۔'' فروا نے سرسری سا لہجہ بنانے کی کوشش کی۔

"ایک ایک گھنٹے تک خیر خیریت ہی معلوم کرتے رہتے ہیں؟" ماریہ کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

"خدا کو مانو، ایک گھنٹہ تک کب بات کی ہے؟ دس منٹ بھی مشکل سے بات ہوتی ہے۔" فروا نے صفائی پیش کی۔

"آپ کہتی ہیں تو مان لیتے ہیں۔" ماریہ نے بڑی شان سے تسلیم کیا۔

"چائے بنانی سیکھی؟" مگ میں چائے چھانتے ہوئے فروا نے سوال کیا۔

"تم نے باتوں میں لگالیا، کیسے سیکھتی؟" ماریہ نے ڈھٹائی کی انتہا کی، فروا ابو کو چائے دے کر آئی اور فریج کھول کر جائزہ لینے لگی۔

"چکن بنالوں؟ یا کچھ اور؟" وہ اب رات کے کھانے کی تیاری کرنے لگی تھی۔

"ہمیں تو سب کچھ اچھا لگتا ہے جو پکا پکایا سامنے آجائے۔" ماریہ آنکھیں بند کر کے جھومنے لگی۔

"نکمی، میری سمجھ میں نہیں آتا تم اپنا بوتیک کیسے چلاؤ گی۔" فروا نے اسے گھورا۔

ماریہ کے کوئی جواب دینے سے پہلے ہی ابو چائے کا مگ لے کر چلے آئے۔

"بٹیا جہاں تک مجھے یاد ہے، مجھے شوگر نہیں ہے یا پھر چینی اتنی زیادہ مہنگی ہوگئی ہے کہ بالکل ہی کھانی بند کر دی؟"

"اوہ سوری ابو۔" فروا نے جلدی سے چائے میں چینی ملا کر انہیں دی۔

"حیرت ہے، میں چائے میں چینی ڈالنا بھول گئی، تمہاری بک بک نے میرا دھیان بٹا دیا۔" ابو کے جانے کے بعد فروا خفیف ہو کر ماریہ کو ڈانٹ رہی تھی۔

"دھیان میں نے نہیں بٹایا میڈم، بلکہ عشق نے غالب نکما کر دیا۔" ماریہ کے ہونٹوں پہ بڑی شریر مسکراہٹ تھی۔

☆☆☆

وہ اپنے آبائی علاقے میں تھا۔ جہاں اسکول اور ڈسپنسری کا کیے بعد دیگرے افتتاح ہو چکا تھا۔ لوگوں کے ہجوم، نعروں اور پرجوش تقاریر نے اسے کسی اور ہی دنیا میں پہنچا دیا تھا۔ جاگتی آنکھوں سے وہ مستقبل کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اختیار، شراکت اقتدار، غیر معمولی اہمیت، پروٹوکول، ہٹو بچو کی صدائیں، جھنڈا لگی گاڑی اور آگے پیچھے محافظوں کی گاڑیاں۔

"ٹھیک کہتے ہیں بابا، اب اپنی مستیاں چھوڑ کے یہاں وقت دینا ہوگا۔" وہ دل ہی دل میں منصوبے بنا رہا تھا۔ جب اس کے موبائل پہ مخصوص ٹون بجی، اپنے خیالوں میں گم اس نے موبائل آن کیا، کسی نے ویڈیو بھیجی تھی، اس کے یار دوست اکثر بھیجتے رہتے تھے، طلال نے دیکھنا شروع کی اور جیسے جیسے وہ دیکھتا گیا۔ اس کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں، ویڈیو کے ساتھ ایک پیغام بھی منسلک تھا، ماتھے سے پسینے کے قطرے صاف کرتے ہوئے وہ پیغام پڑھنے لگا۔

"سنا ہے آپ الیکشن میں حصہ لینے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ بس دو کروڑ روپے اس اکاؤنٹ میں بھیج دیجیے فی الحال، وگرنہ یہ ویڈیو میری دعاؤں کی راہ میں حائل ہو جائے گی۔"

☆☆

(باقی آئندہ ان شاءاللہ)

فرح بخاری

وہ نازنین

ناولٹ

عبدالواسع کوئٹہ میں وکالت کی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ اپنے باغ کے حصول نے واسع کو وکالت کی طرف مائل کیا ہے۔ واسع کی بہن رباب پھوپھی زاد نصیر سے محبت کرتی ہے، لیکن گلشن پھپھو دونوں کی شادی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ ان کے ہاں بناوٹے سٹے کے شادیاں نہیں کی جاتی تھیں۔ سیف اور نغمہ کی شادی کو چھ برس بیت چکے ہیں لیکن ان کی کبھی ایک دوسرے سے نہیں بنی۔ پشمینہ سیف کی بہن ہے، وہ رئیس کی بچپن کی منگ تھی لیکن چھ برس پہلے ایک واقعے نے ان کے راستے ہمیشہ کے لیے جدا کر دیے تھے۔ نازنین کوئٹہ شہر میں اپنے بابا کے ساتھ رہتی ہے۔ اس کے بابا کسی بیوہ عورت سے چوری چھپے شادی کر چکے ہیں اور اس کا رشتہ اپنے ایک رنڈوے دوست کے ساتھ طے کر دیتے ہیں۔ نازنین عین نکاح کے وقت شادی سے انکار کر دیتی ہے۔ دلہا والے دلہن کو زبردستی اٹھا لے جاتے ہیں۔

ادھر واسع کوئٹہ سے گھر واپس جا رہا ہے۔ بس میں ایک مسافر لڑکی تمام راستہ روتی ہوئی ملی، واسع کو شبہ گزرا کے اس کی ساتھی عورت اسے اغوا کر کے لے جا رہی ہے لیکن وہ اس کی کوئی مدد نہیں کر پایا۔

اگلے روز اسے اپنے کمرے میں اچانک سامنے پا کر واسع کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ معلوم ہوا وہ لڑکی اس کے چچازاد سیف اللہ کی سالی نازنین ہے اور اب یہیں رہنے والی ہے۔ نازنین کو اس کی بہن نغمہ نے مصیبت سے نکالا تھا۔ اب آگے پڑھیے۔

چھٹی قسط

UUNOVELS.COM

گرما کے طویل دن اپنے وسط تک آپہنچے تھے۔ یہی کچھ مہینے بھر کی ہی بات تھی اب کہ گرم موسم اپنے اختتام کو پہنچتے ایک نئی رُت میں تبدیل ہونے والا تھا۔ اور یہاں کے موسم میں لوگ میدانی علاقوں کی نسبت گرمی سے زیادہ جلدی نجات پالیتے تھے۔

ان ہی ٹھہرے ٹھہرے سست سے دنوں میں خوشی کی خبر ایک نئی توانائی سی بھرتی جمیلہ کے گھر داخل ہوئی تھی۔ واسع نہ صرف امتحان میں کامیاب ہوگیا تھا بلکہ اسے باقاعدہ لائسنس بھی مل گیا تھا۔ جمیلہ نے پورے محلے اور خاندان میں مٹھائی بانٹنے کی منت مانی تھی۔ ان کا بیٹا وکیل بن کر ہمیشہ کے لیے اپنے گاؤں واپس آگیا تھا۔

واسع کے دن بھی بڑے مصروف گزر رہے تھے۔ آتے ہی وہ اپنے کچھ وکیل دوستوں کی مدد سے ذاتی چیمبر حاصل کرنے کی تگ ودو میں لگ گیا تھا اور اب یہ کام بھی ہوگیا تھا۔ ادھر اس نے چیمبر سنبھال کر باقاعدہ وکالت شروع کی ادھر جمیلہ کو اس کے رشتے کی فکر لگ گئی۔ ان کا پڑھا لکھا بیٹا اب کمانے لائق ہوگیا تھا انہیں جلد از جلد نند گلشن سے زمرد کے رشتے کی بات کرنے جانا تھا۔ اس طرف سے وہ لڑکے والے بن کر بات کرتے اور وہاں سے بدلئی کا معاملہ اٹھا دیا جاتا اور اس کے لیے تو نصیر ہی کافی تھا۔ ایک بار رشتہ مانگنے کی ابتدا ہوجائے آگے کے معاملات رباب کے لیے خود بخود صاف ہونا شروع ہوجاتے۔ جمیلہ نے ساس کو اپنے ارادے سے آگاہ کرکے بیٹیوں سے مشورہ طلب کیا اور واسع سے بات کرنے آبیٹھیں۔

"ارے اماں! اتنی جلدی کس بات کی ہے۔ ابھی تو مجھے کوئی کیس تک نہیں ملا۔"

"جلدی کہاں واسع۔ پہلے تمہارے امتحانوں کا انتظار کیا، پھر اس کینس (لائسنس) کا۔ پھر یہ تمہارا دفتر۔ اب تو سارے کام ہوگئے نا۔" جمیلہ کو اس کا گریز بالکل پسند نہیں آیا۔

"وکالت شروع کرنا کوئی نوکری شروع کرنے جیسا نہیں ہوتا کہ ہر مہینے تنخواہ ملنے لگے گی۔ یوں سمجھیں، سال ڈیڑھ کی جدوجہد کے بعد کچھ قدم جمانے کا موقع ملے گا۔" واسع نے نرمی اور آرام سے سمجھانا چاہا۔

"اب تم سال ڈیڑھ کی باتیں نہ سناؤ مجھے۔ اگلوں نے کیا بیٹیاں بوڑھی کرلی ہیں۔"

"نہیں خیر اب ایسی بھی گئی گزری سچویشن نہیں ہے۔" واسع نے نازنین کے خیال سے ہنسی روکی، جمیلہ البتہ اپنے ہی خیال میں گم تھیں۔

"کچھ بہن کے بارے میں سوچو۔ یہی تو عمر ہے۔"

"سوچتا تو ہوں اماں۔ مجھے کیا خیال نہیں ہے۔ لیکن بس کچھ دن صبر کرلیں۔ ابھی ایک دوسرے کام میں اُلجھا ہوں۔"

"دوسرا کام۔" جمیلہ چونکیں۔ "کیا؟"

"بتادوں گا آپ بس دعا کریں۔" وہ اُٹھ کھڑا ہوا

"کیا دعا کروں؟" جمیلہ حیران حیران سی اسے دیکھے گئیں۔

"جبار چاچا سے باغ کی بات کرنے لگا ہوں۔ دیکھیں کیا بنتا ہے۔"

"باغ۔" جمیلہ نے حسرت سے زیرلب دہرایا۔ "میری دعا میں کب شامل نہیں رہا۔ اللہ تمہیں سرخرو فرمائے۔"

"آپ کسی سے ذکر مت کریں ابھی۔ میں ذرا نصیر کی طرف جارہا ہوں۔ ویک اینڈ ہے نا آج۔ پہنچ گیا ہوگا۔"

واسع بہت دنوں سے اسی کی آمد کا منتظر تھا۔ کوئی بھی نیا اور بڑا کام بنا دوستوں کی مدد کے شروع کرنا کچھ گھبراہٹ سی طاری کرتا ہے، واسع بھی نصیر کی سپورٹ کو اُس وقت اپنی ڈھال جیسا تصور کررہا تھا۔

☆☆☆

شبنم کی شادی کے بعد وہ دونوں آج ایک دوسرے سے مل رہے تھے۔ درمیان میں ویک اینڈز پر نصیر کا یہاں آنا ہوا تو پہلے واسع امتحان اور پھر لائسنس کے سلسلے میں کوئٹہ گیا ہوا تھا۔ وکیل بننے کے بعد بھی یہ

UUNOVELS.COM

ان کی پہلی ملاقات تھی۔ چہرے پر خوشی اور گرم جوشی کے تاثرات لیے وہ نصیر سے بڑے جذب سے بغلگیر ہوا پر نجانے کیوں نصیر کے ذہن میں پھر اس چاندنی رات کا منظر روشن ہو گیا۔ چھت پر واسع کا نازنین سے ملنا باوجود ہفتوں گزر جانے کے اپنے اثر کو کم نہیں کر پایا تھا۔ بہت کوشش کر لی تھی اپنا ظرف کشادہ کرنے کی لیکن خود اپنے ہی ہاتھوں اپنی محبت کو کھو دینے کا درد بڑی برداشت، بڑے حوصلے کا طالب تھا۔

"آؤ۔" نصیر نے بیٹھک کا دروازہ کھول کر اُسے اندر بلایا۔

"کتنے دنوں بعد مل رہے ہیں۔" واسع کے لہجے میں صاف اس کمی کا اثر غالب تھا جو دوست کی دوری پر ایک دوست محسوس کر سکتا ہے۔

"ہوں۔" نصیر ہلکا سا مسکرایا۔ "سناؤ۔ چیمبر کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے تھے؟"

"ہاں، اب تو مل گیا ہے۔ دو روز ہوئے بیٹھنے بھی لگا ہوں باقاعدہ۔"

"چلو شکر ہے یار، گھر واپس آ گئے ہو۔ کام بھی ان شاء اللہ چل نکلے گا۔"

"ہاں یہ کام بھی اور دوسرے کچھ معاملات بھی۔ آنے والا کچھ وقت ذرا ٹف ہو شاید۔ پھر یقیناً صورت حال واضح ہوتی جائے گی۔" واسع کہتے کہتے جیسے گہری سوچ میں ڈوب گیا، نصیر نے چونک کے سر اُٹھایا۔

"دوسرے معاملات؟"

"ہوں۔" واسع کے چہرے پر سنجیدگی پھیل گئی۔ "جبار چاچا سے بات کرنے لگا ہوں۔"

"بات..... جبار چاچا سے؟" نصیر کا دماغ آج کل رشتوں کے گرداب میں اس بری طرح اُلجھا ہوا تھا کہ واسع کی تمہید کو بھی وہ کچھ اسی رنگ میں لے بیٹھا۔

"باغ کی بابت نصیر۔" واسع کو بھی اس کی غائب دماغی نے حیران کیا تبھی زور دے کے یاد دلانا پڑا۔

"اوہ وہ..... باغ....." نصیر اپنے غیر حاضر دماغ کو آپ ہی سرزنش کرتے کھسیا کر ہنس پڑا۔

"صحیح صحیح۔ میں دراصل تمہارے وہ چیمبر اور عدالت کے معاملات پر ہی سوچ رہا تھا ابھی۔ سوری۔ تو کیا سوچا ہے اِس بارے میں؟"

"زیادہ کچھ تو نہیں سوچا، فی الحال بس یہی کہ اپنے ان ہی چند بڑوں کے ساتھ جا کر بابا کے معاہدے کے متعلق بات کروں۔ آخری بار تو تمہیں پتا ہے نا، بہت سال پہلے اماں ہی گئی تھیں۔ اس کے بعد کوئی پیش رفت نہیں ہوئی، میں بھی کوئٹہ میں تھا کتنے سالوں سے۔"

"ہاں بات تو ٹھیک ہے، پہلے تو اچھے ڈھنگ سے معاملہ اُٹھانا ہے۔" نصیر کو کال نے متوجہ کیا۔ موبائل سامنے میز پہ رکھا تھا۔ باری لکھا بلنک ہوا تو اُس نے جلدی سے موبائل اُٹھا لیا۔ رباب کا ایک میسج بھی آیا رکھا تھا۔ وہ شاید نہیں جانتی تھی کہ واسع اس کے ہاں آیا ہوا ہے، اسی لیے رابطہ کیے جا رہی تھی، نصیر نے میسج اور مس کال ریکارڈ سے صاف کیے اور واسع کی طرف متوجہ ہوا۔

"تو کیا لگتا ہے۔ جبار ماما مان جائیں گے آسانی سے؟"

"اللہ بہتر جانتا ہے، میں بہرحال کوئی محاذ کھولنے کی نیت پر نہیں ہوں۔"

"بات کر لی پھر باقیوں سے؟"

"نہیں یار۔ تمہارا انتظار کر رہا تھا، تمہاری رائے درکار تھی، کیا کہتے ہو صحیح کر رہا ہوں؟"

"ہاں بھئی، صحیح کیوں نہیں ہے، البتہ دیکھ لو، کتنے لوگ ساتھ دیتے ہیں۔" نصیر نے صاف گوئی سے تجزیہ کیا جس پر واسع کچھ حیران ہوا۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے کیا؟ میرا مطلب ہے جھگڑے وغیرہ کی بات تو ہے نہیں۔ بابا زندہ ہوتے تو تین سال بعد یقیناً وہ خود واپسی کی بات کرتے، اب وہ نہیں ہیں تو ظاہر ہے، مجھے کہنا ہے، بڑوں کی موجودگی تو اس لیے ضروری سمجھ رہا ہوں کہ چلو اگر نو، دس سال پرانی بات کھلتی ہے تو بچہ یا نا سمجھ کہہ کر ٹال نہ

دیا جائے۔ بھلے گواہ کوئی نہیں ہے اِن میں سے۔ لیکن بابا نے اپنی زندگی میں بتایا تو ان سب کو تھا، کم از کم بابا کا بتایا تو دوہرا ہی سکتے ہیں۔"

"ہوں۔" نصیر کی توجہ ایک مرتبہ پھر موبائل نے کھینچی۔

رباب اپنی جگہ الگ بے چین تھی۔ جب سے واسع مستقل گھر آیا تھا اُن دونوں کو بات کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ پھر وہ نصیر کے کھنچے کھنچے رویے سے بھی خائف تھی۔ لیکن نصیر کی اپنی سمجھ میں بھی کچھ نہیں آرہا تھا۔

ایک ذرا سی بات نے تو جیسے اسے پوری دنیا سے ہی اُچاٹ اور بیزار کر دیا تھا۔ اماں کی اس رشتے سے چڑ اور مخالفت کو تو وہ کبھی خاطر میں ہی نہیں لایا تھا۔ لیکن وہ چھت پر واسع کی نازنین سے ملاقات۔ نصیر ایک گہری آہ بھر کر رہ گیا۔

وہ منظر ایک مستقل چبھنے والا درد بن چکا تھا جس نے محض اس کے اندر کو ہی نہیں ہلایا تھا بلکہ ظاہراً بھی اس کے رویے میں تبدیلی پیدا کر دی تھی

"تو پھر کب بات کرنی ہے۔" اس نے موبائل کو سائیلنٹ کر کے واسع کی طرف دیکھا۔

"اب تم آئے ہوئے ہو تو کل ہی بات کر لیتے ہیں، میں تو تمہاری راہ دیکھ رہا تھا۔ پرسوں تو تم نے چلے جانا ہوگا۔"

"کل۔" نصیر نے رُک کر کچھ دیر سوچا۔

"ٹھیک ہے۔ پھر تم رات تک باقیوں سے بات کر لو، میں بابا سے بھی کہتا ہوں، بس یہی لوگ ہوں گے نا؟"

نصیر نے رُک کر جاننا چاہا اور واسع سر اثبات میں ہلاتے اُٹھ کھڑا ہوا، ذہن جیسے کسی بوجھ سے آزاد ہونے لگا۔ اس کے ذہن میں یہی اپنے دو چچا، پھوپھا اور چچازاد وغیرہ ہی تھے۔

"بس جا رہے ہو؟" نصیر اس کو کھڑا ہوتے دیکھ کر خود بھی اُٹھا۔

"ہاں۔ ابھی تو گھر جاتا ہوں، پھر کچھ دیر تک اکا جان اور مجیب چاچا سے بات کرنے جاؤں گا۔"

"اوکے، مجھے پھر کل کا ٹائم بتا دینا۔"

"ٹھیک ہے، کال پہ بتا دوں گا۔" واسع اس سے مل کر باہر نکل گیا۔ اور نصیر نے اس کے جانے کے بعد موبائل ہاتھ میں لیا۔ رباب کی دوبارہ کال آنے لگی تھی۔ نصیر نے اس مرتبہ انگوٹھا دیا کر کال کاٹ دی۔ رباب سے بھی کیا بات کرنی تھی۔ وہی اس کے روز کے گِلے شکوے، وقت مانگنا، وہ تنگ آچکا تھا۔

☆☆☆

گھر میں داخل ہوتی زیبا باجی کے پیچھے زمرد کو دیکھ کر اسفند بے طرح چونکا۔ وہ بغیر اطلاع کے کچھ بڑے ہی غیر متوقع اُن کے گھر آئی تھی، چونکنا لازمی تھا۔ زیبا دو روز سے میکے آئی ہوئی تھی اور یہاں آکر ملنا ملانا بھی ضروری ہوتا۔ آج صبح وہ گلشن پھوپھی کی عیادت کو جانے لگی تو اسفند نے جان بوجھ کر دامن بچاتے رئیس سے چھوڑ آنے کا کہہ دیا۔ زمرد سے وہ اُسی شبنم باجی کے ولیمے والے دن سے خفا تھا۔ ہفتوں گزر گئے تھے، وہ اس سے کال پر بات کرنے تک پہ آمادہ نہ ہوا۔ اب یہ سختی مزاج کی تھی یا حالات نے اسے ایسا بنا دیا تھا، پر چوٹ کھانے سے واقعی دل ڈر چکا تھا۔ سگی بہن نے ہی ایسا وار کیا تھا "بھروسے" کا لفظ اُس کے لیے اجنبی بن کر رہ گیا تھا۔

"دیکھو اماں، کس کو لائی ہوں۔" زیبا خوشی سے چہکتے کچن کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اسفند اُٹھ کر کمرے میں چلا گیا۔ ایک طویل عرصہ سے اپنوں نے بھی ان کے ہاں آنا جانا چھوڑ دیا تھا۔ زیبا کی خوشی کچھ اِسی وجہ سے بھی بڑی فطری اور اندرونی تھی۔ کسی کے اہمیت دینے کو وہ لوگ اب یونہی سر آنکھوں پر بٹھایا کرتے تھے۔ زمرد کا آنا آج ان کے گھر میں یوں ہونے والا تھا جیسے غریب کی کُٹیا میں شہزادی کی آمد۔ اور یوں تو یہ شہزادی مزاجاً بڑی ہی عاجز مسکین سی تھی، پر اسفند بھی جان گیا تھا کہ محض شہزادی کی حمایت سے یہ جنگ نہیں جیتی جا سکتی، خود

UUNOVELS.COM

اس کے ہاں سے تو مسئلہ ہی کوئی نہیں تھا۔ زمرد کا نام لینے کو یہاں تو بڑی ہی خوشی کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، لیکن اسفند کی یہ خوش فہمی اُس روز اس کی خام خیالی ثابت ہوگئی کہ وہاں سے بھی اچھا رسپانس مل سکتا ہے جب اس نے گلشن پھوپھی کا ذکاء کی طرف واضح جھکاؤ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ زمرد سے رابطہ ختم کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اب کسی فریب اور دھوکے کے سہارے آگے نہیں بڑھنا چاہتا تھا۔

زیبا اب سہ پہر کی چائے کے ساتھ نجانے کیا کچھ بنانے میں لگ گئی تھی۔ زمرد بھی اس کی مدد کروانے کے لیے اس کے ساتھ کچن میں گھسی ہوئی تھی، یہ اور بات کہ دل، دھڑکنیں، ساعتیں، آنکھیں کسی اور جانب لگی تھیں۔ کام کرتے بار بار چونک جاتی کہ ابھی وہ کسی کام سے کچن میں آئے گا، زیبا کو کسی بہانے آواز دے گا، شاید باہر صحن میں نکلا ہو۔ لیکن کچن کی کھڑکی اور دروازے تک چوری چوری جاتی اس کی نگاہیں ہر بار ہی مایوس پلٹ آتیں۔ وہ تو تب سے کمرے میں بند تھا۔ اور گھنٹہ بھر مزید گزر جانے پر تو وہ ازحد مایوس ہوگئی، کچھ دیر تک تو نصیر شاید اسے لینے بھی آجاتا، اور وہ تو یہاں آئی ہی آج اسفند کو منانے تھی۔

"کیا ہوا زمرد۔ بور ہوگئیں شاید؟" زیبا چائے اور دیگر کھانے کی اشیاء کے ساتھ اُسے لیے کمرے میں آبیٹھی تھی۔ لیکن اس کا اُترا چہرا دیکھ کر دل میں پشیمانی سی محسوس کی کہ شاید وہ یہاں آکر خوش نہیں ہے۔

"نہیں باجی۔ بوریت کیسی۔ بور تو سارا دن اکیلی اپنے گھر میں ہوتی ہوں۔" اس نے چہرے پر مسکراہٹ سجائی۔

"میں بھی اسی لیے آج تمہیں لائی کہ تمہارا ذرا دل بہل جائے۔ چائے پی لیں پھر رباب کی طرف بھی چلیں گے۔"

"نن..... نہیں زیبا باجی۔ میں یہیں خوش ہوں۔"

زمرد کا یہ سوچ کر رنگ پھیکا پڑ گیا کہ ابھی تو اسفند کو صرف اماں کی دلچسپی کا پتا چلا ہے۔ یہ تو اُسے معلوم ہی نہیں کہ اماں اور نصیر لالہ کی جنگ میں جیت اگر نصیر لالہ کی ہوگئی تو پھر دوسرا نام واسع کا ہے۔

"ہاہ۔" ایک بس اسی کے دل نے نجانے کیوں اس تیسری بندگلی کا انتخاب کرلیا تھا۔ زمرد کی بے ساختہ ایک تھکی ہاری آہ نکل گئی۔

"اچھا پھر اماں کے صندوق سے آج پرانی البمز نکال کر دیکھتے ہیں۔" زیبا کو ابھی تک اس کی دلجوئی کی پڑی تھی۔ زمرد نے گہری سوچتی نگاہ سیدھی سادی سی زیبا باجی پر ڈالی۔ ان کا عاجزانہ رویہ زمرد کو حقیقتاً شرمندگی سے دوچار کر رہا تھا۔ زیبا کو اندازہ بھی نہیں تھا کہ اس گھر کی محبت اس کے لیے کتنی اہم اور اس گھر والوں کی توجہ اور دلچسپی اس کے لیے کتنی قدر و قیمت کا باعث تھی۔

"مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے زیبا باجی۔" زمرد نے بالکل ہی بے ارادہ ایک فیصلہ کرتے اُٹھ کر جاتی زیبا کی کلائی تھامی، زیبا نے ازحد چونک کر زمرد کو دیکھا، اور زمرد نے پلکیں اثبات کے انداز میں جھپک کر اسے دوبارہ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ زیبا کی حد سے بڑھی توجہ اور انکساری دیکھ کر اس نے اپنے دل کی بات اس پر ظاہر کرنے کا ارادہ کیا۔ جانتی تھی، یہ خبر اس کے لیے بے پناہ خوشی کا باعث ہی ہوگی۔

☆☆☆

"ہاں نصیر۔ خیریت۔ میں وہاں کچھ بھول تو نہیں آیا؟"

واسع کو گھر پہنچے مشکل سے ابھی پندرہ بیس منٹ ہی گزرے تھے کہ نصیر کی کال آنے لگی تھی۔ واسع نے مسکراتے ہوئے آغاز لیا تو نصیر بھی جھینپ گیا۔

"ارے نہیں نہیں۔ وہ اصل میں تمہارے جاتے ہی میں نے بابا سے ذکر کیا، وہ جبار چاچا کی طرف جانے کا۔"

UUNOVELS.COM

"ہوں ہوں۔" واسع بغور سننے لگا۔
"تو ابھی وہ بتا رہے تھے کہ کل کا پروگرام تھوڑا مشکل ہو جائے گا۔ کیونکہ بابا اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ شکار پر جا رہے ہیں۔ اور مجھے پیچھے ڈیرے کی ذمے داری دے جا رہے ہیں۔ کہہ رہے ہیں کل اُن کی واپسی کہیں شام رات تک ہی ہوگی۔"
"اچھا۔" واسع کچھ دیر کے لیے سوچ میں پڑ گیا کیونکہ کل پروگرام ملتوی ہونے کا مطلب اس کا اگلے ہفتے تک چلے جانا تھا۔ دل بھی کھٹے کو مایوسی میں ڈوبا لیکن اس نے اپنی کیفیت لہجے سے عیاں نہیں ہونے دی اور فوراً خود کو نارمل کیا۔
"چلو ٹھیک ہے پھر نیکسٹ ٹائم۔"
"سوری واسع۔ میں تو چاہتا تھا پر....."
"کوئی بات نہیں یار۔ باغ کون سا کہیں بھاگا جا رہا ہے۔ تم کل آرام سے اپنے کام کاج دیکھو، اس معاملے کو اگلی اتوار پہ ڈال دیتے ہیں۔"
"بس یار! یہ بابا والی مجبوری نہ ہوتی تو....."
"کہا نا۔ کوئی بات نہیں۔ اسی میں کوئی بہتری ہوگی۔" واسع نے بات کو عام انداز میں لیتے اجازت لے لی۔

☆☆☆

"تت..... تم سچ کہہ رہی ہو؟" زیبا کی آنکھیں پھیلی تھیں۔ منہ حیرت سے کھلا تھا۔ حیرت آمیز خوشی سے اس نے زمرد کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے رکھے تھے۔
"تم اور اسفند....." بے یقینی سے اس نے کوئی تیسری مرتبہ دوہرایا تو زمرد نے جھینپ کر گھورا۔
"اب کیا زمانے میں اعلان کرو گی زیبا باجی!"
"لیکن زمرد! پھر وہ پھوپھی کی پسند اور نصیر کی مرضی۔" زیبا کی خوشی یک دم مایوسی میں بدلی۔ زمرد نے اُسے نہ صرف اسفند کی ناراضی کا بتا دیا بلکہ ذکا اور واسع کے ساتھ اپنا نام لیے جانے کا سارا معاملہ بھی بتا دیا۔ ایک پریشانی جو رات دن اس کے اعصاب پر مسلط تھی، آج ایک بوجھ کی طرح اُتار دینے کی کوشش کی تھی۔ حالانکہ بوجھ اتار کر بھی وہ جوں کی توں اسی مسئلے سے دوچار تھی۔
"اسی لیے تو اسفند کو منانے کی ہمت نہیں ہو رہی، میرے پاس اس کے سوالوں کا کوئی جواب نہیں، نہ ہی ہمارے مسائل کا کوئی حل ہے۔"
"ہاں لیکن تم سے ناراضی کا کیا مطلب۔ تمہارا ان سب باتوں میں کیا قصور ہے۔"
"یہی کہ میں نے اُسے پہلے کیوں نہیں بتایا اور اس کی طبیعت سے اب میں واقف ہو چکی ہوں باجی۔ وہ معاملات کو حقیقت پسندی کی نظر سے دیکھتا ہے۔"
"یوں کہو۔ اب دیکھنے لگا ہے۔" زیبا نے اس کی بات کاٹ کر ایک آہ بھری۔ "میرے بھائی تو بڑے بھولے اور سیدھے ہوا کرتے تھے۔ وقت نے ایسا سبق دیا ہے، اب وہ اپنے سائے پر بھی اعتبار کرنے کو تیار نہیں۔"
"اسی لیے تو پریشان ہوں باجی۔ اگر وہ مان بھی گیا تو قدم آگے بڑھانے کو پھر بھی کبھی تیار نہیں ہوگا۔ وہ اب پیچھے ہٹ گیا ہے تو بس دور سے ہی دیکھتا رہے گا کہ میرے لیے گھر والے کیا فیصلہ کرتے ہیں۔"
"ہوں۔ تو پھر میں بھی اس کی بہن ہوں۔ دیکھتی ہوں کب تک اکڑ دکھاتا ہے۔" زیبا کچھ سوچ کر یکلخت مسکرا دی تو زمرد نے حیرت سے دیکھا۔
"کیا مطلب؟"
"آؤ۔ بتاتی ہوں۔" زیبا اس کا ہاتھ تھامے باہر برآمدے میں لے آئی۔ ایک نظر اسفند کے کمرے کی طرف دیکھا۔ برآمدے میں کھلنے والی کھڑکی اور دروازہ دونوں ہی کھلے ہوئے تھے البتہ آگے پردہ پڑا ہوا تھا۔ زیبا اسے لیے کرسیوں کی طرف بڑھی۔ یہ کرسیاں اسفند کے کمرے کی بیرونی طرف رکھی تھیں۔ وہ اسے آنکھ کا اشارہ کرتی مسکرا کر وہیں بیٹھ گئی
"آؤ، تمہیں اپنے گھر کی تصویریں دکھاؤں۔"

JUNOVELS.COM

وہ اپنا موبائل کھول کر اسے ذرا اونچی آواز میں بتانے لگی۔ زمرد کچھ نہ سمجھتے بس مسکرا کر اس کی کارروائی دیکھنے لگی۔ زیبا نے گیلری اوپن کی۔

"اور یہ دیکھو، میری جیٹھانی کی بیٹی کی شادی تھی نا۔ یہ اس کی تصویریں ہیں۔ یہ میری جیٹھانی ہے۔ یہ اس کا بیٹا۔ یہ دیکھو ولیمہ کی تصویریں۔" وہ ساتھ بتاتی جا رہی تھی۔ زمرد بھی دلچسپی سے دیکھنے لگی۔

"یہ میرے جیٹھ کی بیٹیاں ہیں۔ زرتاشہ اور مومنہ۔" زیبا نے ابرو اٹھا کر کچھ بتانا چاہا لیکن زمرد کی سمجھ میں نہیں آیا۔

"کیسی لگیں تمہیں یہ دونوں؟" زیبا نے پھر قدرے اونچی آواز میں پوچھا۔

"ہاں بہت پیاری ہیں دونوں۔"

"کالج میں پڑھتی ہیں۔ بہت اچھی اور سگھڑ ہیں۔ اماں کو بہت پسند ہیں۔ ان کا دل ہے کہ رئیس کے لیے زرتاشہ اور اسفند کے لیے مومنہ مانگ لیں، عمر میں بھی رئیس اور اسفی سے چھوٹی ہیں دونوں، کیا کہتی ہو؟"

"جی اچھی ہیں۔" وہ آہستہ سے بس یہی کہہ پائی۔

"میں تو کہتی ہوں اس سال ہی....."

"باجی۔" اسفند کی تنبیہی زوردار آواز پردے پار سے سنائی دی تو زیبا نے بمشکل اپنی ہنسی روکی۔ یہی تو وہ چاہتی تھی۔ زمرد البتہ ابھی تک سمجھ نہیں پائی تھی کہ زیبا کے ارادے کیا ہیں۔

"جی جی اسفی! کیا ہوا۔" زیبا نے بننے کی بھرپور ایکٹنگ کی۔ اور اٹھ کر کمرے پہ پڑا پردہ ہٹا دیا۔

"ہاں کیا ہے؟"

"یہ کیسی باتیں کر رہی ہو؟" وہ دونوں ہاتھ کمر پہ رکھے سخت خفگی سے بہن کو گھور رہا تھا۔

"ہیں..... کیسی باتیں۔ میں تو زمرد کو تصویریں دکھا رہی ہوں۔ بے چاری بور ہو رہی تھی۔"

"ہاں تو یہی فضول ناپک ملا ہے۔" وہ سخت چڑا ہوا لگ رہا تھا۔

"موضوع؟" زیبا نے سوچنے کی ایکٹنگ کی۔

"اوا چھا۔ ارے میں تو کہہ رہی تھی اماں ایسا چاہتی ہیں اور....."

"جب کوئی سیریس بات ہی نہیں ہے تو کیا مطلب ہے اچھالنے کا۔" وہ اب دبے دبے انداز میں سمجھا رہا تھا۔

"اچھا۔" زیبا نے زور دے کر بڑی معنی خیزی سے اچھا کہتے دروازے سے ٹیک لگائی۔ "وہ بے چاری بھی تو یہی سمجھانا چاہ رہی ہے، پھر اتنے دنوں سے تم کیوں خفا ہو؟" زیبا نے فوراً ہی کھل کر کہہ بھی دیا تو اسفند نے بے تحاشا چونک کر زیبا کو دیکھا۔ حیرت سے کچھ دیر تک بولا بھی نہیں گیا۔

"مجھے اُس نے ابھی بتایا ہے۔ اور وہ یہاں تمہیں منانے آئی ہے۔" زیبا نے سر گھما کر پیچھے دیکھا، وہ ذرا سا سائیڈ پہ ہو کر کھڑی تھی۔

"آؤ۔" زیبا نے ہاتھ بڑھا کر اُسے اندر بلا لیا اور ناراض نظروں سے بھائی کو دیکھا۔ "اس کی اماں نے بھی ہماری اماں کی طرح کچھ نہ کچھ سوچ رکھا ہوگا اسفند۔ تو جب یہ بات سیریس نہیں تو گلشن پھوپھی کی بات کو تم کیوں اتنا سر پر سوار کر رہے ہو۔ اور صرف پھوپھی ہی کیوں، خلیل پھوپھا باپ ہیں، نصیر بھائی ہے، انہوں نے بھی ہو سکتا ہے کچھ سوچ رکھا ہو، سب کا غصہ اس بے چاری پر نکالو گے۔"

"میں صرف یہ چاہتا تھا کہ مجھے بتا دیا جاتا۔" ڈائریکٹ مخاطب کرنے سے اس نے اب بھی گریز کیا

"ہاں اور تم نے تو جیسے بتایا تھا اس کو مومنہ کا۔" زیبا کہاں پیچھے رہنے والی تھی، زمرد کو ہنسی آ گئی، اسفند نے خشمگیں نگاہوں سے گھورا

"ہاں ہنس لو۔ سب سے آسان یہی تو ہے۔ اور جب اماں، بابا، لالہ، خالہ سب اپنی مرضی کرنے پہ اُتر آئیں، تب بھی ہنس لینا جی بھر کے۔ دل کھول

JUNOVELS.COM

کے۔'' وہ بھناتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا، زیبا نے پریشان کن نظروں سے زمرد کو دیکھا، وہ بھی سنجیدہ تھی، کیونکہ اسفند کی فکریں بے جا تو نہیں تھیں۔

'' انسان ''آگے'' کسی اُمید کے آسرے پہ بڑھتا ہے اور اسفند کو شاید یہاں اُمید بھی نظر نہیں آرہی۔'' زمرد نے سر جھکاتے تجزیہ کیا۔ زیبا نے تسلی آمیز انداز میں اس کا ہاتھ تھپکا۔

''اللہ سب بہتر کردے گا۔ آؤ میرے ساتھ۔'' اس کا ہاتھ پکڑے اماں کے پاس لے آئی۔ وہ اس وقت اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی تھیں۔ زمرد کو دیکھ کر محبت سے مسکرائیں اور اپنے قریب بیٹھنے کی جگہ بنائی۔

''میں اسے تصویریں دکھا رہی تھی، زرتاشہ اور مومنہ وغیرہ کی۔'' زیبا نے سامنے پلنگ پر بیٹھتے ماں کو بتانا شروع کیا اور انہوں نے محض سر ہلا دیا۔

'' اماں ویسے زمرد سے زیادہ پیاری ہے مومنہ؟'' زیبا نے مسکرا کر زمرد کی طرف دیکھتے فوراً ہی اپنی بات کا مقصد بھی اُگل دیا، جس پر سلطانہ تو حیران ہوئیں، زمرد البتہ پریشانی سے گھور کر رہ گئی۔

'' کیا مطلب؟'' وہ ناسمجھی سے زیبا کو دیکھنے لگیں

'' پہلے آپ بتائیں۔'' زیبا شرارت سے مسکرائی۔

''بھئی زمرد سے کسی کا کیا مقابلہ۔ یہ تو شہزادی ہے ماشاءاللہ۔''

''تو یہ سمجھیں ہم اپنے اسفند کے لیے شہزادی ہی لائیں گے۔'' زیبا نے بازو حمائل کر کے زمرد کو اپنے کندھے سے لگایا، جس کے لب اپنی شرمیلی ہنسی نہیں چھپا پائے۔ اور سلطانہ کے لیے یوں تو بات سمجھنا شاید مشکل ہوتا لیکن زمرد کی مسکراہٹ نے زیبا کے جملے کا مفہوم آسان بنا دیا

'' انسان کی پہلی خواہش تو اپنوں سے مزید جُڑنے کی ہی ہوتی ہے لیکن کبھی کبھار اتنے قریب کی خواہشیں بھی خواب بن جاتی ہے۔'' سلطانہ نے کسی خیال کے تحت آہ بھری اور اُن دونوں کے لیے سمجھنا مشکل تو نہیں تھا۔

'' میں زمرد کو خواب نہیں سمجھنا چاہتی، میں چاہتی ہوں ہم پورے خلوص سے رشتہ مانگیں اور اس کے گھر والوں کو منا لینے کی پوری کوشش بھی کریں۔ بولو نا اماں۔ تم ساتھ ہو ہمارے؟'' زیبا کی بے تابی اس کے لب و لہجے سے جھلک رہی تھی۔ سلطانہ بغیر کچھ بولے چُپ چاپ وہاں سے اُٹھ گئیں۔

''اِنہیں کیا ہوا؟'' زیبا کا یک لخت چہرہ اُتر گیا۔ خجالت سے لب چباتے ایک نظر زمرد کو دیکھا وہ بھی نظریں چُرا گئی۔ زیبا کی اس نئی نئی خوشی کو یہاں شاید کوئی بھی ہضم کرنے کو تیار نہ تھا۔ کچھ ہی دیر گزری کہ سلطانہ کمرے میں واپس آگئیں۔ دونوں نے خاموش نگاہوں سے انہیں واپس آکر بیٹھتے دیکھا۔

'' یہ سونے کی بالیاں دیکھتی ہو زمرد۔'' انہوں نے مٹھی میں بند ایک چھوٹی سی ڈبیا کھول کر زمرد کے سامنے کی۔

'' یہ میں نے نگینہ کے لیے بنوائی تھیں۔ سوچا تھا جب شادی کے بعد پہلی بار سیف کے ساتھ میکے واپس آئے گی تو اس کو پہناؤں گی۔'' سلطانہ نے تمہید باندھتے جب نگینہ کو یاد کیا تو زیبا کی امیدوں پر کچھ اور اوس پڑ گئی۔ وہ جس نام کو یاد کرنے سے گریز کر رہی تھی، اماں کے ذہن سے شاید کبھی محو نہ ہوتا تھا تب ہی ان کی خوشی کو سچ کی پھونک سے دھوئیں جیسا اُڑا دینا چاہتی تھیں۔

''پھر زیبا کی شادی ہوئی، یہ بھی شوہر کے ساتھ پہلی مرتبہ میکے آئی لیکن میں نے یہ بالیاں نہیں نکالیں، کیونکہ شادی کے نام پر اس کو بھی قربان کر دیا ہم نے۔ کوئی بھی ہمیں اس داغ کے ساتھ خوشی خوشی قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔ نوید کی پہلی بیوی مر گئی تھی۔ دو سالہ بچی کو سنبھالنے والا کوئی نہیں تھا کیونکہ ایک غریب مزدور کے گھر جہاں پہلے سے ایک ننھی بچی بیوہ ماں کنواری بہنیں اور ڈھیروں ڈھیر مجبوریاں بھری پڑی ہوں، کون اپنی پھول سی بیٹی کو دھکا دیتا

ہے۔ لیکن ہمیں بڑے بھاری جی سے زیبا کے لیے یہی فیصلہ کرنا پڑا۔ آگے تو بس اس کا اپنا نصیب۔" سلطانہ نے ایک آہ بھرتے زمرد کو دیکھا۔

"میں نے اپنا اور نگینہ کے لیے بنایا سب زیور اسی کو دے دیا۔ لیکن یہ بالیاں....." انہوں نے ہتھیلی پہ دھری سونے کی بالیوں کو دیکھا۔

"خوشیوں کی اس گھر میں واپسی تک میں نے انہیں اس دنیا سے نہیں نکالنا تھا۔ حالانکہ نگینہ اب کبھی واپس نہیں آئے گی۔" سلطانہ کی آنکھوں سے آنسو کی لکیر بہہ کر گردن تک اُتر آئی۔ جو سچ ان کے لبوں سے ادا ہوا تھا وہ دل کو چیر دینے جیسا دردانگیز تھا۔ انہوں نے روتی آنکھوں کے ساتھ پہلی مرتبہ مسکرا کر زمرد کو دیکھا۔ "لیکن خوشیاں شاید واپس آرہی ہیں۔"

"تمہارے چہرے پر اسفند کے نام سے جو مسکراتی چمک اُبھری ہے زمرد! وہ محبت کی چمک ہے اور میرے بچے "محبت" کے ترسے ہوئے ہیں۔ اس پاگل لڑکی کو دیکھو۔" انہوں نے مسکرا کر زیبا کو دیکھا۔

"بچپن میں بھی بالکل ایسی تھی، ذرا سی خوشی کی خبر کہیں سے ملتی یہ دیوانوں کی طرح پورے گھر میں بھاگتی پھرتی تھی۔ میں نے آج برسوں بعد وہی پرانی زیبا دیکھی ہے۔" وہ بات کرتے کرتے ہاتھوں میں چہرا دے کر سسکیوں سے رونے لگیں۔ زیبا اور زمرد کی آنکھیں پہلے ہی برسنے کو تیار بیٹھی تھیں۔

"تمہیں بہو بنانے کا خواب تو میں سوتے جاگتے دیکھ سکتی ہوں اور یہ چھوٹا سا تحفہ ہماری اس آج کی بہت بڑی خوشی کے لیے، جو تمہاری ہنسی نے مجھے بخشی ہے، میری دعا ہے زمرد کہ یہ ہنسی تمہاری اور اسفند کی زندگی میں بہار بن کر ہمیشہ تروتازہ رہے۔"

"آمین۔" زیبا نے اپنی آنکھیں صاف کرتے مسکرا کر زمرد کو دیکھا۔

"مجھے یقین ہے ہمارے درد کا موسم گزر گیا ہے۔ اللہ پاک میرے بھائیوں کے سر اٹھا کر دوبارہ فخر سے جینے کی راہیں آسان فرمائے، میرے لیے اس سے بڑی خوشی اور کیا ہوگی۔ باقی مجھے جو ملا وہ میرا نصیب تھا اور نصیب کا شکوہ نہیں کیا کرتے، حالات اسی کے اچھے ہوتے ہیں جو اللہ کے کرم کا انتظار کرے، نصیب کا شکوہ کرنے والے کو کبھی اچھے نتیجے کی توقع نہیں کرنی چاہیے۔ میرے حالات بھی بہتر ہو رہے ہیں۔ آنے والے وقت سے مایوس نہیں ہوں۔"

زیبا نے بظاہر زمرد کو مخاطب کرتے جیسے ماں کو تسلی دی اور وہ بھی سمجھ کر مسکرا دیں۔

☆☆☆

"اے نغمہ! نازنین۔ یہ پشمینہ کہاں ہے؟" شمیم خالہ کچن کی بیرونی سمت نیچے رکھی چوکی پر بیٹھی تھیں۔ سامنے پرات میں سبز کچے آم رکھے تھے۔ "مجھے ان کیریوں کی پھانکیں بنا دیتی تو آج ہی اچار ڈال دیتی، میرے تو ہاتھ درد کرتے ہیں، کاٹی نہیں جاتیں۔"

"میں کاٹ دوں خالہ۔ فارغ بیٹھی ہوں۔" نازنین نے جلدی سے کتاب والا ہاتھ پیچھے کرلیا مبادا شمیم خالہ اس کی پڑھائی میں خلل کے خیال سے منع کردیں۔

"تم دونوں مل کے کرلینا، لیکن وہ ہے کہاں؟ مسالے بھی اسی نے رکھے تھے کہیں۔"

"اماں! وہ رباب سے کڑھائی سیکھ رہی ہے نا۔ وہیں گئی ہے۔" نغمہ نے برتن دھوتے ہاتھ روک کر بتایا۔

"اے توبہ۔ اس نکمی کے ٹیڑھے ہاتھوں میں گلاس تک تو ٹھہرتا نہیں۔ کشیدہ کاریاں سیکھے گی۔ جاؤ نازنین گلے! بلا لاؤ اُسے۔ ابھی میں اندر جا کر لیٹ گئی تو کام کا دوبارہ من نہیں بنے گا۔"

"جی خالہ! میں بلا لاتی ہوں۔" نازنین نے کتاب رکھ کر دوپٹہ سر پہ درست کیا، پشمینہ پہ آج کل سچ مچ کڑھائی کا بھوت سوار ہوگیا تھا۔ روزانہ ہی پچھلے پہر بھاگی چلی جاتی۔ نازنین سوائے شروع کے ایک دو دنوں کے دوبارہ وہاں نہیں گئی تھی۔ اب

UUNOVELS.COM

وہ زیادہ وقت گھر پر ہی رہتی، شبنم کی شادی کے بعد یوں بھی کہیں آنا جانا نہیں ہوا تھا۔ کچھ پیپرز بھی اب نزدیک آچکے تھے۔ زیادہ وقت پڑھائی کرتے ہی گزر جاتا۔

واسع سے اسی شبنم کی شادی والی رات کے بعد دوبارہ سامنا تک نہیں ہوا۔ پہلے یہ سننے میں آیا کہ وہ کوئٹہ چلا گیا ہے اور پھر معلوم ہوا کہ ہمیشہ کے لیے واپس آگیا ہے اور اب باقاعدہ وکالت کررہا ہے۔ نازنین کو دوبارہ کبھی چھت پر بھی نظر نہیں آیا۔ یہ جتا دینے کے بعد کہ وہ سیدھے اور سامنے کے راستے پر یقین رکھتا ہے، یقیناً اب وہ خود کو ثابت کررہا تھا۔

درمیانی دروازے سے وہ ان کے گھر میں داخل ہوئی تو سامنے۔

"اونہیں۔" نازنین نے بے ساختہ کبوتر کی طرح آنکھیں میچیں۔ بس میں ہوتا تو سلیمانی چادر اوڑھ کر پل میں غائب ہوجاتی۔ پہلی نظر ہی سامنے برآمدے کی کرسی پر بیٹھے واسع پہ پڑی۔ اب پیچھے پلٹنا بھی عجیب احمقانہ پن لگتا، اور پھر خالہ سے واپس جاکر کیا کہتی بھلا۔ لامحالہ نروس قدموں سے آگے ہی بڑھنا پڑا۔ واسع نے اُسے بھی دیکھ لیا تھا اور شاید اس کی مشکل کو بھی، تب ہی سامنے میز پہ رکھی فائلز میں سے ایک اُٹھا کر آنکھوں کے سامنے کرلی، چہرے کی ہلکی مسکراہٹ البتہ آج بھی قائم تھی۔ اور نازنین اس کی مخاطب نہ کرنے کی عنایت پر شکر ادا کرتی تیزی سے کوریڈور میں داخل ہوگئی۔ واپسی پر تو ویسے بھی پشمینہ نے ساتھ ہونا تھا۔

سامنے کے بڑے صحن میں دادی اور جمیلہ چاچی کے ساتھ رباب اور پشمینہ بیٹھی فریم پہ پھول بوٹے کاڑھ رہی تھیں۔ اُن سب سے تھوڑی دیر کی سلام دعا کے بعد ہی وہ پشمینہ کے ساتھ واپس پیچھے کے صحن میں آگئی۔

"سلام لالہ۔" پشمینہ کا شاید اب واسع سے سامنا ہورہا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" اس نے ذرا سا سر خم کیا، چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔

"مبارک ہو لالہ۔ ہم نے مٹھائی تو کھالی تھی، مبارک باد نہیں دی۔" پشمینہ رُک کر کہنے لگی۔ نازنین اس کے پیچھے کھڑی تھی۔ ہاتھ میں پشمینہ کا کڑھائی والا فریم تھا۔ اس نے اپنی توجہ جامنی پھول پہ مرکوز رکھی

"ہاں نا۔ ایسے بے مروت بھی ہوتے ہیں۔ مٹھائی کے ساتھ مبارک باد بھی کھا گئے۔" وہ کرسی سے ٹیک لگاتے مسکرا کر سنانے لگا۔ نازنین کو ہنسی آگئی جسے اس نے پشمینہ کے پیچھے ہوکر چھپانے کی کوشش کی تھی لیکن واسع نے دیکھ لیا تھا۔

"نہیں لالہ! آپ کی تو دعوت کریں گے ان شاءاللہ۔" پشمینہ ذرا جذباتی ہوگئی۔

"ارے بھئی سیریس نہیں ہونا۔ بس میری کامیابی کی دعا کیا کرو۔"

"جی لالہ! دعائیں تو ہمیشہ آپ کے ساتھ ہیں۔"

"بس بہنیں دعا کرتی رہیں، بھائیوں کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے۔ خوش رہو۔"

بات کو مذاق کی طرف لے جانے اور طویل کرنے کے بجائے اس نے دو جملوں میں ہی سمیٹ دیا، اسے احساس تھا کہ نازنین سامنا ہونے پر خوشی سے زیادہ بے چینی اور گھبراہٹ سی محسوس کرنے لگتی تھی، اور وہ اس کو پریشان کیسے دیکھ سکتا تھا، خصوصاً اپنی وجہ سے تو۔ بالکل نہیں۔

☆☆☆

"بابا میں آپ کی ٹانگیں دبادوں؟" منزہ نے دونوں ہاتھ سینے پہ باندھ کر بڑے تدبر سے سوال کیا۔

"ہوں؟" سیف نے اخبار سے نظریں ہٹا کر تعجب سے بیٹی کو دیکھا۔ "خیر تو ہے آج بابا کی خدمت کا خیال کیسے آگیا۔"

"ماما کہتی ہے آپ بہت کام کرتے ہیں، اس لیے تک (تھک) جاتے ہیں۔" وہ اپنے ماتھے سے

UUNOVELS.COM

الجھی لٹیں ہٹاتی معصومیت سے گویا تھی۔

"ماما کو پیسے چاہئیں کیا؟" سیف نے ابرو اٹھا کر نغمہ کو دیکھا جو مسکراہٹ دبائے کام کے ساتھ منزہ کی باتیں بھی سن رہی تھی۔

"تمہیں تو زمانے بھر کی لٹیری میں ہی نظر آتی ہوں۔" اُس نے مسکرا کر اپنے بال سمیٹے۔

"تو پھر کہیں جانا ہوگا۔" سیف اس کی مسکراہٹ اور نرم انداز کی وجہ سے تلخ نہیں ہو پایا۔ اس لیے لہجہ معمول کا تھا۔ نغمہ اس دوران تیل کی بوتل ہاتھ میں لیے بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔ کچھ دور ہی معیزہ گہری نیند سو چکی تھی۔

"آؤ منزہ! تم بابا کی ٹانگیں دبا دو، میں پیروں پہ تیل لگا دیتی ہوں۔ دیکھو کیسے خشک اور سخت ہو گئے ہیں۔" منزہ ماں کی دیکھا دیکھی دوسری جانب آ کر بیٹھ گئی۔ سیف پہلے ہی بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے ٹانگیں سامنے سیدھی کیے بیٹھا تھا۔ منزہ ننھے ہاتھوں سے ٹانگیں دبانے میں مصروف ہو چکی تھی، نغمہ نے ہتھیلی پہ تیل نکال کر پیروں کا مساج شروع کیا۔

"تم بتاؤ منزہ! کیا معاملہ ہے؟" سیف نے قدرے نرمی سے بیٹی کی طرف دیکھا۔ دونوں کام ہی اتنے آرام کا باعث تھے کہ وہ منع نہیں کر پایا۔ منزہ نے ابرو اٹھا کر ماں سے کچھ تائید چاہی جس پر نغمہ نے چہرا آگے کر کے منزہ کے کان میں سرگوشی کی۔ وہ جواباً کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ سیف ان ماں بیٹی کی حرکات کو اب دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"مما کہتی ہے ہم خدمت کا انعام بھی لیں گے۔"

"واہ بھئی، یہ بھی خود ہی طے کر لیا۔"

"بابا آپ ناں گھر پر ریسٹ کیا کریں۔ باغ جا کر خود کو تھکایا نہ کریں۔" منزہ نے منہ بسورا۔

"اچھا۔ وہ کیوں؟" سیف کے لبوں پر بیٹی کی توجہ اور محبت دیکھ کر پہلی مسکراہٹ اُبھری۔

"مما نے مجھے سب بتا دیا ہے۔" وہ سمجھ داری سے سر ہلانے لگی، جس پر سیف نے تعجب سے نغمہ کو دیکھا

"بھئی اتنے تجسس میں نہ پڑو۔ صبح یاد ہے اس نے تم سے نئے کھلونے کی فرمائش کی اور تم ڈانٹ کر چلے گئے تھے۔" نغمہ نے مسکرا کر یاد دلایا۔ "تو یہ مجھے کہنے لگی، کتنے برے بابا ہیں۔" نغمہ نے بات کے دوران مسکرا کر منزہ کو دیکھا جو آنکھ سے نفی کے اشارے کر رہی تھی۔

"تو میں نے اسے سمجھایا کہ بابا کبھی برے نہیں ہوتے، وہ تو ساری محنت اپنے بچوں کے لیے ہی کرتے ہیں۔"

"مما کہتی ہیں، بابا سارا دن کام کر کے شام کو بچوں کے لیے ڈیر (ڈھیر) سارے پیسے لاتے ہیں اور پھر ہم ان پیسوں سے کھانا کھاتے ہیں، کپڑے لیتے ہیں۔ کاپیاں کتابیں بستہ۔ سب کچھ۔ مما تو صرف گھر کے کام کرتی ہے، اصل محنت تو بابا کرتے ہیں۔ سارا دن گھر کے نرم بستر سے دور رہتے ہیں۔ ہمارے پنکھوں والے ٹھنڈے کمرے سے بھی دور رہتے ہیں اور اپنے پیارے پیارے بچوں سے بھی دور رہتے ہیں۔"

وہ معصومیت سے مسکرا کر ایک ایک بات دہرانے لگی اور سیف نے سر جھکا کر پیروں کا مساج کرتی نغمہ کو ایک گہری نظر سے دیکھا۔ اور وہ اسی بات کا ادراک کرتے اب سر نہیں اٹھا پا رہی تھی، ڈر اس بات کا بھی تھا کہ نجانے اس کی کوشش پر سیف کا ردعمل کیا ہوگا۔

"تو پھر۔ کیا کہتی ہے منزہ! مما اچھی ہوتی ہیں کہ بابا؟" سیف نے بیٹی کو دیکھتے سوال کیا، لہجہ سنجیدہ ہی تھا۔ نغمہ کا دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔

"بابا۔" منزہ انگلی باپ کی طرف اٹھا کر شوخی سے ہنسی۔

"اُونہوں۔" سیف نے نفی کر کے فوراً اس کی تردید کی تو نغمہ نے بے ساختہ سر گھما کر شوہر کی طرف دیکھا اور وہ اسی کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ نظریں چار ہوئیں تو اس نے فوراً کہا۔

UUNOVELS.COM

''دونوں اچھے ہوتے ہیں۔ ففٹی ففٹی۔'' اور نغمہ نے جھینپ کر نظر ہٹا لی، بڑے عرصے بعد گھر کے ماحول میں ایک دوست دار لطیف سی نرمی محسوس ہوئی تھی اور نغمہ نے دل میں تہیہ کیا کہ اس محبت کی مٹھاس میں وہ روز کے حساب سے اضافہ کرے گی۔ مرد کی کم آمیزی کا شکوہ کرتے عورت یہ فراموش کر بیٹھتی ہے کہ گھر کا ماحول جادو کی چھڑی پھیرنے سے نہیں بدلا کرتا، ماحول کوشش سے بنتا ہے اور گھر کی اِن دائمی خوشیوں کے لیے شروع شروع میں ایسی خود ساختہ کوششیں ڈالنی ہی پڑتی ہیں۔

☆☆☆

خوش حال خان کی کار نے واسع کو سڑک کنارے ڈراپ کیا اور وہ خود آگے بڑھ گیا تھا۔ واسع اب چھوٹے بڑے پتھروں پر پاؤں رکھتا پیدل گھر کی جانب روانہ تھا۔

یوں تو بڑی سڑک سے گاؤں تک کچی پکی کئی چھوٹی سڑکیں جاتی تھیں۔ مین روڈ پہ آج جہاں واسع اُترا تھا وہاں سے گھر تک کے قریب آدھے میل جتنے فاصلے میں اونچے نیچے ڈھلانی راستے تھے۔ دُور دُور تک نہ آبادی تھی نہ ہی لوگ دکھائی دیتے تھے۔

گرما کا سورج بھی آج کچھ مہربان نظر آتا تھا، شمال سے آنے والی ہواؤں میں آج معمول کی تپش کے بجائے خوش گوار سی تازگی محسوس ہو رہی تھی۔ شاید کہیں بارش برسی تھی۔ واسع نے ایک اونچی جگہ آتے ہی رُک کر دونوں ہاتھ کمر پہ جماتے ایک کھلا پرسکون سانس ہواؤں کے سپرد کیا اور اپنے دور دور تک پھیلے خوبصورت گاؤں اور اس کے حسین مناظر کو مسکرا کر دیکھا۔

آج بڑے دنوں بعد گاؤں کے راستے پر پیدل چلنے کا اتفاق ہوا تھا۔ ذاتی بائیک لینا اگرچہ اب بھی اس کی پہلی ترجیح تھا، لیکن آج وہ حقیقتاً اس پیدل مارچ کو انجوائے کر رہا تھا۔ شاید یہ وہ کیفیت ہوتی ہے جو اندر سے نکلتی ہے تو ظاہر میں بھی نظر آتی ہے۔

آج وہ بہت خوش تھا، کیونکہ آج اسے اپنی زندگی کا پہلا کیس ملا تھا۔ ایک بیوہ عورت کا اپنے شوہر کی جائیداد میں حصے کا یہ پہلا باقاعدہ کیس تھا جو اسے ملا تھا۔ کیس بظاہر بہت آسان اور سیدھا سا تھا۔

نزاکت صاحب نے پورے اعتماد سے اس کا حوصلہ بڑھاتے یہ کہا تھا کہ اس کی جیت یقینی ہے۔ واسع کے لیے جہاں پہلا کیس حاصل کرنا بہت اہم تھا وہیں پہلے کیس کو جیتنا بھی بے حد اہم تھا۔

پتھریلے راستے پر بڑے بڑے قدم بھرتا اب وہ آگے بڑھ رہا تھا، جب نزدیک کہیں پانی کی آواز نے اس کے قدم روکے۔ یہ تمام پہاڑی اور میدانی راستے قدرتی تھے۔ ان میں آبادیوں کا بس جانا اگرچہ خود ساختہ تھا لیکن برسوں پہلے یہ بے آباد اور ویران ہی ہوا کرتے تھے۔ بظاہر خشک، پتھریلے اور سخت ان پہاڑی علاقوں میں اب بھی کہیں کہیں پانی کے قدرتی راستے موجود تھے۔

دریائے ژوب یہاں سے قریب تھا، شاید اسی وجہ سے یہ چھوٹے چھوٹے جھرنے پتھروں سے راستے بناتے کہیں سے نکل کر پھر کہیں گم ہو جاتے تھے۔

واسع نے پانی کی آواز پہ قدموں کو اُدھر موڑا، چند قدموں کی دوری پر اب شفاف پانی کی پتلی دھار آنکھوں کے سامنے تھی۔ واسع ایک صاف پتھر پہ بیٹھ گیا اور موبائل سامنے نکال کر ایک نمبر ڈائل کیا۔

''ہیلو!''

''جی واسع؟''

''الحمدللہ۔ تم سناؤ۔''

''سب ٹھیک ہے اللہ کا شکر۔ کیا ہو رہا ہے؟''

نصیر نے جیب سے چابی نکال کر اپنا کمرا کھولا۔ وہ بھی ابھی ابھی ڈیوٹی سے گھر پہنچا تھا۔

''بس ابھی گھر واپس جا رہا ہوں۔''

''کیسا جا رہا ہے نیا کام؟''

UUNOVELS.COM

''آج پہلا کیس ملا ہے۔ بہت خوش ہوں۔'' واسع مسکرادیا۔

''واہ ماشاءاللہ۔ مبارک ہو۔''

''خیر مبارک، تم سناؤ۔ سفر میں ہو یا گھر پہنچ گئے؟'' واسع نے وقت دیکھ کر اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

''کہاں یار۔'' نصیر نے فائلز بستر پر پھینکیں۔ ''یہیں ہوں ژوب میں۔''

''اچھا۔ لیٹ ہوگئے آج۔ تو نکلنا کب ہے؟'' واسع کو حیرت ہوئی۔

''یار کیا بتاؤں، اس بار تو آنا مشکل لگ رہا ہے۔'' نصیر کا لہجہ معذرت خواہانہ سا تھا۔ ''وہ اصل میں بابا نے کال کر کے بتایا کہ وہ کسی کام سے خود ژوب آرہے ہیں۔ ایک، دو فاتحہ خوانیاں ہیں شاید اور کسی دوست کی عیادت بھی کرنی ہے۔ کہہ رہے تھے میرے پاس رُکیں گے۔''

''اچھا۔'' واسع کا دل ایک بار پھر مایوسی میں ڈوبا۔ اس ہفتے وہ پر یقین تھا کہ نصیر کو ساتھ لیے جبار چاچا سے بات کر آئے گا لیکن.....

''ہاں وہ آج رات یہیں گزار کر کل کسی وقت واپس جائیں گے۔ یار بہت شرمندگی ہو رہی ہے مجھے۔''

''ادے نہیں بھئی۔ شرمندگی کیسی، مجبوری کا کیا کر سکتے ہیں۔ ٹینشن نہ لو۔''

واسع نے نرم لہجے میں تسلی دیتے اجازت طلب کی اور نصیر نے بھی شکریہ کہہ کر کال آف کردی۔

واسع نے موبائل آف کر کے جیب میں رکھا۔ ٹھنڈی ہوا، جھرنے کا کنارا، اور پہلے کیس کی خوشی سمیت سارا ہلکا پھلکا پن پل میں ہوا ہو گیا۔ افسوس نصیر کے نہ آنے کا نہیں تھا۔ بلکہ مایوسی نئے نئے بدلتے رویوں اور اجنبی رنگ کے لہجوں سے آشنائی پر ہو رہی تھی، وہ لہجے اور رویے جنہیں گزرے چند دنوں کے دوران دیکھنے اور سہنے کا اسے تجربہ ہوا تھا اور آگے شاید ان کا عادی بھی ہونا تھا۔

ابھی دو روز پہلے ہی وہ اکا جان کی طرف گیا تھا۔ سیف لالہ اور اکا جان سے ڈیرے پر ملاقات ہوئی، واسع نے ان سے بھی یہی کہا کہ جبار چاچا سے باغ کی واپسی کا مطالبہ وہ اپنے سب بڑوں کی موجودگی میں کرنا چاہتا ہے۔ اور لوگوں کا یہ تاثر بھی اس کے متعلق غلط تھا کہ وکالت کو بطور پیشہ اپنانا اس کے کسی مشن کا حصہ تھا، وہ تو کبھی بھی چچا پر کیس دائر کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ ہاں قانونی باریکیوں کو سمجھنا اس کا شوق ضرور تھا بلکہ وکالت پڑھ اور سمجھ کر یہ فیصلہ اس کے لیے مزید آسان ہو گیا تھا کہ بات بڑوں کی موجودگی میں نہایت سلجھے اور صاف ماحول میں کرنا ہی سب کے حق میں بہتر ثابت ہوگا۔

چھوٹے موٹے مفادات کی خاطر ہم اپنوں کو خود سے دور کر بیٹھتے ہیں۔ جبکہ گھریلو تنازعات میں الجھنے سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے اپنوں کو خود سے جوڑ کر رکھنا، مصالحت کی راہ اپنانا، سب کو ساتھ لے کر چلنا، اور اس روز جب وہ اپنی بات اکا جان کے سامنے رکھ چکا تو اس سے پہلے کہ وہ اپنا جواب بتاتے، ڈیرے پر کچھ مہمان آگئے اور انہوں نے اسے شام کو گھر بلا لیا۔

''اور پھر اُس شام.....'' واسع نے یاد آنے پر ہنس کر سر جھٹکا۔

رباب دادی کو لینے درمیانی دروازے سے اکا جان کے ہاں جا رہی تھی کیونکہ وہ پچھلے تین روز سے ان کے ہاں تھیں تو واسع نے یہ کہہ کر رباب کو روک دیا کہ کچھ دیر تک وہ خود انہیں لے آئے گا۔ اور پھر مغرب کی نماز سے فارغ ہو لینے کے بعد وہ بیچ کے راستے اکا جان کے گھر آگیا۔ دادی سامنے برآمدے میں شمیم چاچی، نغمہ بھابی اور نازنین کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ پشمینہ البتہ دکھائی نہیں دی۔ وہ سنجیدگی سے سلام کرتا اکا جان کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اتفاق سے وہ فارغ ہی بیٹھے تھے۔

UUNOVELS.COM

"ہاں تو کیا کہہ رہے تھے تم۔" انہوں نے سلام دعا کے بعد واسع کو سامنے بیٹھنے کا اشارہ کرتے حقہ اپنے قریب کھینچا۔ "یعنی کہ تمہارے خیال سے ہم سب کو ساتھ لے کر جانا صحیح رہے گا؟"

"جی اکاجان۔" واسع نے گلا کھنکارا۔ "دراصل میں اکیلے بات کرنے اس لیے بھی نہیں جانا چاہتا کہ انہیں کچھ ایسا تاثر ملے گا جیسے باغ کے وارث ہونے کی حیثیت سے میں اپنا حق جتانے آیا ہوں۔ آپ سب کے ساتھ جا کر مشترکہ طور پر یہ معاملہ سامنے رکھنا کہ حبیب الرحمن کی وفات کے بعد اب اُس معاہدے کے مطابق کیا صورت حال ہے۔ ذرا مناسب لگتا ہے۔"

"لیکن واسع۔" اکاجان نے چلم منہ کے قریب کرتے ایک لمبا کش لیا۔ "حبیب الرحمن نے جبار کے ساتھ یہ زبانی معاہدہ کرتے وقت ہمیں بیچ میں نہیں بٹھایا تھا۔ اب اگر جبار کہہ دے کہ ہم لوگ کس حیثیت سے باغ کی طلبی کے لیے آگئے ہیں جبکہ اُس وقت حبیب الرحمن نے ہمیں اس معاملے میں ڈالا ہی نہیں تھا۔"

"شاید بابا کو اس وقت معاملے کی سنجیدگی کا اندازہ نہیں تھا۔" واسع نے اکاجان کے صاف واضح اعتراض پر بمشکل اپنی حیرت کو دبایا۔ "بات دو بھائیوں کے درمیان تھی تو انہوں نے سوچا ہو کہ گواہ اور ثبوت جیسی باتیں نامناسب۔"

"اور یہ سوچ نقصان دیتی ہے واسع۔" اکاجان اسی گہری سنجیدگی سے اسے دیکھ رہے تھے، جو پہلے ہی یوں بیٹھا تھا جیسے ان کی باتوں پر یقین کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"تم نے وکالت سیکھی ہے نا واسع۔ تو اس کا فائدہ کیوں نہیں اُٹھاتے، مناسب اور نامناسب کے چکر میں پڑ کر وقت ضائع مت کرو، جبار سگے بھائی کی موت کا جتنا فائدہ اب تک اٹھا چکا ہے، اسے کافی نہیں سمجھ رہے تم؟"

"میں نے وکالت پڑھ کر ایک ہی بات سیکھی ہے اکاجان کہ کیس دائر کرنا وہ آخری راستہ ہوتا ہے جب اور کوئی راہ باقی نہ بچی ہو۔ اور یہ آخری راستہ وہ ہے جو ہمیشہ ہمیں اپنوں سے دور کر دیتا ہے۔"

"بہت سیدھے ہو واسع۔" وہ ہلکا سا مسکرائے۔ "برسوں گزر گئے لوگ تمہارے حق پر عیش کر رہے ہیں اور تمہیں ابھی بھی اپنوں سے جُوتنے کی فکریں ہیں۔"

"کیونکہ میرے نزدیک بات آج بھی باغ کی ملکیت کی نہیں ہے۔" وہ سنجیدگی سے سیدھا اُٹھ کھڑا ہوا، اور عبدالرحمن بھی چلم چھوڑ کر حیرت سے اُس کو سننے لگے۔

"عبدالواسع اپنا باغ تحفتاً بھی کسی کو دے سکتا ہے لیکن چُپ بیٹھ کر اگلوں کو اِس خوش فہمی میں جینے نہیں دے سکتا کہ وہ درست تھے اور میں غلط۔ لوگ کسی کا حق غصب کر کے اس فریب میں جینے لگیں کہ دراصل سچے بھی وہی ہیں تو اسی سے حق دار کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے اور میں کسی کو اس دھوکے میں جینے نہیں دے سکتا کہ میں اپنا حق لینے اس لیے آگے نہیں آیا کہ شاید میرا حق بنتا ہی نہیں تھا۔ ہرگز نہیں..... کیونکہ یہ میرے ساتھ نہیں بلکہ میرے مرحوم بابا کی سادگی کے ساتھ زیادتی ہوگی اور یہ میں کبھی نہیں ہونے دے سکتا۔"

واسع کو اکاجان کا جواب تو مل ہی چکا تھا، مزید رُکنے کا بھلا کیا جواز تھا۔ وہ اجازت طلب کر کے باہر نکل آیا۔

"دادی آپ تیار ہیں؟" وہ ذرا دیر کو رُکا اور وہ چاروں چونک کر سیدھی ہوئیں۔

اندر جو بھی باتیں ہوئیں اُن سب نے صاف صاف سُنی اور سمجھی تھیں۔ شمیم چاچی تو بارے ندامت کے واسع سے نظریں ہی نہیں ملا پائیں اور دادی کا اب مزید یہاں رُکنے کا دل ہی کیسے چاہ سکتا تھا۔

اُن کا واسع مایوس دُکھی دل لیے یہاں سے واپس جا رہا تھا، وہ کپکپاتے پاؤں جوتوں میں ڈال کر گھٹنوں پہ زور دیتے اُٹھنے لگیں تو نازنین نے نہ

UUNOVELS.COM

صرف اُٹھنے میں مدد دی بلکہ جب وہ چادر سر پہ ڈال کر آہستہ روی سے چلنے لگیں تو وہ ان کا بازو تھامے خود ہی درمیان کے دروازے تک لے جانے لگی۔ واسع نے نازنین کو ساتھ آتے دیکھا تو خود ہی آگے بڑھ گیا۔ البتہ درمیانی دروازے سے کچھ پہلے موبائل بجتے پر وہیں رُک کر سننے لگا۔ نازنین دادی کو لیے پاس سے گزر کر ان کے گھر داخل ہوگئی۔ سامنے سے رباب شاید دادی کو لینے ہی آرہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر دادی کو سہارا دیا تو وہ وہیں رُک گئی۔

"ارے آؤ نازنین۔ رُک کیوں گئیں۔" رباب نے مُڑ کر دیکھا۔

"بس، جاتی ہوں۔ پشمینہ کے ساتھ کل دن کو آؤں گی۔" نازنین گہرے پڑتے اندھیرے کو دیکھتے وہیں سے پلٹ آئی۔ اور تب ہی کال آف کر کے واسع بھی اُن کے دروازے سے اپنے گھر میں داخل ہوا۔ ہمیشہ والی مسکراہٹ چہرے سے یکسر مفقود تھی۔ سنجیدہ اور بظاہر سرسری ایک نگاہ نازنین پہ ڈال کر وہ قریب سے گزرتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

نازنین نے رُک کر، مُڑ کر اُس لمحے نہایت تاسف سے واسع کی پشت کو دیکھا۔ واسع کے باغ کی پوری تفصیل تو وہ ویسے بھی پشمینہ سے سن چکی تھی۔ آج کی اکا جان سے اس کی گفتگو کو سمجھنا اور بھی آسان ثابت ہوا تھا۔

اور یہ جان کر دکھ بھی مزید بڑھا کہ اس کو اکا جان کی طرف سے صاف جواب دے دیا گیا تھا۔ اب واسع کے ساتھ بھائی جبار کے پاس جا کر اس کا حق طلب کرنے میں ان کو کیا جھجک مانع تھی، یا پھر وہ کون سی مصلحتیں تھیں جو ان کو واسع کا حمایتی بن کر جانے سے روک رہی تھیں۔ وہ نہیں جانتی تھی لیکن ایک بات ضرور سمجھ میں آرہی تھی کہ واسع یقیناً پرامید تھا اور اکا جان کے جواب نے اسے انتہائی دل گرفتہ کیا تھا۔ شرمندگی، بے یقینی اور اضمحلال جب اکٹھے ہو جائیں تو چہرے کا رنگ ہی بدل جایا کرتا ہے۔

"بات سنیں؟" نازنین نے ہمت کر کے اُسے روکا جو اب اپنے اسی پیچھے کے کمرے میں داخل ہوا ہی چاہتا تھا۔

نازنین کی آواز سن کر رُکا اور تعجب سے مُڑا۔ وہ بیچ کے دروازے کی اندرونی طرف ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔

"جی"؟ وہ ماحول کی نزاکت کا احساس کرتے برآمدے کے ستون تک چلا آیا۔ دونوں کا درمیانی فاصلہ کچھ پندرہ بیس فٹ جتنا تھا۔ صحن اور برآمدے میں اندھیرا تھا، بلکی روشنی صرف کمرے سے آرہی تھی۔

"کیا اوروں کو ساتھ لے جانا بہت ضروری ہے؟" نازنین کو بھی کسی کے آجانے کے خدشے کے تحت فوراً ہی کہنا پڑا۔

"اوروں کو "اپنا" سمجھا تھا، شاید اس لیے کہہ بیٹھا۔" واسع نے کندھا ستون سے ٹکایا، نظریں البتہ نیچی تھیں۔

"اپنوں کو آزما کر پرایا مت کریں، مان ٹوٹ جائے تو رشتے کھوکھلے ہو جاتے ہیں۔"

"یعنی؟" واسع سمجھ نہیں سکا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔

"رشتوں کے معاملے بڑے نازک ہوتے ہیں اور یہاں ہر کوئی کسی نہ کسی مجبوری میں بندھا ہوگا، آپ....." وہ لمحے کو جھجکی۔ "آپ اور کسی سے نہ کہیں ساتھ دینے کو۔"

"ہوں۔" واسع کے لیے سمجھنا آسان ہو گیا تو لبوں پر ایک اداسی بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مطلب کسی کو اپنا سمجھنا اب ایک خوش گمانی، خیال اور وہم ہی رہ گیا ہے۔"

"شاید اُن کی جگہ میں اور آپ ہوتے تو کیا پتا کوئی مجبوری ہماری بھی راہ روک لیتی، میں بس یہ کہنا چاہتی ہوں کہ انسان اگر اللہ کے بھروسے اور اپنے دم پہ آگے بڑھے تو کسی سے کوئی گلہ شکوہ نہیں رہتا۔ آپ

UUNOVELS.COM

جیت گئے تو یہ مشکل وقت یاد بھی نہیں رہے گا۔"

"شکریہ، تمہاری نصیحت یاد رکھوں گا۔" وہ نرمی سے مسکرایا۔

"میں آپ کے لیے دعا کروں گی۔" اس نے لمحے بھر کے لیے نظر ملائی۔

"ہوں، مجھے بھروسا ہے۔" وہ مسکرا کر اس سے پہلے ہی واپس اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"اور اب....." جھرنے سے دور ہٹتے گاؤں کی طرف رُخ کر کے سیدھا کھڑا ہوتے اس نے اپنا درد دبا کر سوچا کہ وہ صحیح کہہ رہی تھی۔ اور نازنین تو شاید نہیں جانتی تھی لیکن وہ جانتا تھا کہ ابھی اسے خلیل پھوپھا اور مجیب چاچا سے بھی بات کرنے جانا تھا۔ لیکن نازنین کے منع کرنے پر گزرے دو دنوں میں اور کہیں کسی سے بات کرنے نہیں گیا۔ ہاں لیکن نصیر کی بات اور تھی۔ اس سے تعلق، رشتے داری کا نہیں دوستی کا تھا جسے واسع نے ہر مصلحت، ہر مجبوری سے اوپر کی چیز سمجھا تھا۔ لیکن یہاں بھی وہ ہی غلط نکلا، آج نصیر سے بات کر کے خلوص اور دوستی کا یہ دعوا بھی یک طرفہ سا لگا اور اب اُسے واقعی کسی سے کوئی بات نہیں کرنی تھی۔ اس کے ساتھ اب ایک اللہ کا سہارا تھا اور بس۔

☆☆☆

وہی ہے دھرتی، فلک وہی ہے
یقیں وہی ہے، گماں وہی ہے
یہ چاند اور کہکشاں وہی ہے
تمہاری صورت، تمہاری مورت
تمہاری باتیں وہی ہیں لیکن
بہت دنوں سے یوں لگ رہا ہے
سماعتوں سے اُتر کے سورج پگھل رہا ہے
تمہارا لہجہ بدل رہا ہے

یاقوت سے جڑی چاندی کی انگوٹھی پہ لب رکھے وہ خیالوں میں نجانے کتنی دور نکل گئی تھی۔ کوئی کبوتر، کوا یا طوطا اس کے محبوب کو بھی ملنے کا پیغام دے آتا۔ "کاش کبھی تم بھی گھڑیاں گنتے نصیر۔ ایک ایک پل پہ گرا تمہاری جدائی کا ایک ایک آنسو۔ آنکھوں سے کم ہوتے آنچل کو بھرتا جا رہا ہے، کیسے بے پروا ہو، اپنے کہے قول بھی یاد نہیں رکھتے، رباب جنہیں دل پہ لکھے پھرتی ہے، تم نے یونہی ہواؤں میں اُڑا دیے۔ دُوری کے پانچ دن تو ہم دونوں کے لیے ایک سے جاں گسل ہوا کرتے تھے۔ تمہاری ڈیڑھ دن کی گھر واپسی صرف رباب کی عید تو نہ تھی، پھر اب کیا ہو گیا۔ کبھی آ کر بغیر ملے چلے جاتے ہو، کبھی واپس ہی نہیں آتے۔" رباب نے ہتھیلی کی پشت پہ ماتھا ٹکا دیا۔ آنکھیں نم ہو گئیں

نصیر کی محبت تو رباب کو جیسے خواب لگنے لگی تھی۔ کہاں گیا تھا وہ روٹھنا منانا، وہ شکوے شکایات۔ اس کے دیدار کی تڑپ لیے موقع بے موقع کہیں سے اچانک ٹپک پڑنے والا نصیر اب ویک اینڈز پر گھر آنے سے بھی گریزاں دکھائی دیتا تھا۔ اور وہ ایک موبائل کا رابطہ۔ رباب نے آہ بھری۔ وہ تو جیسے شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو گیا تھا۔

نصیر چُپ تھا۔ اور کچھ عجیب سی چُپ۔ رباب مجبور ہو کر کال کر بیٹھتی اور بولتی چلی جاتی، حتیٰ کہ منتوں تک پہ اُتر آتی کہ وہ ایک بار کم از کم اس کی خطا ہی بتا دے۔ وہ اپنی جان دے کر بھی اُسے منا لے گی۔ پر وہ ہنس کر ٹال دیتا اور مصروفیت کا بہانا کر کے اجازت لے لیتا۔

"کچھ تو ہوا ہے نصیر۔" رباب کی آنکھ سے موتی چھلکا۔ "کچھ ایسا جو مجھے دکھائی نہیں دے رہا، لیکن یہیں آس پاس ہی، کچھ ہوا ضرور ہے۔" رباب اُس پتی دوپہر میں اکیلی اپنے کمرے میں بیٹھی تھی۔ گہری گمبھیر چُپ اوڑھے آج وہ نہایت سنجیدگی سے مسلسل اور لگاتار اسی ایک بات پر سوچے جا رہی تھی۔

واسع اماں کو بتا رہا تھا کہ اس ویک اینڈ پہ نصیر گھر نہیں آ رہا تو فی الحال سنڈے کو جبار چاچا کے پاس جانا ملتوی ہو گیا۔ لیکن یہ بات بس اتنی تو نہ تھی۔ واسع نے پچھلی اتوار کو بھی جبار چاچا سے بات کرنے

UUNOVELS.COM

جانا تھا لیکن نصیر کی وجہ سے جانا نہیں ہو پایا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ واسع کا ساتھ دینے کو ہی تیار نہیں۔ کیا اسے گلشن پھوپھی نے منع کیا تھا۔

لیکن وہ کہاں کسی کی ایسی باتوں میں آتا تھا۔ واسع کی دوستی اور رباب کی محبت میں وہ کب کسی مصلحت کو خاطر میں لاتا تھا۔

نصیر اور حیلے بہانے۔ کچھ نہ ہضم ہونے والا معاملہ تھا۔ چارپائی پر چت لیٹے، دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے، چھت کو گھورتے وہ واسع تھا، اسی دوپہر میں اسی صحن کے ایک دوسرے کمرے میں عین اسی کشمکش سے دوچار۔

لوگوں کے رویے یوں تو اب زیادہ حیران نہیں کرتے تھے، زمانہ اپنا اصل رنگ آپ کی تکلیف میں ہی دکھاتا ہے۔ وہ آزردہ ضرور ہوا تھا، حیران بہت کم۔ لیکن نصیر..... وہ اس کے لیے کبھی "لوگ" نہیں رہا تھا۔ وہ اس کا سچا خیر خواہ اور جاں نثار دوست تھا، اسے ہمت حوصلے اور آگے بڑھنے پر اُکسانے والا وقت آنے پر اتنا دور کھڑا دکھائی دے گا۔ ناقابل یقین تھا۔ درد نے دل کی گھٹن کو کچھ اور بڑھا دیا تھا۔

واسع پسینہ پسینہ ہوتے بے اختیار اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ کمرے کی چاروں دیواریں جیسے قریب آ کے اُسے دبوچ لینا چاہتی تھیں۔ اس نے پاؤں چپلوں میں ڈالتے فی الفور کمرا حتیٰ کہ گھر بھی چھوڑ دیا۔ تازہ ہوا کے ٹھنڈے جھونکے کی تلاش اسے باغوں کی طرف لے آئی۔

اُن کے آبائی باغ۔ واسع نے سر اٹھا کر درختوں کی طرف دیکھا۔ بچپن جن باغوں میں کھیل کر گزارا تھا، بڑا ہونے پر وہ ان باغوں کی مونی پتھریلی دیوار کے باہر سے انہیں دیکھ کر خوش ہوتے گزار رہا تھا۔ اپنا اور جبار چاچا کا باغ تو برسوں ہوئے اس نے کبھی جھانک کر بھی نہ دیکھا تھا۔ اکا جان کے باغ میں سیف لالہ مصروف رہتے جن سے بڑے بھائی جیسے سلام دعا کا رشتہ تھا۔

ایک بس مجیب چاچا تھے، جن کے باغ میں کبھی رئیس تو کبھی اسفند کے ساتھ گپ شپ کرتے داخل ہو جایا کرتا اور یہ وہ باغ تھا کہ جہاں چھ سات برس ہوئے اب اس کے علاوہ شاید ہر کسی نے آنا چھوڑ دیا تھا۔ نگینہ والے قصے کی وجہ سے برادری کے ساتھ ان کے تعلقات کی نوعیت بھی بدل چکی تھی۔

"ارے لالہ، باہر کیوں کھڑے ہیں۔" اسفند کسی کام سے باہر نکلا تو واسع کو دیکھ کر حیرت سے آگے بڑھا۔ واسع سے مصافحہ کر کے ساتھ لیے باغ کے اندر آ گیا۔ باغ کے دوسرے کنارے پر ڈیرے کی سائیڈ پہ کچھ چہل پہل دکھائی دے رہی تھی لیکن یہاں آخری کونے میں ان دونوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔

"جبار چاچا کی طرف کب جانا ہے لالہ؟" اسفند نے سوال کیا تو واسع کچھ نہ سمجھتے اسے دیکھے ہی گیا۔ دماغی طور پر شاید ابھی تک وہ غیر حاضر تھا۔

"آپ نے بتایا تھا نا سنڈے کو۔"

"اوہ ہاں۔" واسع نے خفیف سا سر کو ہلایا۔ اسے یاد آیا کہ اسفند اور رئیس کے ساتھ یہ بات ہو چکی ہے کیونکہ اسے مجیب چاچا سے بھی بات کرنے آنا تھا۔ وہ تو نازنین کے ٹوک دینے پر وہ خود ہی اب کسی کا ساتھ مانگنے سے باز آ گیا تھا تو ادھر بھی نہیں گیا۔

"لالہ! ہماری کسی بھی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو بے جھجک کہہ دینا۔"

"پہلے میرا بھی یہی ارادہ تھا اسفند کہ سب کو ساتھ لے کر چلوں، لیکن اب مجھے لگتا ہے یہ اتنا ضروری نہیں۔ اب کسی ٹائم شاید میں اکیلا ہی بات کر آؤں۔" واسع نے نرمی سے وضاحت کر دی۔ تاکہ وہ یہ نہ سمجھے کہ شاید وہ ان کو شرکت کے قابل نہیں سمجھتا۔ واسع جانتا تھا موجودہ حالات میں ان کی سوچ نہ چاہتے ہوئے بھی کچھ ایسی ہو گئی تھی۔

لوگ جب آپ کو اکیلا چھوڑ دیتے ہیں تب یقین آتا ہے کہ "اپنے پن" کی تو دراصل حقیقت ہی کوئی نہیں۔ اپنی ذات سے بڑھ کر آج کسی کے لیے

UUNOVELS.COM

کچھ اور اہم نہیں۔

''ضروری تو خیر ہے لالہ۔'' اسفند واسکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے گہری سنجیدگی سے کچھ سوچ رہا تھا۔ ''سب کا ساتھ حاصل ہو تو خوب رعب پڑتا ہے اگلے پر، یہ اور بات کہ اب ہم اُن میں شامل نہیں ہوتے۔'' آخر میں وہ خود اپنا استہزاء اُڑاتے ہنس پڑا تو واسع نے خفگی سے گھورا۔

''ایسی باتیں مت سوچا کرو اسفند۔ کیونکہ تمہارے حصے کی عزت تم نے خود اپنے عمل سے کمانی ہے کسی اور کے کیے سے نہیں۔''

''سوری لالہ!'' اسفند نے نظریں چُرائیں۔

''آپ بتا دینا اگر ہمارے لائق کوئی خدمت ہو۔''

''ہوں۔'' واسع نے کچھ دیر بغور اسے دیکھا پھر بازو کے حلقے میں لیتے اس کا شانہ تھپکا۔ ''وقت ہی زخم دیتا ہے اور یہی وقت پھر مرہم بھی بنتا ہے کیونکہ اندھیری راتیں اگر اسی وقت کا حصہ ہیں تو اُجلے دن بھی اسی سے نکلتے ہیں۔ حالات کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جینا سیکھو، نظریں وہ جھکائے جس کا اپنا دامن داغ دار ہو، ادھر دیکھو۔'' واسع نے اسے اپنے مقابل کھڑا کیا تو اسفند نے نظریں اوپر اٹھائیں۔ واسع نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر مضبوطی سے جمائے۔

''یہ روشن چمکتی آنکھیں تمہارے اندر کی طرح شفاف ہیں، کیونکہ تم نے کسی کے ساتھ کچھ برا نہیں کیا۔ بس اسی اعتماد کو ساتھ لے کر آگے بڑھو گے تو قدرت تمہاری راہیں آسان کرتی جائے گی۔ اور یاد رکھو اسفند۔'' واسع نے ایک گہرا سانس بھرتے اپنے نئے نئے دکھ کو لمحے بھر کے لیے یاد کیا۔

''ہم آپ ہی اپنا حوصلہ ہیں، آپ ہی اپنی ہمت۔ اس کے علاوہ صرف وہی ہمارا ہے جسے تکلیف میں پکارنے کی ضرورت نہیں پڑتی، وہ خود ہی ہمارے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔ اور پھر.....'' واسع ایک دم مسکرایا تو اسفند نے بغور اسے دیکھا۔

''پھر وہ اللہ تو ہے ہی، تو ہم اکیلے کہاں ہوئے۔''

''تھینک یو لالہ۔'' اسفند آگے بڑھ کر واسع سے بغلگیر ہو گیا۔ ''ایسی حوصلہ افزا باتیں بھی ہوا، پانی اور خوراک جیسی ہماری ضرورت ہوتی ہیں لیکن یہ بات ہر کوئی نہیں سمجھ سکتا۔''

''بہادر بنو شاباش۔'' واسع نے پیار سے اُسے تھپکا اور واپسی کی راہ لی۔ گھٹن سے نجات حاصل ہوئی تھی۔ دوسروں کو سہارا دیتے کبھی کبھار آپ کو خود اپنی طاقت کا بھی ادراک ہو جاتا ہے۔ وہ بھی بڑا ہلکا پھلکا دل لیے وہاں سے واپس آیا تھا۔

☆☆☆

''ملنا ملانا تو سب سے ہو گیا نصیر۔ بس اب میں نکلوں گا۔''

''چائے پی لیں بابا، پھر میں خود آپ کو چھوڑ آؤں گا۔ ایک دوست سے بائیک مانگی ہے وہ آتا ہی ہوگا۔''

نصیر نے کمرے کے ایک کونے میں ہی پڑی میز پر چھوٹا چولہا اور کھانے پکانے کا ضروری سامان سیٹ کر رکھا تھا۔ اسی پر چائے کی کیتلی چڑھی تھی۔ کھانا کچھ دیر پہلے ہی وہ باہر سے لے آیا تھا۔ اس کے بابا اپنے تمام ضروری کام نمٹا کر آ گئے تو دونوں نے مل کر کھانا کھایا، اور اب چار بجے کے قریب انہوں نے واپسی کا ارادہ کیا تھا۔

''تم تو اب اگلے ہفتے ہی آؤ گے؟'' وہ کچھ سوچنے لگے۔ گلشن نے ان کے ذمے جو کام لگایا تھا، شام سے رات اور پھر اگلی دوپہر ہونے تک بھی انہیں نصیر سے کہنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی، لیکن اب تو جانے کا وقت تھا۔ لامحالہ خود کو تیار کیا۔

''جی۔'' نصیر نے مختصر جواب دیتے چائے پیالیوں میں ڈالنا شروع کی۔

''وہ اصل میں ہم سوچ رہے تھے کہ اس ہفتے کے دوران تمہارے جبار ماما سے بات کر آتے۔''

''جبار ماما سے۔'' نصیر نے چونک کر سر گھمایا۔

''کیا واسع کے باغ کی بات؟''

UUNOVELS.COM

"باغ؟" خلیل کا دل ڈوب کر اُبھرا۔
"نن..... نہیں۔ ہمارا واسع کے باغ سے کیا لینا۔ میں تو رشتے کی بات کر رہا ہوں۔"
"رشتہ؟" اب حیران ہونے کی باری نصیر کی تھی۔ دو پیالیوں میں چائے لیے اب وہ بابا کے سامنے آ بیٹھا تھا۔
"دیکھو اب شبنم کی شادی بھی ہوگئی ہے، تو اس سے پہلے کہ ذکی اور نیلم کا نام کوئی اور اٹھا لے یا وہ کہیں رشتہ وغیرہ دیکھنے لگ جائیں۔ ہمیں بات کر دینی چاہیے۔"
"آپ سے اماں نے کہا تھا؟" وہ اپنا کپ ہاتھ میں لیے اٹھ کر وہاں سے دور چلا گیا۔
"تم جانتے ہو نصیر! ہماری ہمیشہ سے یہی خواہش ہے اور تمہاری ماں اپنی ضد سے ایک انچ پیچھے ہٹنے والی نہیں۔ اگر....."
"اوکے، اگر آپ کی یہی مرضی ہے تو ہو آئیں۔" نصیر نے رخ دوسری جانب کیے ہی جواب سنا دیا اور خلیل احمد حیرت سے گنگ اس کی پشت کو دیکھے گئے۔
کیا واقعی ان کے کانوں نے ہاں سنی تھی۔ وہ بھی نصیر کے منہ سے۔ نیلم کے لیے۔ ان کا دل چاہا فوراً موبائل نکال کر گلشن کا نمبر ملائیں اور اسے یہ خوش خبری سنا دیں لیکن بڑی مشکل سے ضبط کر کے فوراً جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ بے یقینی ایسی تھی کہ انہیں وہم ہوا نصیر ابھی اپنا جواب بدل دے گا لہٰذا اس کے دوسرے بیان سے پہلے یہاں سے نکل جانا ہی بہتر تھا۔
"ارے آپ کی چائے؟"
"نہیں بیٹا بس اتنی ہی ٹھیک ہے۔ میں کہیں لیٹ نہ ہو جاؤں۔ ڈیرے پر بھی پیچھے کتنے کام رُکے پڑے ہوں گے۔" وہ جلدی جلدی اپنی چیزیں سمیٹنے لگے اور ڈور بیل کی آواز پر نصیر بھی چونک کر باہر کی طرف بڑھ گیا۔ شاید اس کا دوست بائیک لے آیا تھا۔

☆☆☆

انسان کا کسی ایک فیصلے پر جم جانا منزل تک پہنچنے کے راستے کی پہلی بڑی کامیابی ہوتی ہے۔ ذہن یکسو ہو تو آگے بڑھنے کی راہ میں باوجود مشکلات کے قدم نہیں لڑکھڑاتے۔
وہ جن سہاروں کا ساتھ چاہ رہا تھا، زمینی مجبوریوں کا شکار تھے۔ حالات کی بندشوں میں جکڑے تھے۔ اور واسع کو جونہی اس کا ادراک ہوا اس نے قدم پیچھے ہٹا لیے، اب اسے کسی کی منت نہیں کرنی تھی کیونکہ اس کا مؤقف آج بھی بہت سیدھا بالکل واضح تھا۔ اس کے مرحوم باپ کے بھائی سے کیے معاہدے کی شکل تبدیل کی جا رہی تھی، اس لیے وہ "باغ" کے وارث نہیں بلکہ اپنے "باپ" کے وارث ہونے کا حق ادا کر رہا تھا۔ کیونکہ باپ گزر گیا تھا لیکن وارث ابھی زندہ تھے۔
اسے صرف سچ کے لیے کھڑا ہونے میں دلچسپی تھی۔ "حق" خود بخود واپس آ جاتا، اور اگر تب بھی نہ آئے تو کم از کم دنیا کو مالک اور غاصب کا چہرا ضرور نظر آ جائے گا۔ واسع کا ذہن اب مکمل پرسکون اور مطمئن تھا۔ پھر جس کی سوچ روپے پیسے، نفع نقصان سے آگے بڑھ جائے اس کا استقلال قابلِ دید ہوتا ہے۔ وہ اماں اور دادی کی دعا لے کر نکلنے لگا تو دادی نے روک لیا۔
"بیٹھو واسع۔" دادی نے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتے بغور اس کے بُجھے بُجھے چہرے کو دیکھا۔
"سچ کا راستہ بہت دشوار ہوتا ہے واسع۔ یہ راہ برائی کی چار پھلانگوں جیسی نہیں ہے۔ یوں سمجھو کہ ابھی تو تم نے ارادہ کیا ہے، ایک بات یاد رکھنا ارادہ کرنا آسان ہے، لیکن ارادے پر عمل کرنے کی راہ میں بے شمار رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اللہ پر یقین کے سہارے آگے بڑھو، اس کے ہوتے خود کو اکیلا مت سمجھو، اس کی مدد دنیا کو شاید دکھائی نہ دے لیکن اُس اوپر والے کا یہ نہ دکھائی دینے والا ساتھ ایک دن دشمن کی ہار بن جاتا ہے۔"

UUNOVELS.COM

''مجھے بھی یقین ہے دادی۔'' وہ تسلی دینے کے انداز میں مسکرایا۔ ''مجھ میں ہزاروں عیب ہو سکتے ہیں، لیکن میرے بابا نے کبھی کسی کا برا نہیں چاہا تھا۔ اور میں اپنی نہیں، اُن کی جنگ لڑ رہا ہوں۔''

''اللہ پاک تمہیں سرخرو فرمائیں۔ جاؤ میرے بچے۔'' انہوں نے محبت سے واسع کا گال تھپکا۔ وہ بھی ان کے ہاتھ پر بوسہ دیتے اجازت لے کر باہر نکل آیا اور دروازے سے باہر نکلا ہی تھا کہ سامنا رئیس سے ہو گیا۔

''کہیں جا رہے ہیں لالہ؟'' اُس نے آگے بڑھ کر مصافحہ کیا۔

''جبار چاچا کے ڈیرے تک جا رہا ہوں۔''

''میں ساتھ آؤں؟'' اُس نے بے ساختہ پوچھا تو واسع کچھ دیر کے لیے ہچکچایا۔

''اُن سے ملنے چلنا ہے تو آؤ۔''

''اچھا میں سمجھا آپ باغ کے سلسلے میں بات کرنے جا رہے ہیں، سوچا میں بھی ساتھ آجاتا ہوں۔''

''ہاں، جا تو اسی لیے ہی رہا ہوں۔'' واسع کو اقرار کرنا پڑا۔

''تو میں اور اسفند دونوں آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔ بابا تو مستونگ گئے ہوئے ہیں ورنہ وہ بھی چلتے۔''

رئیس نہ صرف فوری طور پر خود مستعد ہوا بلکہ اپنے گھر کے دروازے میں داخل ہو کر اسفند کو بھی ہانک لگائی اور واسع اس کی حرکات پر نرمی سے مسکراتے ایک ہی بات سمجھ پایا کہ ''ساتھ دینا'' دراصل کسے کہتے ہیں۔ اور اب وہ اسفند اور رئیس کو ساتھ لیے جبار چاچا کے رُوبرو تھا۔

ڈیرے کے بڑے مہمان خانے میں ذکی کچھ مہمانوں کے ساتھ بیٹھا تھا اور جبار چاچا ساتھ والے اپنے ذاتی کمرے میں اکیلے بیٹھے تھے۔

''تم تو خود پڑھے لکھے ہو واسع، کہنے کی ضرورت نہیں کہ جس پیشے سے منسلک ہو، ہم جیسوں سے کہیں زیادہ ایسے معاملات کی باریکیوں سے واقف ہو، پھر بغیر کسی تحریری ثبوت اور گواہوں کے آخر کس بنیاد پر باغ کی واپسی کی بات کر رہے ہو۔'' عبدالجبار نے پہلے ہی جملے پر کھل کر صاف گوئی سے اعتراض اُٹھا دیا۔

''کیونکہ میں اور آپ نہ ایک دوسرے سے الگ ہیں نہ ایک دوسرے کے لیے غیر ہیں۔ جس طرح میرے بابا نے سگا بھائی اور اپنا خون جانتے کسی گواہ اور ثبوت کو ضروری نہیں سمجھا، مجھے بھی یہ سب غیر ضروری محسوس ہوا، میرے نزدیک آپ ہی گواہ ہیں، آپ ہی ثبوت، آپ سے بڑھ کر میں کس پہ بھروسا کروں۔''

''تو تم میرے کہے پر یقین کر لو گے؟'' وہ جیسے اچنبھے میں پڑ گئے۔

''جی بے شک۔'' واسع نے اعتماد سے سر اثبات میں ہلایا۔

''تو بات یہ ہے بیٹا! کہ حبیب الرحمن نے اپنا باغ پندرہ لاکھ کے عوض مجھے فروخت کر دیا تھا۔''

''فروخت؟'' واسع نے بمشکل خود پر ضبط کیا۔

''کیوں..... کیا باغ بک نہیں سکتا؟'' جبار نے واسع کے بدلتے تاثرات پر استہزائیہ چوٹ کی۔

''جی بک سکتا ہے لیکن بابا جب تک زندہ رہے ایسی کوئی بات گھر والوں سے نہیں کی، خیر میں آپ کی بات پر آتا ہوں، بابا کے بعد مجھے آپ ہی کا یقین کرنا ہے۔ تو جاننا چاہتا ہوں کیا باغ کی خرید و فروخت کا کوئی تحریری ثبوت ہے۔؟ دراصل قرض یا رہن وغیرہ کے معاملات تو پھر بھی زبانی طے پا سکتے ہیں لیکن پراپرٹی وغیرہ کوئی زبانی نہیں بیچ دیتا۔''

''ہاں بالکل۔ ثبوت موجود ہے۔'' جبار نے لہجے کو پُراعتماد بنایا۔

''کیا میں وہ پیپر دیکھ سکتا ہوں؟'' واسع کا تحمل قابلِ دید تھا۔ رئیس اور اسفند نے البتہ چچا کے

UUNOVELS.COM

جھوٹ پر سخت بے چینی محسوس کی۔

"باقاعدہ عدالتی حکم آجائے تو وہ بھی دیکھ لینا۔" انہوں نے بے اعتنائی سے روکھا جواب دیا۔

"کیسا عدالتی حکم؟" واسع کے ابرو تعجب سے جُڑ گئے اور جبار نے بھی چونک کر سر اٹھایا۔

"باغ حاصل کرنے کے لیے اب تم کیس کرو گے، تو یہ ساری کارروائی بھی عدالت کے ذریعے طے پانی چاہیے۔"

"لیکن مجھے تو کوئی کیس نہیں کرنا، میں عرض کر چکا کہ میں نے آپ کو گواہ مانا آپ کی زبان کو ثبوت....."

"تب تو میں کہہ چکا کہ حق نہیں بنتا۔ اور یعنی کہ اس حساب سے آئندہ تمہارا زحمت کرنا بھی۔"

"جی نہیں۔" واسع نے یک لفظی معذرت کی۔

"کیونکہ معاہدہ جب تک زبانی تھا مجھے بابا کے بعد آپ ہی کا یقین کرنا تھا لیکن بقول آپ کے بات اب زبانی سے نکل کر تحریری کی طرف آگئی ہے، لامحالہ مجھے کاغذ تو دیکھنا ہوگا۔ اور کاغذ اگر آپ کے پاس موجود ہے تو میرا نہیں خیال کہ ہمیں عدالت میں جانے کی ضرورت ہے۔ یہیں آپس میں خاندان کے چند ایک افراد کے سامنے بیٹھ کر کاغذ دیکھ کر فیصلہ کرلیں گے۔"

"خاندان کے "یہ" افراد جنہیں آج لے آئے ہو؟"

دروازے کی طرف سے اُسی دم ذکی کی آواز سنائی دی تو اُن تینوں نے ایک ساتھ گردن پھیری جبکہ جبار چاچا نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔ ہنسی میں تمسخر واضح تھا۔ واسع کا چہرا سرخ ہوا۔ ذکی کو اس کے اندر کی بے کلی نے زیادہ دیر مہمانوں کے بیچ نہیں بیٹھنے دیا تب ہی سن گن لینے کچھ ہی دیر میں وہاں آپہنچا۔

"سچ کی راہ دشوار ہے شاید اس لیے ہمارے حمایتیوں کی تعداد بھی کم ہوتی ہے۔" واسع کو دادی کا کہا یاد آیا۔

"سچ جھوٹ کا اندازہ تو تمہاری جماعت کے ممبران دیکھ کر ہی خوب ہو رہا ہے۔" وہ باز نہیں آیا۔

"اسے جو بھی کہنا ہے چاچا جی۔ مجھ سے کہے، میں اِن کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سنوں گا جو مشکل گھڑی میں میرے ساتھ کھڑے ہیں۔" واسع نے اس بار ذکی کو مخاطب کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا۔

"تم جنہیں ساتھ لائے ہو وہ تو خاندان برادری کے کسی جرگے میں بھی بیٹھنے کے لائق نہیں۔" جبار چاچا نے بھی بجائے ذکی کو ٹوکنے کے واسع کو آئینہ دکھانے کی کوشش کی۔

"بس کردیں چاچا جی۔ انسان سمجھ کر نہیں تو گھر آیا مہمان سمجھ کر ہی چُپ ہو جائیں۔" وہ غصے سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو رئیس۔ اسفند۔ باقی باتیں اِن سے بعد میں ہوں گی۔" وہ اب چچا کی مزید زہر افشانیوں کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا اس لیے فی الفور باہر کی راہ لی، ان دونوں نے بھی چپ چاپ پیش قدمی کی۔۔

"اور سنو۔" جبار چاچا نے پیچھے سے آواز دے کر روکا تو وہ بنا مڑے وہیں دروازے میں رُکا۔

"تم باقاعدہ کیس ہی فائل کردو عدالت میں، اللہ سچ کے ساتھ ہے، مجھے عدالت و دالت کا کوئی ڈر خوف نہیں ہے۔ خاندان والوں کو بلاوجہ بیچ میں لانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہیں کورٹ میں ہی آمنے سامنے ہو لیتے ہیں۔" انہوں نے پھر وہی بات دوہرائی اور واسع بغیر کچھ کہے باہر نکل گیا۔

"سوری لالہ۔ ہماری وجہ سے آپ کو شرمندگی اُٹھانا پڑی۔" رئیس نے سر جھکا کر اپنے زبردستی ساتھ آنے کی غلطی کا اعتراف کیا۔

"شٹ اپ رئیس۔ دوبارہ ایسی بات کی تو زندگی بھر بولوں گا نہیں۔" واسع کے موم سے دل پہ ذکی اور چاچا کے لہجے کیا کم چھریوں سے لگے تھے کہ اب یہ بھی شروع ہو گئے تھے۔

"اگر ہم ساتھ نہ جاتے تو بات شاید اچھے ڈھنگ سے۔"

UUNOVELS.COM

"رئیس اسفند۔ میں کہہ رہا ہوں چپ ہو جاؤ۔ بیچ راستے میں دھلائی کرواؤ گے مجھ سے۔" وہ رُک کر نہایت خفگی سے اُن دونوں کو گھورنے لگا تھا۔ "تم دونوں شاید اگلی مرتبہ ساتھ نہ آنے کا بہانہ ڈھونڈ رہے ہو۔"

"نہیں نہیں۔" اسفند شرمندہ سا ہو کر وضاحت دینے لگا۔

"ہوں..... تو....." واسع نے باری باری اُن دونوں کو دیکھا۔ "کیا لگتا ہے چاچا کی باتوں سے؟"

"کیس کیوں نہیں کرتے لالہ، وہ تو لچک دکھانے کو تیار ہی نہیں لگ رہے، عدالت میں آمنے سامنے ہونے کا شوق ہو رہا ہے انہیں، تو کر دیں ان کا شوق پورا۔" اسفند نے تجزیہ کیا تو واسع نے لب بھینچے۔ یہی بات تو اُسے بھی بے چین کر رہی تھی۔

"آپ کیا سوچ رہے ہیں لالہ؟"

"میں..... پتا نہیں۔" اس نے سر جھٹکا۔ "چلو ابھی گھر چلتے ہیں۔ اور ہاں۔" وہ چلتے چلتے رُکا۔ "میں واقعی تم دونوں کا ممنون ہوں، میرے اکیلے پن میں تمہارے ہونے سے مجھے بہت حوصلہ ملا ہے۔ لیکن معافی چاہتا ہوں میری وجہ سے تم دونوں کو بلاوجہ اُن کی باتیں سننا پڑ گئیں۔ پشیمان مجھے ہونا چاہیے نہ کہ....."

"چلیں بس رہنے دیں یہ بات۔ ہمیں بھی بڑے دنوں سے کسی نے نہیں چھیڑا تھا۔ خوامخواہ کہیں مغرور ہونے لگتے۔" اسفند نے ماحول کی اداسی کو ہلکا پھلکا کیا اور واسع کو اس کی معصوم شرارت پر ہنسی آ گئی۔

حالات نے بھی کیا ستم ڈھایا تھا اُن بے چاروں پر۔ اس نے تاسف سے اپنے چھوٹے بھائیوں کو دیکھا اور دل سے ان کی دائمی خوشیوں کی دعا کرتے اپنا راستہ الگ کیا۔ دل میں یہ اطمینان لیے کہ وہ بھی اکیلا کہاں تھا۔ جن لوگوں کے رویے سے مایوسی حاصل ہوئی یہ وہ تھے جن پر "اس" نے تکیہ کیا تھا۔ جبکہ بقول دادی اللہ کی مدد واقعی کسی اور ذریعے سے ملنی تھی، جس کے دھندلے دھندلے عکس اب نظر آنا شروع ہوئے تھے۔

اُس شام نازنین یونہی دادی کو چھوڑنے وہاں تک نہیں آئی تھی۔ وہ اسے سمجھانے اور اس کا حوصلہ بڑھانے آئی تھی اور جو وہ کہنا چاہتی تھی اس کے لیے رسک اٹھا کر بھی موقع نکال لیا تھا۔ یعنی اسے نازنین کا نہ دکھائی دینے والا ساتھ حاصل تھا۔ اور اب اسفند اور رئیس۔ جنہوں نے جبار چاچا کے ہاں جانے کی بات خود چھیڑ دی تھی۔ اگر ان کا مفاد بھی جبار چاچا سے جُڑا ہوتا تو وہ اس موضوع سے گریز کرتے۔ بے شک وہ اوپر والی ذات، کبھی اپنے بندے کو اکیلا نہیں چھوڑتی

☆☆☆

اس رات حبس اور گرمی معمول کی راتوں سے کچھ بڑھ کر تھی۔ پشمینہ کو بڑی دیر تک بے چینی سے کروٹیں بدلنے پر بھی نیند نہیں آ سکی تھی۔ رخ پھیر کر دور لیٹی نازنین کو دیکھا، وہ شاید کب کی سو چکی تھی۔ پشمینہ تنگ آ کر اُٹھ بیٹھی۔ اوپر کے دو روشن دان تو کھلے تھے لیکن کھڑکی دروازہ وہ بند کر کے سوئی تھیں۔ اس نے اٹھ کر آہستگی سے پہلے کھڑکی اور پھر دروازہ بھی کھول دیا۔ ہوا باہر بھی بالکل بند تھی لیکن اندر کی نسبت قدرے تازگی کا احساس ہوا تو وہ برآمدے تک نکل آئی۔ باہر کا ماحول بہرحال بہت بہتر تھا۔ اس کا دل چاہا اپنی چارپائی باہر ہی نکال لائے لیکن۔ خود ہی اپنی سوچ کو رد کیا۔ اندر پنکھا تھا۔ باہر بنا پنکھے کے یقیناً بہت پریشانی ہوتی۔ وہ کمرے میں واپس جانے کے ارادے سے پلٹ رہی تھی جب دور ایک شعلہ سا چمکنے پر ٹھٹک کر رُکی۔

باری لوگوں کی چھت کے دوسرے کنارے پر جہاں مجیب چاچا کی چھت کی چاردیواری شروع ہو رہی تھی اس پر کوئی بیٹھا تھا اور۔ پشمینہ کی آنکھیں اب اندھیرے سے کافی حد تک مانوس ہو گئی تھیں۔

وہ اور کوئی نہیں گھٹنے اوپر اُٹھائے پیچھے سیڑھیوں والے کمرے کی اونچی دیوار سے پشت ٹکائے رئیس تھا

UUNOVELS.COM

جورات کے اس پہر بے فکری سے بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا اور بے فکری بہر حال جائز تھی کہ وہ اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا تھا اور اردگرد سے بے نیاز ہی لگتا تھا۔

پشمینہ کی فکرمندی البتہ اس کی روز بروز بڑھتی سگریٹ نوشی تھی۔ رئیس اب جہاں اور جب بھی نظر آیا، انگلیوں میں سگریٹ ضرور دبا ہوتا۔ اس روز رباب کے کمرے میں بھی جب وہ اندر داخل ہوا تو سگریٹ کی بو ساتھ داخل ہوئی، صاف لگا کہ اندر آنے سے پہلے کہیں آس پاس ہی پھینک دیا تھا۔ پشمینہ چلتے ہوئے اپنی چھت کی چھوٹی دیوار تک چلی آئی۔

رئیس نے بھی کسی کے ہونے کے خیال سے گردن گھمائی، چاند کے گو آخری دن تھے لیکن پہچان میں آنا اتنا بھی مشکل نہیں تھا۔ اور جونہی اس کی نظر پشمینہ پر پڑی تو تڑپ کر حبیب چچا کی چھت پر اترتے بے تابی سے چند ہی قدموں میں اس دیوار کے قریب آیا جس کے پار پشمینہ کھڑی تھی۔

"تم آ گئیں مینو۔"

"ہوں۔" وہ ایک دم بے یقینی سے چند قدم پیچھے ہٹی۔ "کیا مطلب؟"

"میں روزانہ تمہاری راہ دیکھتا ہوں، اتنی دیر سے وعدہ یاد آیا۔" وہ اب بھی جیسے اس کے ہونے کا یقین کر رہا تھا۔

"کک..... کون سا وعدہ۔" پشمینہ کا دل زوروں سے دھک دھک کرنے لگا۔ یہ رئیس کہیں نشے میں تو نہیں تھا۔

"میں نے تمہیں رات کے گیارہ بجے بلایا تھا نا۔ تم اتنے دن آئی کیوں نہیں؟" وہ سچ مچ یہی سمجھ رہا تھا کہ پشمینہ اس کے بلانے پر آئی ہے اور پشمینہ کے دماغ میں مانو آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ شبنم کے ولیمے کو ہفتوں گزر گئے تھے اور رئیس یوں اس کے انتظار میں بیٹھا تھا جیسے کل کی بات ہو۔

"تت..... تم میرا انتظار کیوں کر رہے تھے رئیس؟" اس نے گھبراہٹ سے پسینہ پونچھا۔

"کیوں کر رہا تھا؟" وہ دبا دبا چلایا۔ "ایسی اجنبیوں والی باتیں تو مت کرو مینو۔"

"تم سمجھتے کیوں نہیں رئیس۔ یہ انتظار بے معنی ہے۔ یہ بے تابی بھی بے کار ہے۔"

"تو تم یہی کہنے آئی ہو؟" اس کے نتھنے کھنچ گئے۔

"ارے نہیں۔" پشمینہ ماتھا پیٹ کر جھلائی۔ "میں تو تمہیں سگریٹ پیتے دیکھ کر آ گئی، کیوں اپنی صحت برباد کرنے پر تلے ہو۔ خدا کے لیے کچھ اپنے بارے میں سوچو، اور میں یہاں تمہارے لیے نہیں آئی رئیس، نہ ہی مجھے کوئی وعدہ یاد تھا۔ لیکن تمہیں سگریٹ....."

"جب تم میرے لیے نہیں آئیں تو رہنے دو یہ نصیحت بھی۔" وہ غصے سے کھول اٹھا۔ "پھر چاہے رئیس سگریٹ پیے، چاہے زہر..... تمہیں کیا۔"

"اگر تم یہ سب میری وجہ سے کرو گے تو مجھے تکلیف تو ہوگی۔"

"بس اسی بات کی تکلیف..... اور کچھ نہیں؟" وہ بڑے کرب انگیز لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"اور کیا رئیس؟" وہ جیسے سمجھا نہیں پا رہی تھی۔

"ہماری منگنی ٹوٹ چکی ہے، اب نہ رشتہ باقی رہا ہے اور نہ کوئی امید، آخر کس بنا پر خود کو دھوکا دیں اور....."

"تو جاؤ پشمینہ عبدالرحمن! یہاں کھڑی کس بحث میں اپنا وقت ضائع کر رہی ہو۔"

"بس ایک بار کہہ دو، یہ زہر تم میری وجہ سے اپنے اندر نہیں اتار رہے۔" پشمینہ نے انگلی سے اس کے سگریٹ کی طرف اشارہ کیا تو رئیس ہنس پڑا۔

"بے فکر رہو پشمینہ! میں اپنی بے وقت موت سے پہلے ہی تمہیں اس پریشانی سے آزاد کرتا ہوں۔ تمہارا اس میں کوئی ہاتھ نہیں، تمہارا کوئی قصور نہیں۔ جاؤ پشمینہ! اپنے آپ پر تو رحم کھاؤ۔" پشمینہ کا نازک دل اس کی بے رحم ہنسی سے چھلنی ہونے لگا۔

"اب نہیں آتا۔" اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری، چہرا ہنسی سے یکسر خالی ہو گیا۔

"تم ایسے تو نہیں تھے رئیس۔"

"حالات بھی تو ایسے نہیں تھے۔" وہ رخ پھیر

UUNOVELS.COM

کر چھوٹی دیوار سے پشت ٹکا کر ٹھہرا تھا۔ سگریٹ آدھے میں ہی مسل کر پیروں تلے کچل دی۔ پشمینہ کی طرف اب اس کی پیٹھ تھی، وہ پھر بھی رُکی رہی اُسے لگا بات صرف اتنی نہیں جو وہ سمجھ رہی ہے۔

"کچھ ہوا ہے کیا؟ اتنے مایوس اور دُکھی کیوں لگتے ہو، اب تو پڑھ لکھ کر واپس آئے ہو، پھر اتنا وقت گزر گیا ہے۔"

"میں بھی یہی سمجھا تھا مینو۔ اتنا وقت گزر گیا۔ تعلیم مکمل ہوگئی۔ اپنے پورے قد سے کھڑا ہونا اب شاید بہت آسان ہے لیکن نہیں۔" وہ آہستہ سے ہنسا۔ "ہم آج بھی گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی کے بھائی ہیں جو ایک غیر کی خاطر ہم سب کے چہروں پر طمانچہ مار گئی ہے۔ لیکن قصور دنیا کا نہیں ہے مینو۔ قصوروار آج بھی ہمارے گمراہ کن خیالات، ہمارے باغی دل ہیں۔ ورنہ یہاں آدھی رات کو میں تمہاری راہ نہ دیکھتا لوگ چاہتے تھے ہم اپنی بہن کو ڈھونڈ کر اُسے موت کے گھاٹ اُتار دیتے تبھی مرد کہلا سکتے تھے۔ اور مجھے دیکھو۔ میں ہفتوں سے گمشدہ محبت کی راکھ سے کوئی ادھ جلا شعلہ کُرید رہا ہوں۔ دنیا میری مردانگی پر تُف کرے تو حق بجانب ہے۔"

"بس کرو رئیس۔" وہ تڑپ کر رو دی۔ "کیوں اتنا اُلجھ چکے ہو، اللہ کے واسطے خود کو سنبھالو۔"

"پتا ہے مینو۔ کل ہم واسع لالہ کے ساتھ جبار چاچا کے پاس گئے تھے۔ اُن کے حق کی بات کرنے۔" وہ ان سنی کر کے اپنی ہی کہے گیا۔ "عزت داروں نے تو ساتھ چلنے سے انکار کر دیا، بڑے لوگوں سے تو سبھی کے مفاد جُڑے ہوتے ہیں۔ ہم نے نجانے کیا سوچ کر لالہ کا ساتھ دیا اور اپنی بدنامی کے چھینٹوں سے ان کا دامن بھی داغ دار کر دیا، چاچا نے یہ کہہ کر انہیں بھی دھتکار دیا کہ سچ جھوٹ کا فیصلہ تو تمہاری جماعت دیکھ کر ہی خوب ہو رہا ہے۔"

"اچھا دُکھی مت ہو، یہ بتاؤ واسع لالہ کے کام کا کچھ بنا؟" پشمینہ نے اس کا دھیان بدلنے کی کوشش کی۔

"کیا بننا تھا، خالی ہاتھ آ گئے وہ بھی۔"

"تو اُن کے بارے میں سوچو رئیس۔ وہ بھی تو بے قصور ظلم کا شکار ہیں۔ تم دونوں کی حالت میں خاص فرق تو نہیں۔ اس وقت تم ان کو تسلی دو اور ابھی میں جاتی ہوں، رات بہت ہوگئی ہے۔ تم بھی نیچے جاؤ۔" پشمینہ نے لہجہ سنجیدہ اور کھردرا کیا۔

"ہوں۔" رئیس بھی جیسے لہجے کے رعب میں آتے جانے کے لیے سیدھا ہوا۔

"سنو۔" وہ پشت سے پکار اُٹھی تو رئیس نے مُڑ کر دیکھا۔ پشمینہ نے اپنا ہاتھ آگے کیا۔

"سگریٹ کی ڈبیا مجھے دو۔"

"کیوں؟" اس نے خاصی ناپسندیدگی سے اس تجویز کو سنا۔

"صبح دوسری خرید لینا لیکن آج رات کا یہ آخری سگریٹ تھا۔" اس نے ابرو سے نیچے پڑے مسلے ہوئے ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا تو رئیس نے مسکراہٹ روک کر اس مرتبہ جیب سے ڈبیا نکال کر پشمینہ کی طرف بڑھا دی۔

"اتنا پھر بھی مان سکتا ہوں، ورنہ اگر تم سگریٹ چھوڑنے کے لیے کوئی قسمیں وسمیں دینے کا پروگرام بناتیں تو مار کھاتیں مجھ سے۔"

"قسمیں نہیں دوں گی۔" وہ بھی مسکرا دی۔

"مجھے یقین ہے ایک دن خود چھوڑ دو گے۔"

"لیکن تم ہی نے کہا کہ وہ دن تو نہیں آئے گا۔" وہ مسکراہٹ لبوں پر لیے اُلٹے قدموں آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہا تھا۔ پشمینہ نے تعجب سے دیکھا۔

"میں نے کب کہا؟"

"ابھی تو کہا، اب ہم منگیتر نہیں۔ نہ رشتہ ہے نہ اُمید۔" وہ ہنوز مسکراتے ہوئے اپنی سگریٹ نوشی کی وجہ جتاتے اپنے گھر کی چھوٹی دیوار پھلانگ گیا اور پشمینہ بھی بے ساختہ ہنس دی۔

☆☆☆

دادی دو دن گلشن پھوپھی کی طرف گزار کر آج گھر واپس آئی تھیں۔ حیرانی کی بات یہ تھی کہ اس بار گلشن خود آ کر ماں کو اپنے ساتھ لے گئی تھی۔

UUNOVELS.COM

''طبیعت تو اچھی رہی اماں؟'' جمیلہ ان کے لیے دودھ پتی بنا کر قریب آ بیٹھی۔

''ہاں اللہ کا شکر ہے طبیعت کا کوئی مسئلہ نہیں ہوا، لیکن تمہیں پتا ہے نا مجھے یہاں کے بغیر کہیں آرام نہیں آتا۔ دو دن بھی پہاڑ سے لمبے لگتے ہیں۔''

''ہاں بس کچھ دن اب گھر پر ہی آرام کرو۔''

''ہوں۔'' وہ چائے پینے کے لیے اٹھ بیٹھیں۔ ''یہ واسع نہیں آیا ابھی تک اور رباب۔ وہ کہاں ہے؟ کوئی دکھائی نہیں دیتا۔'' وہ خود باری کے ساتھ آئی تھیں اور وہ بھی انہیں چھوڑ کر واپس کہیں چلا گیا تھا۔

''واسع تو باہر گیا ہے۔ رباب ادھر پشمینہ سے ملنے گئی ہے۔ آپ سنائیں سب خیریت رہی اُدھر؟ گلشن اس روز کچھ جلدی میں لگ رہی تھی۔'' جمیلہ کو یاد آیا کہ گلشن بنا پروگرام کے اچانک ہی ماں کو ساتھ لے گئی تھی۔

''ہاں ضروری کام سے ہی لے گئی تھی۔ اسے کہاں یونہی ماں کی یاد آتی ہے۔''

''ضروری کام؟'' جمیلہ چونکیں۔

''ہاں جبار کی طرف گئے تھے دونوں میاں بیوی۔ مجھ سے مشورہ اور اجازت مانگ رہی تھی۔''

''کیسی اجازت؟'' جمیلہ کا دم اٹکنے لگا۔

''رشتہ مانگنے گئی تھی۔''

''رشتہ۔'' جمیلہ نے چپلوں کی آواز پر گھبرا کر گردن پھیری۔ رباب ابھی ابھی اکا جان کے گھر سے واپس پلٹی تھی۔

''نصیر کے لیے نیلم کا رشتہ لے گئے ہیں دونوں۔'' دادی اپنی لہر میں جاری تھیں، جمیلہ نے بے ساختہ ایک نظر رباب کو دیکھا پھر بات سنبھالنے کی کوشش کی۔

''نصیر تو آیا ہی نہیں نا اس ہفتے۔'' جمیلہ نے جیسے رباب کی تسلی کے لیے سنوایا جس کی ہلدی رنگت ماں کا دل ڈبو رہی تھی۔

''ہاں بتا رہی تھی گلشن۔ بات ہوگئی ہے نصیر سے۔ اسی کی رضامندی سے تو گئے ہیں دونوں۔'' دادی ان دونوں کی حالت سے بے خبر بس اپنی کہے جا رہی تھیں اور رباب نے آخری جملے پر بے ساختہ دیوار کا سہارا لیا۔

نیلم کا رشتہ نصیر کی رضامندی سے گیا تھا۔ ناقابلِ یقین۔

☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

UUNOVELS.COM

شبانہ شوکت

انا نہیں ہوتی

UUNOVELS.COM

''انس تم مجھے صاف صاف بتا دو کہ تمہارا ارادہ کیا ہے؟'' لنچ ٹائم تھا، دونوں آفس میں بیٹھے تھے۔ سفید شرٹ، جینز اور سفید دوپٹہ گلے میں سے گھما کر دونوں پلو سامنے ڈالے، بالوں کی اونچی سی پونی بنائے، تپے تپے سرخ چہرے کے ساتھ وہ اتنی ہی خوب صورت لگ رہی تھی، جتنی کوئی اور لڑکی بہت سا میک اپ کر کے لگتی۔ اس کے تپے ہوئے انداز کو دیکھ کر انس بے اختیار ہنسا تھا۔ اسے ہنستے دیکھ کر رمشہ کا غصہ کچھ اور بڑھا تھا۔

''تمہاری ہنسی ظاہر کرتی ہے کہ میری بات تمہارے لیے محض ایک مذاق ہے۔''

''تمہارے اسی غصے سے ڈر کر میں شادی جیسا اہم قدم اٹھانے سے ڈرتا ہوں۔ تمہارا کیا پتا کب، کس بات پر تم بگڑ جاؤ۔''

اس نے جلتی پر تیل ڈالا تھا پھر شعلے کیسے نہ بھڑکتے۔

''تم ایکچولی شادی کرنا ہی نہیں چاہتے یا کم از کم مجھ سے نہیں کرنا چاہتے، میرا دماغ خراب ہے جو تم سے امید باندھ کر، پرپوزل کو ریجیکٹ کرتی جاتی ہوں، تم بھی عام مرد ہو، لڑکی کو اپنی محبت کے جال میں پھنسا کر، اس کی بے بسی کا تماشا دیکھنے والے۔''

''بس کرو رمشہ، بدتمیزی نہیں.....''

''بدتمیزی؟ یہ بدتمیزی ہے؟'' وہ اس کی بات کاٹ کر چلائی تھی، اس نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھا، وہ دونوں آفس میں بیٹھے تھے، کوئی رمشہ کی اونچی آواز سن کر وہاں آ بھی سکتا تھا۔

''رمشہ کول ڈاؤن یار کیا ہو گیا تھا۔'' اس نے ہاتھوں سے بھی آواز ہلکی رکھنے کا اشارہ کیا، وہ جو جوش جذبات میں کھڑی ہو گئی تھی، دھم سے اپنی میز پر بیٹھ گئی، اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور تنفس کی رفتار تیز.....

''مجھے کسی اچھی پوسٹ.....''

''یہ اچھی جاب اور اچھی پوسٹ والا چورن بند کر دو۔ میرے لیے یہ کوئی ایشو نہیں ہے، نا ہی مجھے

پیسے کی کمی ہے، تم کوئی سولڈ بات کرو، فار گاڈ سیک۔"
اس نے دونوں ہاتھ کنپٹیوں کے اطراف رکھے۔
انس نے گہری سانس لے کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا تھا۔ سچ کہتے ہیں کہ دریا میں اترے بغیر اس کی گہرائی کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، رمشہ جیسی سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہونے والی لڑکی پیسے کی کمی سے پیدا شدہ مسائل کو سمجھ ہی نہیں سکتی تھی اور انس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ بیٹھا اسے ان مسائل سے آگاہ کرتا رہے، یہ محض وقت کا ضیاع تھا۔

☆☆☆

رمشہ ایلیٹ کلاس سے تعلق رکھنے والی لاابالی لڑکی تھی، خوب صورت بھی تھی تو اس کے لیے رشتوں کی بلاشبہ لائن لگی ہوئی تھی۔ حالیہ دنوں میں ایک بہت اچھا پروپوزل آیا ہوا تھا، رشتہ ہر لحاظ سے بہترین، خوب صورت، پڑھا لکھا اور ویل اسٹیبلشڈ لڑکا، رمشہ کو پہلی بار لگا کہ وہ اپنے والدین کو اتنی آسانی سے منع نہیں کر پائے گی۔ اسی لیے وہ انس سے تکرار کر رہی تھی کہ وہ اپنے والدین کو اس کے گھر رشتے کے لیے بھیجے۔

انس ایک مڈل کلاس فیملی سے تعلق رکھتا تھا، جہاں اس کی یہ نوکری ہی فخریہ اعزاز کی طرح سمجھی جاتی تھی، جبکہ یہ تو انس جانتا تھا کہ اس کی تنخواہ سے رمشہ کا چند دن بھی گزارہ نہیں، اتنی رقم وہ ہلے گلے میں اڑا دیتی تھی، حیثیت کا یہ فرق زیادہ تھا کہ انس اسے سوچ کر ہی تھک جاتا تھا، وہ تو پچھتاتا تھا کہ اسے رمشہ سے محبت ہوئی کیوں اور اگر اسے ہو بھی گئی تھی تو رمشہ کو نہ ہوتی، رمشہ کی محبت تو چھا جانے والی تھی، دونوں نے ایم بی اے ایک ساتھ کیا، انس کی وجہ سے، اس کے ساتھ رہنے کے لیے اپنے ڈیڈ کے بجائے اس ادارے میں انس کے ساتھ نوکری کر لی۔ اب وہ اس تعلق کو شادی کے بندھن میں باندھنے کی متقاضی تھی تو غلط نہیں تھی لیکن انس کو اس حوالے سے شدید پریشانیاں لاحق تھیں، خدشات تھے جو بے جا نہ تھے،

پھر بھی اس شام اس نے امی سے ذکر کیا وہ حیران رہ گئیں۔
"مخمل میں ٹاٹ کا پیوند کبھی نہیں لگتا میرے بچے! وہ اتنی امیرزادی، اتنی آسائشات کی عادی اور ہم ابھی ضروریات کے لیے جدوجہد میں مصروف ہیں۔ بہت مشکل ٹاسک ہے یہ، لڑکیاں بہت معصوم ہوتی ہیں، جذباتی ہو کر محبت تو کر لیتی ہیں اور اسی محبت میں بڑے بڑے دعوے بھی لیکن عملاً وہ اس محبت کو نبھا نہیں پاتیں، عملی زندگی کی سختیاں برداشت نہیں کر پاتیں تو بیٹا زندگی تو عمل کا نام ہے، خیال کا نہیں۔"
اس کی امی مطالعے کی شوقین تھیں اور ان کی گفتگو عموماً عملی ہوتی تھی۔
"امی رمشہ ایسی نہیں ہے، وہ ان سب لڑکیوں سے الگ ہے۔"
امی تدبر سے مسکرائیں۔ "یہ ایسا بے بس کر دینے والا جذبہ ہے کہ ہر لڑکے کو اپنی پسندیدہ لڑکی سب سے الگ لگتی ہے، حالانکہ وہ بھی ویسی ہی ہوتی ہے جیسی دوسری لڑکیاں۔"
"نہیں امی، آپ اس سے مل کر دیکھ لیں، اس میں بڑے لوگوں والی کوئی بات نہیں۔"
انس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ امی کو کیسے قائل کر لے۔
"میں مانتی ہوں کہ وہ اچھی ہے، اتنی اچھی ضرور کہ میرا بیٹا اس کی اتنی حمایت کر رہا ہے لیکن تم ہمیں چھوڑو، اس کے والدین کا سوچو کہ وہ اس بے جوڑ رشتے پر کیسے رضامند ہوں گے؟"
"یہ رمشہ کا کام ہے کہ وہ اپنے پیرنٹس کو کیسے مناتی ہے۔" انس کے دوٹوک لہجے پر امی اسے دیکھ کر رہ گئیں۔
امی سے بات کر لینے کے بعد وہ کافی حد تک پرسکون ہو کر اپنے کمرے میں آیا تھا، فون اٹھایا تو رمشہ کے کئی ٹیکسٹ آئے ہوئے تھے، انس نے ٹیکسٹ کیا۔
"واٹس ایپ پر آؤ، ویڈیو کال پر۔"

UUNOVELS.COM

چند لمحوں میں وہ آ چکی تھی۔ حسب معمول مسکراتی ہوئی پیاری سی مسکراہٹ لیے۔

"تمہیں معلوم ہے نا کل ویلنٹائن ڈے ہے، تو تم ایسا کرنا، کوئی بہت خوب صورت ریڈ سوٹ پہن کر آجانا ہم ساتھ کھانا کھائیں گے اور اپنا ویلنٹائن یادگار بنائیں گے۔"

"میرے پاس خوب صورت تو کیا، کوئی بدصورت ریڈ سوٹ بھی نہیں ہے۔" رمشہ نے چڑ دینے والی مسکراہٹ ہونٹوں پر چپکائی تھی، انس کا موڈ خراب ہوگیا۔

"تو تم بتا تو دیتیں، میں خود لے آتا۔"

"پہلے تم نے کب ویلنٹائن سیلیبریٹ کیا یا کبھی کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔" معصومیت تو اس وقت رمشہ پر ختم تھی اس نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا تھا۔

"چلو اب تو ارادہ بتا دیا نا، ویسے تمہیں علم نہیں کہ اس دن دن سے کلرک ڈریس پہنا جاتا ہے۔"

"نہیں۔"

"کیوں۔"

"کیونکہ میرا پہلا پہلا ویلنٹائن ہے نا۔"

اس نے شرمانے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے نگلی دانتوں میں دبائی، انس سلگ اٹھا تھا۔

"ہاں تمہارا پہلا ہے اور میرا غالباً ساتواں یا آٹھواں۔" اس کے طنز پر وہ بے ساختہ کھلکھلائی تھی۔

"کبھی سیلیبریٹ تو نہیں کیا نا۔"

"تو اب کر لیتے ہیں، کل تم آ رہی ہو مجھ سے ملنے۔"

☆☆☆

رمشہ کے والدین متذبذب تھے، ڈیڈ نے آفر کی تھی کہ انس ان ہی کی کمپنی جوائن کر لے تاکہ وہ بیٹی کی طرف سے مطمئن ہو سکیں لیکن انس نے منع کر دیا۔ رمشہ نے اپنے والدین کو بہر حال رضامند کر لیا۔ انہوں نے جہیز میں اسے فرنشڈ بنگلہ اور گاڑی دی تھی، لیکن انس نے انکار کر دیا۔ اپنے گھر کی تزئین و آرائش کروالی، گاڑی بھی اپنی استعمال کر رہا تھا، بیڈ روم سیٹ بھی خود پسند کر کے لایا تھا۔

شادی کے بعد زندگی بہت حسین ہوگئی تھی، دو ماہ ایسے گزرے کہ پتا ہی نہیں چلا، خوشیوں کے پنڈولے میں جھولتے، خوابوں جیسی زندگی جیتے، رفتہ رفتہ نوکری کی مصروفیت بڑھی، تو توجہ بھی بٹی، دونوں چلے جاتے، گھر میں پہلے کی طرح امی، ابو رہ جاتے۔ دونوں نے کبھی کسی معاملے میں رمشہ اور انس کو پریشان یا ڈسٹرب نہیں کیا، پھر جانے کیا ہوا، رمشہ تھکنے لگی یا اس زندگی سے اکتانے لگی کہ اس میں چڑچڑاپن آنے لگا، وہ جو انس سے لمحہ بھر کی دوری گوارہ نہ کر پاتی تھی، اب اس کی قربت سے بے زار رہنے لگی، بہانے بہانے سے میکے چلی جاتی۔ دو، دو دن رہ کر آتی۔

"مجھے لگتا ہے تم تھک جاتی ہو، تم جاب چھوڑ دو۔" اس دن انس نے کہا۔

"جاب چھوڑ دوں؟ پھر کروں کیا؟"

وہ جیسے حیران ہوئی، انس خاموش ہوگیا ورنہ کہنا تو چاہتا تھا کہ گھر کے کاموں میں دلچسپی لے لیا کرو یا امی کا کچن میں ہاتھ بٹا دیا کرو، لیکن یہ کہنے کی ہمت کہاں سے لایا۔ وہ اپنے کمرے کے علاوہ کہیں جھانک کر نہیں دیکھتی تھی۔ بہنوں اور کزنز سے فون کال پر بات کرنا یا دوستوں کے ساتھ باہر جا کر ہلا گلا کرنا، یہ اس کے مشاغل تھے، یہی مصروفیات، ان سب کے باوجود وہ اکتانے لگی تھی، کیونکہ پہلے وہ آفس کے بعد دوستوں کے ساتھ کہیں بھی چلی جاتی تھی لیکن اب انس کی وجہ سے اسے شام کو گھر میں رہنا پڑتا تھا۔

ان ہی دنوں اس کی طبیعت گری گری رہنے لگی، ڈاکٹر کے پاس گئی تو نئے مہمان کی خوش خبری مل گئی، ایک نئی خبر، نئی چیز، وہ کچھ دن کے لیے بہت خوش ہوئی لیکن پھر اسے اپنی ہی حالت نے بے زار کر دیا، انس کی امی اس کا بہت خیال رکھتیں لیکن وہ اپنے گھر جانا چاہتی تھی۔

UUNOVELS.COM

''انس میں مام کے پاس رہنے جارہی ہوں۔''
اس نے انس کو مطلع کیا اور چلی گئی اس کی ماما نے نازی (ملازمہ) کو مستقل اس کے لیے مخصوص کردیا۔ کہ وہ اسے فریش جوس بنا بنا کر دیتی رہے، وہ اتنی احتیاط کے قائل نہیں تھیں کہ یہاں، وہاں جانے سے پرہیز کرتیں وہ خود سوشل تھیں تو اسے بھی ساتھ لیے لیے پھرتیں۔ اس کی فرینڈز بھی وہاں آجاتیں، رمشہ کا دل بہل گیا لیکن کب تک انس اسے لینے کے لیے آ پہنچا تھا۔

گھر آئی تو معلوم ہوا انس کی کزن ایمن آئی ہوئی ہے، وہ شادی شدہ تھی لیکن اس کا شوہر دبئی ہوتا تھا، وہ خود بھی اٹھارویں اسکیل کی گورنمنٹ جاب کرتی تھی اور یہاں دو ہفتے کے لیے اپنے آفس کے کسی کام کے سلسلے میں آئی تھی۔ اس کے آنے سے گھر میں کچھ رونق ہوگئی تھی، وہ نہ صرف دوستانہ طبیعت کی تھی بلکہ کچن کے کاموں میں آنٹی کی مدد بھی کرتی رہتی۔

☆☆☆

اس دن اتوار تھا اور وہ آنٹی کو ہٹا کر خود کچن میں کھڑی ہوگئی تھی، لنچ بنا کر پیش بھی اس نے کیا تھا، شام میں آنٹی کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتی رہی۔

''یار تم بھی ایمن کے ساتھ ٹائم اسپینڈ کرو، بہت اچھا فیل کرو گی، اس کی کمپنی میں انجوائے کرو گی۔'' انس نے رمشہ سے کہا جو پہلے ہی پی بیٹھی تھی۔

''نہیں، مجھے کوئی ضرورت نہیں اس اصغری کے ساتھ ٹائم اسپینڈ کرنے کی۔''

''اگر ہر وقت متحرک رہنے والی کا نام اصغری رکھا جاتا ہے تو کوئی حرج بھی نہیں۔'' انس نے تحمل سے اس کا کڑوا لہجہ برداشت کیا تھا۔

''ہونہہ متحرک۔'' اس نے ہنکارا بھرا۔ ''نمبر بنانے کی فضول کوشش۔ یہاں نمبر بنانے کی کیا ضرورت ہے؟'' انس نے ابرو اونچی کی، پیشانی پر نہ چاہتے ہوئے بھی بل آ گیا تھا۔

''یہ تو اسی کو علم ہوگا اینڈ اسٹاپ دس، مجھے ایمن نامہ نہیں سننا۔'' وہ بے زاری سے کہتی لیٹ گئی۔

بات بڑھنے کے خدشے سے انس خاموش ہوگیا، ورنہ ایمن کی وجہ سے جو گھر میں، اس کے والدین کی زندگی میں' خوش گوار تبدیلی آئی تھی۔ جو دیکھ کر اسے رمشہ کا لیا دیا رویہ بہت دکھ پہنچانے لگا تھا، وہ اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا، جس سے ان کی ہر خوشی، ہر امید وابستہ تھی اور اس نے اپنی خوشیاں رمشہ کے وجود سے وابستہ کرلیں جو اس کی زندگی میں آنے کے بعد اس کی مایوسی میں بدل رہی تھیں۔

تین افراد تھے گھر میں انس اور اس کے امی، ابو، رمشہ چوتھا اضافہ تھی اور وہ سب اسے سر آنکھوں پر رکھتے تھے اور وہ جواباً انہیں زیادہ اہمیت دینے کی قائل نہ تھی۔ رویوں کا یہ تضاد آپس کی ہم آہنگی میں رکاوٹ بن رہا تھا۔ وہ گھر میں ہوتی بھی تو اپنے کمرے میں، دوستوں سے ملنا ملانا باہر ہی کرلیتی تھی کہ یہ گھر اسے شایان شان نہیں لگتا تھا۔ اپنے بچے کے لیے اس گھر کا تصور ہی اسے پریشان کردیتا تھا وہ خود کتنی آسائشات میں پلی بڑھی تھی بچپن کتنا حسین گزرا تھا، گھر کے لان میں، ٹیرس پر، ہر جگہ وہ دوڑتی پھرتی تھی اور یہاں اس گھر میں لان کا تو خیر کوئی تصور تک نہیں تھا، ٹیرس نامی بھی کوئی شے نہیں تھی، نہ کوئی جھولا، نہ ہی انڈور گیمز کے لیے ہال اف۔

اسے اب وہ واضح تفریق جو اس کی اور انس کی کلاس کو درجہ بدرجہ تقسیم کرتی تھی، سمجھ میں آرہی تھی اور پوری صحت سے سمجھ میں آرہی تھی۔

یہ محبت، دل پر اپنا کنٹرول حاصل کرتے ہی دماغ کی کارکردگی بھی صفر کردیتی ہے کہ وہ بھی یہ بات اس وقت سمجھ نہیں پاتا، جب ایک ہاں، نا سے زندگی بدل رہی ہوتی ہے، یہ نہیں تھا کہ اسے انس سے محبت نہیں رہی تھی یا اس محبت میں کوئی کمی آگئی تھی۔ ایسا کچھ بھی نہیں تھا بس تلخ حقیقت کی کڑواہٹ اب محسوس ہونے لگی تھی، اسے ڈیڈ نے اتنا خوب صورت گھر گفٹ کیا تھا، کیا حرج تھا اگر انس مان جاتا اور وہ لوگ وہاں شفٹ ہوجاتے۔

UUNOVELS.COM

اب انس اسے جاب چھوڑنے کا کہہ رہا تھا۔ وہ خود بھی بے زاری کیفیت کا شکار مجبوراً جاب کر رہی تھی لیکن گھر میں بیٹھے رہنے کا تصور بھی کوئی زیادہ خوش کن نہیں تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی یہ اکتاہٹ اس کے پورے وجود، اس کے لہجے میں بیزاری بن کر طاری ہو رہی تھی۔ انس اس کا بہت خیال رکھتا لیکن اس کا رویہ اسے بھی برگشتہ کرتا تھا، ایمن کو اس طرح خوش باش اور ہر دم کسی نہ کسی کام میں مصروف دیکھ کر اسے رمشہ ڈل لگنے لگی تھی۔ ایک ہی جگہ بیٹھے بیٹھے، موڈ خراب کیے دیکھنے والے کو بھی کوفت میں مبتلا کر دیتی، لیکن وہ حتی الامکان اپنے اوپر خوش مزاجی کا لبادہ اوڑھے رکھتا، لیکن نامحسوس انداز میں گھر آنے کے بعد وہ زیادہ وقت گھر والوں کے ساتھ گزارنے لگا تھا۔

☆☆☆

اگلے دن اس کی فارن کلائنٹس کے ساتھ میٹنگ تھی اور اسے پریزینٹیشن بنانی تھی، وہ ابھی لیپ ٹاپ کھول کر کام شروع ہی کرنے والا کہ رمشہ کی طبیعت خراب ہوگئی۔ اسے ہاسپٹل لایا تو ڈاکٹر نے ایڈمٹ کرلیا، اب اسے پھر گھر جانا تھا، امی کو لانا تھا، رمشہ کی مام کو اطلاع دینی تھی، ان چکروں میں رات کا ڈیڑھ بج گیا، جب اسے پریزینٹیشن یاد آئی وہ سر پکڑ کر رہ گیا تھا، اتنے میں ایمن کا میسج آیا، وہ رمشہ کی خیریت پوچھ رہی تھی۔ اس کے دماغ میں کوندا سا لپکا۔

"ایمن پلیز میری پریزینٹیشن بنا دو، بہت ضروری ہے۔"

ایمن نے ہامی بھرلی حسب توقع، پھر ایک دو ٹیکسٹ اور کر کے کچھ معلومات لیں۔ انس اس طرف سے مطمئن ہوا تو بیٹے کی خوش خبری لیے ہنستی مسکراتی نرس چلی آئی۔ ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی، مبارک باد سمیٹتے، خوشیاں مناتے یونہی صبح ہوگئی۔ انس گھر گیا، نہا دھو کر تیار ہو کر آفس جانے لگا جب مسکراتی ہوئی ایمن سامنے آئی تھی۔

"مبارک ہو انس۔"

"خیر مبارک ڈیئر، جلدی سے میرا لیپ ٹاپ۔"

اس کی بات منہ میں ہی رہ گئی اور ایمن نے بیگ اس کے سامنے کر دیا، وہ اس کا شکریہ ادا کرتا باہر بھاگا تھا۔

☆☆☆

"میرا خیال ہے۔ کافی دن ہوگئے ہیں اب گھر چلنا چاہیے۔"

انس نے رمشہ کو دیکھا، وہ بچے سمیت پندرہ دن سے اپنے والدین کے گھر تھی، روز انس کو آنا پڑتا تھا، اس کا دل بھی ان دونوں کے بغیر نہیں لگ رہا تھا۔ رمشہ نے ایک نظر اس کی گود میں موجود بیٹے کو دیکھا اور پھر انس کو۔

"تمہیں نہیں لگتا انس کہ وہ گھر ہمارے بیٹے کے لیے۔"

اس کے چپ ہو جانے پر اس نے اسے تا دیر دیکھا تھا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے گھر، ڈیفنس والا گھر بھی تو ہمارا ہی ہے نا۔"

جو بات سوچنے کی حد تک آسان تھی وہ کہنے میں اتنی مشکل کیوں ہو رہی تھی۔ اس کی کسی حد تک بات کا سمجھ چکا تھا۔ اس لیے اس کے چہرے کے تاثرات خوش گوار نہیں رہے تھے۔

"اتنے سے بچے کے لیے تو ماں کی گود ہی کافی ہے۔ گھر تو بہت بڑی بات ہے، بہرحال ابھی تو تم گھر چلو پھر دیکھتے ہیں۔"

"انس میں چاہتی ہوں ہمارا بیٹا ایک اچھے گھر میں آنکھ کھولے، اسے کوئی احساس کمتری نہ ہو....."

انس ایک دم اٹھا تھا رمشہ کی بات منہ میں ہی رہ گئی تھی۔ اس نے پاس آ کر بچے کو رمشہ کے پاس لٹا دیا۔

"میں چلتا ہوں اب۔"

"کیا ہوا انس، یوں اچانک کیوں اٹھ گئے؟"

"یہی بہتر ہے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں ورنہ بہت کچھ غلط ہو جانے کا ڈر ہے۔" اس کا لہجہ تپا

UUNOVELS.COM

ہوا تھا۔

''میں نے ایسا کیا کہہ دیا کہ تم اتنے غصے میں آ گئے۔''

''جب میں نے کئی بار تمہیں سمجھایا تھا کہ میرا چھوٹا سا گھر ہے اور اس میں میرے والدین میرے ساتھ رہتے ہیں۔ وہ گھر اسی لیے مجھے اتنا پیارا ہے، تم اسے اتنا کم تر سمجھتی ہو کہ اپنے بچے کو وہاں لے جانا نہیں چاہتیں۔ اس کی پرورش وہاں کرنا تمہیں اچھا نہیں لگ رہا تو میں تمہیں کیسے پسند آ گیا جو اسی گھر میں پلا بڑھا ہوں۔''

وہ پھٹ پڑا تھا، رمشہ نے بمشکل اپنے اندر امڈتے غصے کو قابو کیا تھا۔

''تم نے ایک خواہ مخواہ کی ضد بنالی ہے ورنہ ڈیڈ نے ہمیں وہ گھر گفٹ کیا ہے کوئی بھیک میں نہیں دیا۔''

''وہ ہم دونوں کا تو ہو سکتا ہے، میرے امی ابو کا نہیں، وہ اپنے گھر سے نکل کر وہاں گئے تو اپنے گھر کی ملکیت کا جو فخر ہے، وہ قائم نہیں رہے گا، تم اس چیز کو بالکل نہیں سمجھ رہیں۔''

''تو ان کی وجہ سے ہم.....'' وہ بات نامکمل چھوڑ کر ہونٹ بھینچ کر خاموش ہو گئی لیکن انس مفہوم سمجھ چکا تھا، اس نے غصے سے رمشہ کو دیکھا اور تیزی سے باہر چلا گیا تھا، رمشہ نے تکیے پر سر رکھ کر دکھتی ہوئی کنپٹیاں دبائیں۔ ''کیا کروں خدایا۔''

☆☆☆

''یہ تم دونوں کے درمیان کیا چل رہا ہے انس؟''

وہ بہت گہری سوچ میں گم تھا جب ایمن نے چونکایا تھا۔

''کچھ نہیں، کیا ہوتا ہے؟''

''اچھا، آج مجھے آنٹی نے کہا کہ ننھے پارس اور رمشہ سے ملوانے لے چلو، ہم وہاں گئے تو رمشہ اور اس کی ماما کچھ چپ چپ سی تھیں، صاف معلوم ہو رہا تھا کہ کوئی ٹینشن چل رہی ہے، تمہارے متعلق بتایا کہ ایک ہفتہ ہو گیا نا تم وہاں گئے ہو نہ ہی فون کیا ہے، آنٹی تو شاکڈ رہ گئیں، تمہاری کلاس لینے کا پکا ارادہ تھا ان کا لیکن سو گئیں۔''

وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر اسے رمشہ کی فرمائش بتا دی۔

''تو تم تحمل سے کام لو اور اسے کہو کہ جب پارس بڑا ہو گا اور اسکول جانے لگے گا تو ہم وہاں شفٹ ہو جائیں گے۔ جب تک اللہ نے چاہا تمہاری پروموشن بھی ہو جائے گی۔ سب ٹھیک ہو جائے گا بس نرمی سے معاملات کو ہینڈل کرو۔''

''وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہی ہے، اسے سب معلوم تھا کہ میں کس کلاس سے تعلق رکھتا ہوں اور کیا کیا افورڈ کر سکتا ہوں پھر اس کا ایسا مطالبہ؟''

''وہ تمہاری محبت میں بہت کچھ اگنور کر دیتی ہے لیکن یہ بھی سوچو وہ ان چیزوں کی عادی نہیں ہے اس لیے اس کے ہر عمل کے پیچھے چھپی اس کی محبت دیکھو، اپنے ردعمل سے اسے ہرٹ نہ کرو، تم اپنے پیرنٹس کا دل نہیں دکھا سکتے اور بیوی کا دل توڑ سکتے ہو۔''

''میں نے کوئی دل نہیں توڑا۔'' وہ تیزی سے بولا تھا۔

''اور کیسے توڑتے ہیں دل۔ اس کی ہر بات، ہر خواہش کو تو ریجیکٹ کر دیتے ہو، کہیں تو محبت کا بھرم رکھ لیا کرو۔''

''تو اس کے بنگلے میں شفٹ ہو جانے کا نام محبت ہے؟'' انس نے طنزیہ پوچھا، ایمن مسکرائی تھی۔

''اس کا دل رکھنے کا نام محبت ہے۔''

☆☆☆

رمشہ کب سے تذبذب کا شکار فون ہاتھ میں لیے بیٹھی تھی، وہ دشمن جان بے طرح یاد آ رہا تھا، دل چاہ رہا تھا ساری ناراضی بھلا کر اسے خود کال کر لے پرانا آڑے آ رہی تھی، اتنی سی بات پر کیسے غصہ کر گیا تھا کہ فون تک کرنا چھوڑ دیا، بس یہ تھی محبت اس کی، رمشہ نے دکھ سے لب کچلے، بار بار اس کا نمبر سامنے کرتی اور بس ٹچ کرتے کرتے رک جاتی، اس کشمکش سے تنگ آ کر فون واپس رکھنے لگی کہ وہ بجنے لگا۔ اس

UUNOVELS.COM

نے دیکھا "انس کالنگ" اس کا دل کسی اور ہی لے پر دھڑکا تھا۔

"ہیلو۔"

"میرے فون کا انتظار کر رہی تھیں؟" انس نے پہلی بات یہی کی۔

"نہیں تو، اب ایسا بھی نہیں۔" وہ مکر گئی۔

"تو پہلی ہی بیل پر کیسے اٹھا لیا۔" وہ بھی انس تھا۔

"وہ میں گیم کھیل رہی تھی تو میرے ہاتھ میں ہی تھا۔"

"تم جب بھی جھوٹ بولتی ہو، اپنے ناخن چبانے لگتی ہو، انگلی نکالو منہ میں سے۔"

اس نے ڈپٹ کر کہا۔ رمشہ نے بے اختیار انگلی واپس کھینچی جس کا ناخن دانتوں سے چبا رہی تھی۔

"اب بتاؤ کھانا کھایا ہے؟"

"تمہیں اس سے کیا۔" وہ پھر سے ناراض ہو گئی۔

"ہونا تو واقعی نہیں چاہیے لیکن کیا کروں کم بخت محبت بھی نا، جینے نہیں دیتی، ہر وقت، ہر پل تمہارا ہی خیال رہتا ہے۔"

"اسی لیے آج اتنے دنوں کے بعد فون کیا ہے۔" اس کی آواز میں گلہ آیا۔

"کیا تو میں نے ہی ہے نا، تم نے تو نہیں، گلہ تو پھر میرا بھی بنتا ہے۔" وہ چپ ہو گئی، انس کھنکارا۔

"پارس سو رہا ہے تو باہر چلیں ڈنر کے لیے؟"

"ہاں اور تمہیں معلوم ہے کل کیا دن ہے؟"

انس نے تجاہل برتا اور رمشہ کا دل جل کر خاک ہو گیا۔ فون بند کر کے وہ اٹھ گئی، سرخ اور گلابی پھولوں والے پرنٹ کی کرتی، سرخ جینز کے ساتھ ہلکے پھلکے میک اپ کے ساتھ بالکل تیار تھی جب انس اندر آیا تھا۔

"واؤ بیوٹی فل" اسے دیکھ کر سیٹی بجائی۔

"یہ لو کچھ لایا ہوں تمہارے لیے۔"

رمشہ نے بے دلی سے شاپنگ بیگز بیڈ پر رکھ دیے۔

"دیکھو گی نہیں کیا لایا ہوں۔" وہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ رمشہ نے بیڈ پر بیٹھ کر شاپر کھولا اور اندر سے جھلملاتا۔ ستاروں بھرا خوب صورت لباس دیکھ کر خوشی اور حیرت سے ساکت رہ گئی تھی۔

"تت..... تمہیں یاد تھا کہ....."

"جی مجھے یاد تھا کہ کل ہماری شادی کی سالگرہ ہے۔" انس کی آواز میں جذبات اور شرارت گھلی ملی تھی۔

"کتنی جلدی ایک سال بیت گیا نا۔" وہ اس کی طرف مڑی۔

"ہاں، اور ہم اس کے پیرنٹس بھی بن گئے۔" وہ پارس پر جھک گیا، رمشہ ہنس پڑی تھی۔

"اب مزید جو بھی لینا ہے، وہ ساتھ چل کر لیتے ہیں اور کل کا سارا دن تمہارے نام۔"

انس کے اعلان پر خوشی سے وہ اس کے کندھے سے آ لگی تھی۔

"سوری انس، میں نے تمہیں ہرٹ کیا۔"

"مجھ سے بھی زیادتی ہو جاتی ہے، مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا، پارس کچھ بڑا ہو جائے پھر ہم اپنے ڈیفنس والے گھر میں شفٹ ہو جائیں گے۔ بس کچھ وقت لگے گا امی ابو کا ذہن بنانے کے لیے، اوکے۔"

رمشہ جو اپنے کیے پر اتنے دنوں سے پچھتا رہی تھی، اس کی غیر متوقع بات پر حیرت اور خوشی سے گنگ رہ گئی تھی، انس اس کی کیفیت بھانپ کر مسکرایا۔

"میں نے یہ بات جان لی ہے کہ محبت میں انا نہیں ہوتی۔ احساس ہوتا ہے، محبوب کی خوشی کا، اس کے سکون کا۔

ہماری شادی کو ایک سال بیت گیا۔ اب میں تمہیں اس دن تو ناراض نہیں کر سکتا تھا۔ تم میرے ساتھ چل کر گفٹ کی صورت میں لے لینا۔" اس نے دونوں ہاتھ رمشہ کی طرف بڑھائے۔

"لو یو انس، رئیلی لو یو۔" وہ محبت سے اسے دیکھتی، اس کے ہاتھ تھامتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی، فضا میں محبت کی رنگین تتلیاں اڑتی پھر رہی تھیں اور ان کے پروں سے محبت کے ساتوں رنگ ان دونوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے۔

☆

UUNOVELS.COM